البدعة وأهل البدعة في نظر الصحابة وسادات الأمة
بدعت اور اہل بدعت
اسلام کی نظر میں
تالیف
مولانا حافظ محمد اقبال رنگونی فاضل مظاہر العلوم سہارنپور
مدیر ماہنامہ الھلال مانچسٹر
مقدمہ
ڈاکٹر علامہ خالد محمود ڈائرکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر
دار المعارف
الفضل مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

البدعة واهل البدعة في نظر الصحابة وسادات الامة

المسمٰی بہ

بدعت اور اہل بدعت

اسلام کی نظر میں

تالیف

مولانا حافظ محمد اقبال رنگونی فاضل مظاہر العلوم سہارنپور

مدیر ماہنامہ "الہلال" مانچسٹر

مقدمہ

ڈاکٹر علامہ خالد محمود ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر

دار المعارف

الفضل مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

نام کتاب ــــــــــ بدعت اور اہل بدعت

مصنف ــــــــــ مولانا حافظ محمد اقبال رنگونی

مقدمہ ــــــــــ علامہ خالد محمود صاحب

کتابت ــــــــــ حفیظ الحق صدیقی

صفحات ــــــــــ ۳۲۰

ناشر ــــــــــ دار المعارف لاہور

تعداد ــــــــــ گیارہ سو

قیمت اعلیٰ مجلد ــــــــــ ۸۰ روپے

ممالک یورپ ۸ پونڈ

ملنے کے پتے

دفتر دار المعارف ۳۴ دیو سماج روڈ سنت نگر لاہور

جامعہ ملیہ اسلامیہ لاہور، توحید پارک نزد امامیہ کالونی لاہور

پتہ انگلینڈ میں : اسلامک اکیڈمی آف مانچسٹر

فہرست مقدمہ

نظریہ اباحت کی علمی بحث

فہرست

بدعت کے سیاہ سائے

چند شبہات کے جوابات

بدعات صحابہ کرامؓ کی نظر میں

اہل بدعت اکابر تابعین کی نظر میں

اہل بدعت ائمہ مجتہدین کی نظر میں

اہل بدعت حضرات مجددین کی نظر میں

اہل بدعت اکابر علماء کی نظر میں

بے علم مسلمانوں کی عملی بدعات

قبروں پر کی جانے والی بدعات

گیارہویں شریف

مقدمہ

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد :-

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سفرِ آخرت پر روانہ ہونے سے پہلے صحابہؓ کو دو چیزوں سے تمسک کرنے کی ہدایت فرمائی اور ضمانت دی کہ جب تک وہ ان دو چیزوں سے اخذِ دین کریں گے وہ کبھی گمراہ نہ ہوں گے ـــــ وہ دو چیزیں کیا کیا تھیں :

(۱) کتاب اللہ اور (۲) سنّت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

قرآن کے گرد امت نے پوری محنت سے حفظ و قرأت اور تفسیر کا پہرہ دیا اور اسے شریعت کا پہلا ماخذ ٹھہرایا اور اس کی ہر لفظی اور معنوی تحریف سے حفاظت کی اور آج تک یہ محنت جاری ہے۔

سنّت کے گرد بھی امت نے پوری وفا سے پہرہ دیا اور بدعات کو اس حلقۂ نور میں داخل ہونے سے پوری قوت سے ان کے آگے روک تھام کے بند باندھے اور آج تک یہ محنت جاری ہے۔ بدعات سنّت کے حلقۂ نور میں داخل ہونے کے چور دروازے ہیں۔

دورِ اوّل میں بدعات کے خلاف اُٹھنے والوں میں سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت علی المرتضیٰؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سرفہرست ہیں۔ انہوں نے دین میں داخل کی جانے والی ہر نئی بات کو علی الاعلان بدعت کہا اور کوئی مصلحت انہیں اس اظہارِ حق سے نہ روک سکی۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء۔

اس امت کا دوسرا ہزار شروع ہوا تو حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ اس پہرۂ وفا پہ آئے اور اس طرح شریعت کی حفاظت فرمائی کہ بدعتِ حسنہ تک کو اس حظیرۂ قدسیہ میں داخل نہ ہونے دیا ـــــ اور پھر ان کی راہ پر حضرت شاہ ولی اللہؒ، حضرت شاہ عبدالعزیزؒ، حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ اور حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ پورے عزم و ہمت سے چلے اور کتاب و سنّت

کے گرد حفاظت کی ایک پوری خندق کھود دی۔

اس دور آخر میں اس محاذ پر فقیہ النفس حضرت مولانا رشید احمد محدث گنگوہیؒ، حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور حضرت مولانا مرتضیٰ حسن چاندپوریؒ نے اقامتِ سنّت اور ردِ بدعات کی محنت کی ہے۔ یہاں تک کہ آج برصغیر پاک و ہند میں جہاں بھی آپ کو بدعت کی راہیں مسدود ملیں گی اس کے پیچھے آپ کو انہی حضرات کے کسی نہ کسی شاگرد یا متوسل کا ہاتھ نظر آئے گا۔ اب ان حضرات کی کاوشوں سے ردِ بدعات کی بنیاد قائم ہو چکی ہے اس کے ضوابط منقح ہو چکے ہیں اور ان پر کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ آج آپ کو کوئی ایسی بدعت سننے میں نہ آئے گی جس کا رد نہ ہو چکا ہو اور اس پر لکھا نہ جا چکا ہو۔ جہاں کہیں بھی کوئی بدعتی اُبھرا اللہ تعالیٰ نے وہیں سے کسی نہ کسی وفادارِ سنّت کو اس کے مقابل لا کھڑا کیا اور اب اہلِ بدعت کے پاس سوائے ضد کے اور کوئی وجہ نہیں رہی جس کے باعث آج بھی بعض حلقوں میں بدعات کی اندھیریاں قائم ہیں۔ تاہم ابھی اس محاذ پر اور تبلیغی کام کرنے کی ضرورت ہے۔

غلط بات پر اڑنا بنو آدم کی شان نہیں

انسان فطری طور پر آدمی ہے — یعنی آدم کے مزاج والا — کہ خدا کی محبت اور طلبِ قرب میں حکم کو نہ دیکھے۔ اپنی خواہش پر چل نکلے اور جوشِ عمل میں آگے بڑھنے لگے — اور پھر جب اس پر اسے ٹوک دیا جائے تو توبہ اور انابت کے ساتھ جھکے اور اپنے اصل حکم پر آجائے — آدم مزاج وہی ہے اور آدمی اسے ہی کہتے ہیں ؎

میری افتادگی بھی میرے حق میں اس کی رحمت تھی
کہ گرتے گرتے بھی میں نے لیا دامن ہے تھام اس کا

حضرت آدم علیہ السلام درخت کے قریب اسی طلبِ قرب میں گئے اور وہ سمجھتے تھے کہ میں اس سے دائمی قربِ الٰہی پالوں گا۔ بدعتی بھی سمجھتا ہے کہ میرے یہ اعمالِ بدعت طاعتِ خداوندی

ہیں اور قربِ الٰہی کا ذریعہ ـــــ اور وہ اس حکم کو نہیں دیکھتا کہ اس کامل دین میں اب کسی کمی بیشی کی گنجائش نہیں حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام فرما گئے۔ من احدث فی امرنا ھٰذا مالیس منہ فھو رد او کما قال صلی اللہ علیہ وسلم۔

بریلوی کہتے ہیں حضرت آدم کا عمل اس لیے خطا ٹھہرا کہ اس پر منع وارد تھی۔ انہیں اس سے روکا گیا تھا۔ سو بدعت وہی ہے جس پر منع وارد ہو۔ ہم کہتے ہیں کہ تمہارے نئے نئے اعمال طاعت جن کو تم عبادت اور نیکی سمجھ کر کرتے ہو۔ کیا ان تمام پر من احدث فی امرنا ھٰذا کی منع وارد نہیں؟ وہ منع جزئی تھی اور یہ منع کلی ہے وہ منع وقتی تھی اور یہ شریعت دائمی ہے جو نئی جمع و تفریق سے بالا ہے اور سنت کی رکھوالا ہے یہاں اسے ایک ضابطہ کے تحت رکھا گیا ہے کہ دین کامل مکمل ہو چکا اب اس میں تا قیامت کوئی کمی یا زیادتی نہ ہو سکے گی۔ دین میں کوئی نیا کام اسے دین سمجھتے ہوئے داخل نہیں کیا جا سکتا۔ اور ایسا کرنا دین میں بدعت کا دروازہ کھولنا ہے۔

پھر بریلوی اس بات کو کیوں بھول جاتے ہیں کہ جب آدم علیہ السلام کو اس پر تنبیہ کیا گیا تو وہ اپنی بات پر اڑے نہیں۔ فوراً توبہ میں جھک گئے۔ سو اب آدمی کی فطرت یہی ہے کہ اپنی غلطی پہ اڑے نہیں، خطا کو توبہ کے پانی سے دھو ڈالے۔ ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے بنتے تو دیکھا لیکن آدم کی توبہ و انابت کا یہ کمال ابھی اس پر نہ کھلا تھا۔ ورنہ وہ بھی سجدہ کر دیتا۔ حضرت شیخ الاسلامؒ لکھتے ہیں:۔

> جب اس غلطی کے بعد انہوں نے توبہ و انابت اختیار کی تو ابلیس لعین کو ان کے اعلیٰ کمال اور امتیازی نجابت و شرافت کا مشاہدہ ہو گیا ہو گا۔[1]

یاد رکھیے اہل بدعت کا اپنی بدعات پر اڑنا انہیں ہرگز آدمی فطرت نہیں رہنے دیتا۔ اپنی غلط بات پر اڑنے کا سنگ بنیاد شیطان نے رکھا تھا اور اب تک شیطان مزاج لوگ اپنی ضد کی لکیر کو پیٹتے چلے جا رہے ہیں۔

---

[1] فوائد القرآن صد ۱۹

بدعت کی زینت اور رونق

وہ اعمال جن میں شریعت کی اصل نہیں اور لوگوں نے وہ خود بنا رکھے ہوں شیطان انہیں ایسی زینت اور رونق دیتا ہے کہ نادان لوگ اس کی چمک دمک میں کھو جاتے ہیں اور حرص و لالچ کے رسیا اس کی کشش اور لپک میں کلیۃً سمو جاتے ہیں ــــ ابلیس نے تو اللہ رب العزت کے حضور ہی کہہ دیا تھا

قال رب بما اغویتنی لازینن لھم فی الارض ولاغوینھم اجمعین الا عبادك منھم المخلصین۔ (پ۱۴، الحجر ع ۳ آیت ۳۹)

ترجمہ اے رب تُو نے مجھے جو دوسری راہ پر ڈال دیا اب میں ان انسانوں کے لیے زمین کو آراستہ کروں گا اور ان سب کو گمراہ کروں گا ماسوا تیرے مخلص بندوں کے.

ہندوؤں کے ہاں دسہرے کے رنگا رنگ جیسے مختلف ڈیزائنوں کے دیوتاؤں کے بُت. ہولی کے رنگا رنگ کے چھینٹے ــــ عیسائیوں کے پھولوں سے لدے کرسمس فادرز اور دیواروں پر لگی تصویریں اور جھنڈیاں کرسمس تقریبات کے چھلکتے جام ــــ آتش پرستوں کے شعلہ دار فانوس اور لپک شعلہ بردار جلوس ــــ شیعوں کے رنگین تعزیئے اور جھنڈیوں سے لدے ذوالجناح کے جلوس ــــ اہل بدعت کے عرسوں کی چادریں. دسویں اور چہلم کے مخلوط اجتماعات. جلوس کے جلوے اور قوالوں کے نغمے ــــ یہ وہ رونقیں اور زینتیں ہیں جو اسلاف کی طرز پر چلنے والی مسجدوں میں آپ کو کہیں نہ دکھائی دیں گی اور انسان ان میں کھو کر اسلام کی فطری سادگی اور اس اخلاص و اعتقاد کو یکسر بھول جاتا ہے جو الٰہی تعلیم کی بنیاد تھی. پھر ان رونقوں کے ساتھ جب دنیا کی وجاہت اور رعب و داب بلکہ کچھ لالچ بھی آ شامل ہوں اور ملکوں کے صدر اور حکمران بھی عوامی تائید حاصل کرنے کے لیے اس طرف بڑھنے لگیں تو آسمانی ہدایت اور الٰہی تنظیم یکسر دم توڑ کر رہ جاتی ہے اور حق یہ ہے کہ شیطان نے جو کچھ کہا تھا اس نے کر دکھایا اور اولادِ آدم کو بڑے بڑے بھلاوے دیئے.

واذ زین لھم الشیطان اعمالھم وقال لاغالب لکم الیوم من النّاس و
انّی جار لکم۔ (پ۱۰: الانفال ع ۶)

ترجمہ۔ اور جس وقت خوشنما کر دیا شیطان نے ان کی نظروں میں ان کے عملوں کو
اور بولا کوئی بھی غالب نہ ہوگا تم پر آج لوگوں میں سے اور میں تمہارا حمایتی ہوں۔

دیکھیئے یہاں شیطان کس طرح ان اعمال کو زینت بنا کر دکھا رہا ہے۔ اس سے اس فریب کی گہرائی کا پتہ چلتا ہے جو شیطان ان کے لیے کھودتا ہے —— بہت سے عوام اور جہلاء ان مجالس بدعت اور محافل عرس میں محض اس لیے جاتے ہیں کہ وہاں انہیں اچھے خاصے ذائقے میسر آجاتے ہیں۔ وہاں کھانے پینے کی رونقیں لگتی ہیں —— اور دیکھنے دکھانے کے لیے ہر رنگ کے جلوے اور سبزے اور ملنے ملانے کے کھلے مواقع اور رمزے میسر آجاتے ہیں۔ دنیوی دلچسپیوں اور رونقوں کی اچھی خاصی بہار ہوتی ہے اور نام پھر بھی دین کا چل رہا ہوتا ہے کہ جو روکے یا ٹوکے فوراً بدمذہب کا نام پائے یا سارے حالات کو دیکھ کر آنکھ چرالے اور خاموشی سے گزر جائے۔

مسجدوں میں خاموشی اور خشیّت کا سماں

اس کے بالمقابل مسجدوں اور عبادت خانوں میں کیا رکھا ہوتا ہے —— خاموشی اور خشیت کے سوا وہاں کچھ نظر نہیں آتا مومنین «اولٰئك ما كان لهم ان يدخلوها الا خائفين» کے جلو میں وہاں داخل ہوتے ہیں اور وہاں کوئی سامان چمک نظر نہیں آرہا ہوتا —— سو ادھر کون آئے —— اکثریت ادھر ہی بھاگتی ہے اور بڑی تیزی سے الٰہی حدود کو پھاندتی چلی جاتی ہے۔ یقین نہ آئے تو بڑی بڑی درگاہوں کے عرسوں میں جا کر خود دیکھ لیں ہم کہیں گے تو شکایت ہوگی۔

فان کنت لا تدری —— فتلك مصیبة
وان کنت تدری —— فالمصیبة اعظم

بریلوی جب ان مجالس سے لوٹتے ہیں تو رستے میں ان کی زبان پر یہ چرچے ہوتے ہیں سبحان اللہ بڑی رونق تھی، بڑی بہار تھی۔ کھانے پینے کو بہت کچھ تھا بڑے مزے تھے۔ نئے پرانے سب آشنا خوب ملے اور بار بار ملے بس دمالقی ہوس۔

بدعت کی لپک اور کشش

اہل بدعت ایسے جتنے اعمال کرتے ہیں اس امید میں کھو کر کرتے ہیں کہ آخرت میں انہیں ان کی جزا ملے گی اور ان کے اعتقاد میں ان کی یہ طاعت اور نیاز حق ہوتی ہے۔ جنگلوں کے سادھو اور پہاڑوں کے راہب اس امید میں دنیا چھوڑتے ہیں کہ وہ خدا کو راضی کر پائیں۔ لیکن وہ نہیں جانتے ہوتے کہ وہ دنیا اور آخرت دونوں کے گھاٹے میں جا رہے ہیں۔ خدا ان خودساختہ اعمال بدعت سے کبھی راضی نہیں ہوتا۔

الذین ضل سعیھم فی الحیوٰۃ الدنیا وھم یحسبون انھم یحسنون صنعًا۔ (پ۱۶، الکہف ع۱۲)

ترجمہ: جن کی کوشش دنیا میں ہی رہ گئی اور وہ سمجھتے رہے کہ خوب بنا رہے ہیں (آخرت کے لیے) اپنے کام۔

مفسر بیضاوی ان لوگوں کی مثال میں عیسائی راہبوں کو پیش کرتا ہے:۔

کالرھبانیۃ فانھم خسروا دنیاھم واٰخرتھم وھم یحسبون انھم یحسنون صنعا لعُجبھم واعتقادھم انھم علی الحق۔[1]

ترجمہ: جیسے رہبانیت کے لوگ جو اپنی دنیا میں بھی اور اپنی آخرت میں بھی گھاٹے میں ہی رہے اور وہ سمجھتے رہے کہ خوب نیکیاں بنا رہے ہیں اس میں وہ خوش ہیں اور یہی ان کا عقیدہ ہے کہ وہ حق پر ہیں اور ان کے ان عملوں سے خدا خوش ہو رہا ہے۔

---

[1] تفسیر بیضاوی صہ۳۹۵

تفسیر روح البیان میں ہے وفی الآیۃ اشارۃ الی اہل الاھواء والبدع۔ اور آگے جاکر لکھتے ہیں:۔

وان ھٰؤلاء القوم یبتدعون فی العقائد و یراؤون بالاعمال فلا یعود وبال البدعۃ والریاء الا الیھم[1]

ترجمہ: یہ لوگ اپنے عقائد بھی نئے بنا چکے ہیں (پہلے پیغمبروں کے طریقے پر نہیں رہے) اور اعمال میں بھی وہ ریاکار ہیں۔ سو ان کی بدعات اور ریا کا وبال خود انہی پر پڑے گا۔ دینِ حق کا وہ کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔

اہل بدعت کے مختلف طبقات

ان اہلِ بدعت میں وہ بھی ہیں جنہوں نے وہ دین جو سب انبیاء سے ایک چلا آرہا تھا اسے بدلا۔ توحید و رسالت اور آخرت دین کے بنیادی اصول ہیں۔ انہوں نے توحید کی بجائے تثلیث رسالت کی بجائے خدا کا بیٹا اور نجاتِ آخرت کے لیے شریعت کی بجائے صلیب مسیح کی راہ تجویز کی گویا پورا دین بدل ڈالا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد جب حضرت خاتم النبیین آئے تو آپ نے قوموں کو پھر اسی دین پر لوٹایا جو پہلے سب انبیا کی مشترکہ اساس تھا اور آپ کو کہنا پڑا کہ میں کسی نئی قسم کا رسول نہیں ہوں اسی طرح کا ایک پیغمبر ہوں جیسے پہلے پیغمبر آتے رہے ہیں۔ میری رسالت کسی جدی نوع کی نہیں ہے۔ قرآن کریم میں ہے:۔

قل ما کنت بدعًا من الرسل۔ (پ۲۶: الاحقاف ع ۱)

ترجمہ: آپ کہہ دیں میں کوئی نیا رسول نہیں آیا۔

سو عیسائی ایسے اہل بدعت بنے جن کی بدعت انہیں کفر تک لے گئی۔ ہندو ایسے اہل بدعت ہوئے جن کی بدعت انہیں کھلے شرک تک لے آئی۔ وہ اپنے مندروں میں بتوں کو لے آئے کہ یہ خدا

---

[1] روح البیان جلد ۵ صفحہ ۲۰۴

کی عبادت میں ہمارے وسیلہ ہیں. یہ بُت جن بزرگوں کے نام پہ بنے ہیں وہ ہمیں خدا کے قریب کر دیں گے. ایک بڑے خدا پر اعتقاد رکھتے ہوئے اعتقاد سے انہوں نے مندروں میں بُت لا رکھے اور اس الحاد نے انہیں عقیدہ توحید سے کلیتہً محروم کر دیا. گو وہ لاکھ کہتے رہیں کہ ہم ایک خدا کو مانتے ہیں. ہندوؤں اور عیسائیوں کی عقیدہ توحید میں بدعات انہیں کفر تک لے گئی ہیں.

بدعت فی العقائد کے مجرم

پھر ان اہل بدعت میں وہ بھی ہیں جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں مگر بدعت فی العقائد میں وہ بھی کفر کی سرحدوں کو چھوڑ رہے ہیں ـــــ ان میں وہ بھی ہیں جو انسان کو خود اپنے افعال کا خالق سمجھتے ہیں اور وہ بھی ہیں جو گناہِ کبیرہ کے مرتکب کو کافر کہتے ہیں. وہ بھی ہیں جو موجودہ قرآن کو محرف اور مبدل سمجھتے ہیں اور اسے مخلوق جانتے ہیں اور ان میں وہ بھی ہیں جو انبیاء و اولیاء میں خدا کا اُترنا مانتے ہیں اور برملا اپنا یہ عقیدہ بیان کرتے ہیں.

جو مستوی عرش تھا خدا ہو کر اُتر پڑا وہ مدینہ میں مصطفےٰ ہو کر

یہ سب طبقے بدعت فی العقائد کے مجرم ہیں اور انہیں معتزلہ و خوارج اور شیعہ اور علویہ کے ناموں سے یاد کیا جاتا ہے. لیکن جو آیت ہم نے پہلے ذکر کی ہے اس میں ان کے اعمال ضائع ہو جانے کا بیان ہے. اب بدعت فی الاعمال کے مرتکبین بھی اسی کھاتے میں آتے ہیں.

الّذین ضلّ سعیھم فی الحیٰوۃ الدنیا وھم یحسبون انھم یحسنون صنعًا. (پ۱۶، الکھف)

یہ سب مجرم اسی آیت کے ذیل میں آتے ہیں جن کی کوششیں یہیں دھری کی دھری رہ گئیں. اب اگر کوئی شخص یا طبقہ اہل سنت بھی کہلائے اور اس کے عقائد معتزلہ و خوارج اور شیعہ و علویہ کے سے بھی نہ ہوں پھر بھی اگر وہ ایسے اعمال طاعت کرتا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرامؓ نے نہیں کئے تو وہ بھی اس ذیل میں آجاتا ہے کہ وہ لوگ دُنیا میں ایسے

اعمال کرتے رہے کہ انہیں اُمید تھی کہ آخرت میں وہ ان کا صلہ پائیں گے مگر وہ ان کے اعمال یہیں رہ گئے اور آگے نہ جا سکے۔

یہ لوگ بدعت فی الاعمال کے مجرم ہیں۔ یہ اس لیے کہ ان کے اعمال سنت اور صحابہؓ کے پیمانے میں نہ ڈھلے تھے۔ یہ ان کی اپنی گھڑی ہوئی بدعات تھیں۔ سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ایسے لوگوں کو صریح لفظوں میں بدعتی فرمایا۔ آپ نے ایک مسجد میں لوگوں کو بلند آواز سے ذکر کرتے سُنا۔ ان لوگوں نے اجتماع بس اسی ذکر کے لیے کر رکھا تھا۔ آپ نے انہیں مسجد سے نکال دیا علامہ شامیؒ لکھتے ہیں

صح عن ابن مسعودؓ انه اخرج جماعة من المسجد يهللون ويصلون على النبي صلى الله عليه وسلم وقال لهم ما اراكم الا مبتدعين۔[1]

ترجمہ۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے صحیح طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ آپ نے کچھ لوگوں کو جو مسجد میں بلند آواز سے لا الٰہ الا اللہ اور درود شریف پڑھ رہے تھے مسجد سے نکال دیا اور فرمایا تم تو بدعتی ہو۔

آگے بدعت کی ایک اور قسم ہے کہ اعمال کے ڈھانچے تو وہی ہوں جو پہلوں سے ہمیں ملے ہیں لیکن ان کا رکھ رکھاؤ اور ظاہری اہتمام پہلے سے کچھ بدل جائے اور اس پر صحابہؓ کا عمل ثابت نہ ہو۔ مثلاً تہجد کی نماز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کے دور میں عام طور پر گھر پڑھی جاتی تھی۔ اب اگر اسے اعلان و اہتمام کے ساتھ مسجد میں پڑھا جانے لگا اور یہ کبھی کبھار کی بات بھی نہ ہو تو کیا یہ ایک نیا عمل نہ سمجھا جائے گا؟ کسے معلوم نہیں کہ چاشت کی نماز (صلوٰۃ الضحیٰ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ لیکن لوگوں نے جب اسے مسجد میں اہتمام سے پڑھنا شروع کیا تو سیدنا حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اس کے بدعت ہونے کا فتویٰ دے دیا۔ امام المفسرین حضرت مجاہدؒ ایک دفعہ حضرت عروہ بن الزبیرؓ کے ساتھ مسجد میں گئے تو وہاں کیا دیکھا کہ ایک بڑا اجتماع ہے اور لوگ چاشت کی نماز پڑھ

---

[1] رد المحتار جلد ۲ ص ۳۵۰

رہے ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ مسجد میں حضرت ام المؤمنینؓ کے حجرہ کی طرف بیٹھے تھے ہم نے ان سے اس اہتمام سے مسجد میں نماز چاشت پڑھنے کے بارے میں پوچھا۔

والنّاس یصلّون الضحیٰ فی المسجد فسألناہ عن صلوٰتھم فقال بدعۃ۔[1]

ترجمہ۔ لوگ مسجد میں نماز چاشت پڑھ رہے تھے ہم نے آپ سے ان کی اس نماز کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا یہ بدعت ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے اس نماز کو عموم صلوٰۃ کے تحت شمار نہ فرمایا کیونکہ یہ نماز جس خاص اہتمام اور شان سے پڑھی جا رہی تھی اس کا ثبوت تفصیلاً درکار تھا۔ یہ نہیں کہ بات تو اس اہتمام کی ہو رہی ہو اور اس پر مطلق نماز پڑھنے کے دلائل پیش کر دیئے جائیں۔ حضرت علامہ شاطبیؒ (۷۹۰ھ) نے اس اصول کی اس طرح وضاحت فرمائی ہے۔

ان الاصل اذا ثبت فی الجملۃ لا یلزم اثباتہ فی التفصیل فاذا ثبت مطلق الصلوٰۃ لا یصح منہ اثبات الظھر والعصر والوتر او غیر ھا حتیٰ ینص علیہ علی الخصوص۔[1]

ترجمہ۔ اصل جب اجمالی طور پر ثابت ہو جائے تو اس سے اس کی تفصیل ثابت نہیں ہوتی سو جب مطلق نماز کا ثبوت ملے تو اس سے نماز ظہر یا عصر ثابت کرنا یا نماز وتر وغیرہ ثابت کرنا نہ ہو سکے گا یہاں تک کہ اس خاص مسئلے پر کوئی خاص دلیل وارد ہو۔

اجمال کا ثبوت تفصیل کے دعوے کو مفید نہیں

آپ نے عام طور پر دیکھا ہو گا کہ جب بریلوی علماء سے دعا بعد نماز جنازہ کا حوالہ پوچھا جائے تو وہ مسئلہ کا تفصیل سے جواب دینے کی بجائے مطلق دعا کی آیتیں اور حدیثیں پڑھنی

---

[1] الاعتصام جلد ۱ ص ۱۸۲

شروع کر دیتے ہیں اور اس خاص وقت (نماز جنازہ کے بعد) کی دعا پر حوالہ پیش نہ کر سکنے کی اپنی کمزوری کو ان عمومات کے تحت چھپانے کی سعی کرتے ہیں اور یہ بات ان سے چھپی نہیں ہوتی کہ سوال مطلق دعا کا نہیں ہو رہا. ان سے اس خاص وقت میں اس خاص ہیئت سے جماعت کے ساتھ دعا کرنے کا حوالہ پوچھا جا رہا ہے جو ان کے پاس کوئی نہیں ہے

کسے پتہ نہیں کہ تہجد کی نماز شریعت میں ایک اپنا مقام رکھتی ہے مگر اسے بھی مسجد میں جماعت کے ساتھ قائم کرنا اور اس کے لیے اہتمام کرنا جائز نہیں. حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رح لکھتے ہیں:-

نماز تہجد را بجماعت مے گزارند. از اطراف و جوانب دراں وقت مردم از برائے نماز تہجد جمع مے گردند و بجمعیت تمام ادا مے نمائند و ایں عمل مکروہ است، بکراہت تحریمہ.ؔ[1]

ترجمہ. نماز تہجد کو یہ لوگ جماعت سے ادا کرتے ہیں اطراف و جوانب سے لوگ اس وقت تہجد کی نماز کے لیے آتے ہیں اور پورے اطمینان سے نماز پڑھتے ہیں یہ عمل مکروہ تحریمی ہے.

اس سے آگے بدعت کا ایک اور انداز ہے کہ اعمال کے ڈھانچے اور ظاہری شکلیں تو وہی ہوں جو ہمیں پہلوں سے ملے ہیں لیکن ان کے ساتھ وہ اخلاص و اعتقاد نہ ہو جو پہلوں کا تھا یہ اس میں محض ایک دکھاوے اور رونق کے لیے شامل ہو رہے ہوں. اب ان کے یہ اعمال بھی جو اپنی اصل میں ثابت تھے اسی فرق نیت سے بدعت بن جائیں گے.

ان کے ڈھانچے گو وہی رہے مگر اندر وہ روح نہیں رہی جو انہیں سنت کا نام دینے سے روکتی تھی. اب یہ ریاکار کسی درجے میں اہل سنت کہلانے کے مستحق نہیں. یہ اہل بدعت کی کمزور ترین نوع ہے.

---

[1] مکتوبات دفتر سوم مکتوب

ریاکار کے نیک اعمال ہرگز آگے نہ جاسکیں گے۔ اہل بدعت اور اہل ریا بس ایک انجام کو جا پہنچے اور حق یہ ہے کہ بدعت میں خود ریاکاری چھپی ہوتی ہے۔ آپ تفسیر روح البیان کی یہ عبارت پڑھ آئے ہیں:۔

ان ھٰؤلاء القوم یبتدعون فی العقائد ویراؤون بالاعمال فلا یعود وبال المبدعة والریا الا الیھم [1]

ترجمہ۔ یہ وہ لوگ ہیں جو عقائد میں نئی نئی راہوں پر آنکلے اور یہ ان کے دکھاوے کے اعمال ہیں سو بدعت اور ریاکا وبال خود انہی پہ لوٹتا ہے

قرآن پاک کی رُو سے ضائع ہونے والے اعمال

ہم اب وہ پُوری آیت پچھلی آیات کے ساتھ آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں جس کے تحت صاحب روح البیان نے مذکورہ بالا بات کہی ہے۔

قل ھل ننبئکم بالاخسرین اعمالاً الذین ضل سعیھم فی الحیٰوۃ الدنیا وھم یحسبون انھم یحسنون صنعاً ○ اولٰئک الذین کفروا بآیات ربھم ولقآئہ فحبطت اعمالھم فلا نقیم لھم یوم القیٰمۃ وزناً ○ (پ ۱۶ : الکھف)

ترجمہ۔ آپ کہیں کیا میں تمہیں ان کی بات بتاؤں جن کا کیا ہوا اکارت ہی گیا۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی کوششیں بس یہیں دھری رہ گئیں اور وہ سمجھتے (رہے کہ وہ نیکیوں کے کام کر رہے ہیں۔ یہ وہی لوگ ہیں جو اپنے رب کی نشانیوں اور اس سے ملنے کے منکر ہوئے سو ان کے اعمال برباد گئے ہم انہیں قیامت کے دن (ترازو میں) کوئی وزن نہ دیں گے۔

---

[1] روح البیان جلد ۵ ص ۳۰۲

رفع تعارض

وهم یحسبون انہم یحسنون صنعا سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ یہ اعمال اس نیت سے بجا لاتے ہیں کہ آخرت میں انہیں ان کا صلہ ملے گا مفسرین نے بھی یہاں ایسا ہی لکھا ہے۔

یعنی یعملون عملاً ینفعہم فی الاٰخرۃ۔[1]

ترجمہ۔ آیت میں مراد یہ ہے کہ وہ یہ عمل (اس خیال سے) کرتے رہے کہ یہ انہیں آخرت میں نفع دیں گے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ آخرت پر یقین رکھنے والے لوگ تھے اور وہ مانتے تھے کہ ایک دن انہیں خدا کے حضور میں پیش ہونا ہے۔ امام فخر الدین رازیؒ (۶۰۲ھ) بھی لکھتے ہیں :-

والاصل ان یقال ھو الذی یأتی بالاعمال یظنہا طاعات وھی فی انفسہا معاصی وان کانت طاعات لکنہا لا تقبل منہم لاجل کفرھم فاولئک انما اتوا بتلک الاعمال لرجاء الثواب۔[1]

ترجمہ۔ بات یہ ہے کہ وہ لوگ یہ اعمال اس گمان میں کرتے تھے کہ یہ نیکیاں ہیں اور وہ کام اپنی ذات میں گناہ تھے اور اگر وہ نیکیاں بھی ہوں لیکن وہ ان کے کفر کے باعث لائق قبول نہ تھیں۔ سو یہ وہ لوگ ہیں جو ثواب کی امید پہ یہ اعمال کرتے رہے

شیعہ مفسرین علامہ عیاشیؒ اور طبرسی لکھتے ہیں کہ ابن کوا نے حضرت علیؓ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا تو آپ نے اس کے جملہ کفروا بایات ربھم کے بارے میں فرمایا۔

اولئک اھل الکتاب کفروا بربھم وابتدعوا فی دینہم فحبطت اعمالہم وما اھل النہر منہم ببعید۔[2]

ترجمہ۔ اس سے مراد اہل کتاب ہیں جنہوں نے اپنے رب کی کتاب کا انکار کیا اور

---

[1] تفسیر کبیر جلد ۲۱ ص ۱۷۴ [2] مجمع البیان جلد ص روح المعانی ص ۴۵

اپنے دین میں بدعات پیدا کرلیں۔ ان کے نیک اعمال ضائع گئے اور خوارج بھی ان لوگوں سے کچھ زیادہ دور نہیں رہے۔

حضرت ابن عباسؓ سے بھی یہی منقول ہے کہ اس سے مراد اہل کتاب ہیں اور ظاہر ہے کہ وہ بعثت اور آخرت کے منکر نہ تھے۔

اس کے ساتھ دوسری آیت الذین کفروا بایات ربھم ولقائہ بتاتی ہے کہ وہ خدائی آیات کے منکر تھے اور معاد کے قائل نہ تھے۔ سو یہ کھلے کافروں کا بیان ہے۔ ان لوگوں کا بیان نہیں جو دین حق کو مان کر پھر اس میں بدعت کی راہیں نکالتے ہیں۔ اس ظاہری تعارض کو رفع کرنے کے لیے مفسرین نے دوسری آیت میں تاویل کی ہے کہ یہاں یہ کفروا بایات ربھم سے مراد معاد اور آخرت کا کھلا انکار نہیں۔ آیات الٰہیہ کے ان دلائل کو پس پشت کرنا ہے جو ابدی سچائی کا پتہ دیتے ہیں۔ حبطت اعمالھم بھی اسی کا قرینہ ہے۔ کیونکہ منکرین بعثت کے اعمال نے تو وجود ہی نہ پکڑا تھا۔ یہاں ان اہل بدعت کا بیان ہے جن کے اعمال میں سنت کے موافق نہ ہونے کے باعث وزن نہ آسکا۔ منکرین معاد کا تو کوئی عمل (آخرت کے لیے) وجود میں ہی نہیں آتا۔ وہ کوئی کام اس امید سے نہیں کرتے کہ یہ عمل آگے ان کے کام آئے گا۔ سو یہاں کفروا بایات ربھم سے (آخرت کے) کھلے منکر مراد نہیں ہیں۔

حضرت مصعب بن سعدؒ (۱۰۳ھ) نے اپنے والد حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم (۵۵ھ) سے دریافت کیا کہ اس آیت میں خوارج کا حکم بیان کیا گیا ہے۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ یہود و نصاریٰ مراد ہیں۔ یہ دونوں بعثت اور آخرت کے منکر نہ تھے۔

یہود و نصاریٰ اور خوارج میں سے کوئی بھی خدا اور آخرت و معاد کا منکر نہیں۔ یہ سوال و جواب بتاتا ہے کہ یہاں کفروا بایات ربھم ولقائہ کو اس کے ظاہر پر نہیں رکھا گیا۔ بلکہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو آیات الٰہی کے ان دلائل کو دل میں جگہ نہ دیتے تھے جن سے حق کا چہرہ نکھرتا ہے اور بس یہی ان کا کفر تھا۔

امام بخاریؒ کتاب التفسیر میں نقل کرتے ہیں:۔

عن مصعب قال سألت ابی قال هل ننبئكم بالاخسرين اعمالاهم الحروریة قال لاهم اليهود والنصاریٰ۔[1]

ترجمہ: حضرت مصعبؒ سے مروی ہے کہ میں نے اپنے باپ سے اس آیت کے متعلق پوچھا کیا اس میں خارجیوں کا حکم بیان کیا گیا ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں یہاں یہود و نصاریٰ مراد ہیں۔

حضرت علی المرتضیٰؓ اور مفسر جلیل حضرت ضحاک (۱۰۲ھ) سے روایت ہے کہ اس آیت میں خوارج کا حکم بیان کیا گیا ہے۔

خوارج کو اپنے عملوں پہ ناز تھا اور ان کے عملوں کا یہ ظاہری رکھ رکھاؤ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پیشگوئی میں بھی منقول ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے بیٹے ابوسلمہؒ اور عطاء بن یسارؒ حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے اور خوارج کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے:۔

يخرج فی هذه الامة قوم تحقرون صلوٰتكم مع صلوٰتهم يقرأون القرآن لا يجاوز حناجرهم يمرقون من الدين كمروق السهم من الرمية۔[2]

ترجمہ: اس امت میں ایک گروہ ہوگا کہ تم ان کی نمازوں کو دیکھ کر اپنی نمازوں کو کمزور سمجھو گے۔ وہ قرآن پڑھیں گے مگر وہ ان کی حنجرہ رگ سے آگے نہ بڑھے گا۔ وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر شکار کو چھید کر آگے نکل جاتا ہے۔

خوارج

یہ لوگ پہلے حضرت علی المرتضیٰؓ کے گروہ میں شامل تھے۔ پھر جنگ صفین کے آخر میں انہوں نے

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۶۹۱ [2] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۰۲۴

تحکیم کے موضوع پر حضرت علیؓ سے اختلاف کیا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت شیعانِ علی (آپ کے ساتھی) آپ کو مامور من اللہ امام نہ سمجھتے تھے۔ ورنہ قدم قدم پر وہ آپ سے اختلاف نہ کرتے جب یہ لوگ حضرت علیؓ سے علیحدہ ہوئے تو یہ خارجی کہلائے۔ یہ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ دونوں کے خلاف تھے اور دونوں کو کافر کہتے تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے انسان کافر ہو جاتا ہے۔ اعمال کا ظاہری اہتمام ان کے ہاں بہت تھا۔ خارجیوں کا یہ تعارف نہیں کہ وہ صرف حضرت علی مرتضیٰؓ کو بُرا کہتے ہوں۔ بلکہ حضرت معاویہؓ کو بھی وہ برابر کافر سمجھتے تھے اور وہ صرف اپنے اعمال پر نازاں تھے۔ سو صرف حضرت علیؓ کو بُرا کہنے والے خارجی نہیں ناصبی ہوتے ہیں۔

قرآن کریم میں اعمال کی ظاہری شان و شوکت کو اسی مقام پر رَد کیا گیا ہے۔ سو حضرت علی مرتضیٰؓ کے نزدیک اس آیت کا مصداق یہی لوگ ہیں جو اپنے اعمال کے ظاہری رکھ رکھاؤ میں کھو گئے اور سمجھتے رہے کہ وہ ان اعمال کی جزا آخرت میں پالیں گے۔ یہ لوگ حقیقت میں آیاتِ الٰہی کے ان دلائل کے منکر تھے جو قرآن کریم مومنین کے دلوں میں بٹھانا چاہتا ہے۔

حافظ ابن کثیر الدمشقی (۷۷۴ھ) لکھتے ہیں:۔

وقال علی بن ابی طالب والضحاك وغیر واحد هم الحرورية ومعنى هٰذا عن علی ان هٰذه الاٰية الكريمة تشمل الحرورية كما تشمل اليهود والنصارٰی لا انها نزلت فی هٰؤلاء علی الخصوص وانما هی عامة فی كل من عبد الله علی غير طريقة مرضية يحسب انه مصيب فيها وان عمله مقبول وهو مخطئ وعمله مردود[1]

ترجمہ۔ حضرت علی، حضرت ضحاک اور دوسرے کئی مفسرین نے اس سے خوارج ہی مراد لیے ہیں اور حضرت علیؓ سے اس آیت شریفہ کا یہی مفہوم منقول ہے کہ یہ بات جس طرح یہود و نصاریٰ کو شامل ہے خارجیوں کو بھی شامل ہے۔ آپ کی یہ مراد نہیں کہ

---

[1] تفسیر ابن کثیر جلد ۳ صـ۱۱۱

یہ آیت خاص خوارج کے متعلق اُتری ہے یہ آیت ہر اس شخص کو عام ہے جو اللہ کی عبادت اس کے بتائے طریقے پر نہ کرے (اپنے طریقے گھڑے) اور سمجھے کہ وہ درست کر رہا ہے اور اس کا یہ عمل مقبول ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ خطا کار ہے اور اس کا یہ (بدعت کا) عمل مردود ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:۔

محدث عبدالرزاق روایت کرتے ہیں ابن الکوا نے حضرت علیؓ سے پوچھا۔ بالاخسرین اعمالا سے کون لوگ مراد ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ ویلک منہم اھل حروراء (تجھے کیا ہوا یہ خوارج ہیں جن کے اعمال ضائع ہوئے) اس کے بعد ہے:۔

ولعل ھذا ھو السبب فی سوال المصعب اباہ عن ذٰلک ولیس الذی قالہ علی ببعید لان اللفظ یتناولہ وان کان السبب مخصوصاً۔[1]

اس کے بعد ابن الجوزی سے بھی یہ عبارت نقل کی ہے:۔

انھم تعبدوا علی غیر اصل فابتدعوا فخسروا الاعمار والاعمال۔[2]

ترجمہ۔ ان لوگوں نے اصل بنیاد کے خلاف بندگی کی بدعات گھڑ لیں اور اپنی عمروں اور اپنے اعمال کو گھاٹا دیا۔

ان تفصیلات سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ یہاں ان لوگوں کے اعمال مردود بتائے گئے ہیں جو انہیں اسی اُمید سے سجالاتے ہیں کہ یہ آخرت میں ان کے کام آئیں گے مگر وہ ان کے کام پیمانہ سنت کے مطابق نہیں ہوتے، بدعات ہوتے ہیں۔ ان کے متعلق خبر دی گئی ہے کہ آخرت کے ترازو میں ان اعمال میں کوئی وزن نہ آئے گا۔

اس دنیا میں چیزوں میں وزن کشش زمین سے آتا ہے جتنی کوئی چیز زمین سے دُور ہوتی ہے اس کا وزن کم ہوتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک مقام پر جا کر چیزیں اپنا وزن چھوڑ دیتی ہیں۔ آخرت میں

---

[1] فتح الباری جلد ۸ صفحہ ۳۲۵ [2] ایضاً صفحہ ۳۲۶

اعمال میں وزن اُن کے موافقِ سنت ہونے کی بناء پر ہوگا اور جو اعمال حضورؐ اور صحابہؓ کی موافقت میں
میں نہ ہوں گے ان میں کوئی وزن نہ آپائے گا۔

اعمال کی مختلف قسمیں

① اعمالِ دُنیا

یہ وہ کام ہیں جو انسان دُنیا کے لیے کرتا ہے جیسے تجارت، زراعت، ملازمت، محنت،
صنعت اور مزدوری وغیرہ ان کے صلہ اور جزاء کی اسے یہیں امید ہوتی ہے نہ کہ آخرت میں ـــ نہ آخرت
کے لیے اس نے یہ کام کئے نہ آخرت میں ان کے صلے کی اسے کوئی امید بندھی تھی یہاں کے یہ اعمال
بس یہیں کے لیے کیے گئے اور وہ یہیں رہ جاتے ہیں آگے نہیں جاتے۔

② اعمالِ آخرت

یہ وہ کام ہیں جن کے صلے کی انسان کو آخرت میں اُمید لگی ہوتی ہے۔ وہ اسی امید میں نیکیوں
پر نیکیاں کرتا چلا جاتا ہے کہ ایک دن آئے گا جب وہ ان نیکیوں کی جزاء پالے گا۔ آخرت کے لیے
کیے گئے یہ اعمال پھر دو قسم کے ہیں۔

① ـــ بدعات

یہ وہ اعمال ہیں جو حضورؐ اور صحابہ کرامؓ کے پیمانہ عمل میں کبھی نہ آئے تھے بلکہ لوگوں نے خود
بنا لیے۔ اور امید پھر بھی ہے کہ یہ آخرت میں ان کے کام آئیں گے۔

② ـــ اعمالِ طاعات

یہ وہ اعمال ہیں جو حضورؐ کی سنت اور صحابہ کرامؓ کے طریقے کے مطابق کئے گئے۔

اعمال گویا تین قسم کے ہوئے۔

(۱) ایک وہ جن کی محنت یہاں اور صلہ بھی یہاں ملے گا یہ اعمال دنیا ہیں۔

(۲) دوسرے وہ جن کی محنت یہاں (دنیا میں) اور جزاء وصلہ وہاں (آخرت میں ملے گا) یہ اعمالِ طاعت ہیں جو پیمانۂ سنّت کے مطابق کیے گئے۔

(۳) تیسرے وہ اعمال ہیں جن کی محنت یہاں گمان کی جزاء نہ یہاں نہ وہاں —— یہاں اس لیے نہیں کہ وہ کئے ہی آخرت کے لیے گئے تھے اور وہاں (آخرت میں) اس لیے نہیں کہ وہ اعمال پیمانۂ سنّت پر پورے نہ اُترے۔ نہ وہ صحابہؓ کے سانچے میں ڈھلے تھے بدعت کی ظلمت نے انہیں اُٹھنے ہی نہ دیا تھا۔ اللہ رب العزت کے حضور تو پاک کلمے ہی اوپر اُٹھتے ہیں نہ کہ ضد سے اختیار کی گئیں بدعات اور ان کے شور و نغمے۔

الیہ یصعد الکلم الطیّب والعمل الصالح یرفعه۔ (پ۲۲، فاطر ع ۲)

ترجمہ۔ اسی کی طرف چڑھتا ہے پاک کلام اور کام نیک اس کو اُٹھا لیتا ہے۔

یعنی صرف نیک باتیں اللہ رب العزت کی طرف بڑھتی ہیں اور دوسرے اعمال صالحہ (جو سنّت کے مطابق ہوں) انہیں اٹھنے میں سہارا دیتے ہیں۔ سو بدعت کے اعمال بس صرف یہیں کے یہیں رہ جائیں گے آگے نہ جا سکیں گے اور اہل بدعت بس یہیں ہاتھ ملتے رہیں گے۔ انہی کا حال یہاں بیان کیا گیا ہے۔

الّذین ضلّ سعیھم فی الحیٰوۃ الدنیا وھم یحسبون انھم یحسنون صنعا۔ (پ۱۶، الکہف ع ۱۲)

ترجمہ۔ وہ لوگ جن کی کوششیں یہیں دھری کی دھری رہ گئیں اور وہ سمجھتے رہے کہ وہ نیکیاں بنا رہے ہیں۔

جو عمل پیمانہ سنّت پہ نہ ڈھلا ہو اور اسے کارِ خیر اور نیکی سمجھ کر کیا جائے اس کا ثمر آخرت میں اندھیرے کے سوا اور کچھ نہ ہوگا۔ یہ نُورِ سنّت ہے جس کی چمک اس جہان کی سرحدوں سے آگے بھی روشنی دے گی۔

اسلام دین کامل ہے اور پیمانہ سنت پر نئی پیدا ہونے والی دینی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے امور لابرینہ ہے ہمیں کہیں ادھر اُدھر دیکھنے کی ضرورت نہیں ــــ حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم قیامت تک کے لیے اللہ کے رسول ہیں۔ آپ کے بعد نہ کسی نئے نبی کی آمد ہے نہ انتظار ــــ سو اس دین میں کسی اضافے کی گنجائش نہیں۔ نہ اس میں کسی کمی کا کوئی احتمال ہے جس نے بھی اس دین میں کوئی نئی بات داخل کی جو اس میں سے نہ تھی تو اس کا یہ عمل مردود ہے۔ آپ خود فرما گئے :۔

من احدث فی امرنا ھٰذا مالیس منه فھو ردّ۔

جو شخص دین کی کوئی بات کرتا ہے جو دین کی نہیں ما لیس منه اس پر پوری طرح منطبق ہے تو کیا اس نے اللہ تعالیٰ پر افترا نہیں کیا؟ دین کی بات تو اللہ تعالیٰ سے ہی نسبت رکھتی ہے تو اپنی طرف سے کوئی دین کی بات بتانا اللہ اور اس کے رسولِ برحق پر افترا کرنا ہے۔

ولا تقولوا لما تصف السنتکم الکذب ھٰذا حلال و ھٰذا حرام لتفتروا علی اللہ الکذب۔ (پ۱۴ : النحل ع ۱۵)

ترجمہ۔ اور نہ کہو اپنی زبانوں کے جھوٹ بنانے سے کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام۔ یہ تو اللہ تعالیٰ پر افترا باندھنا ہوا۔

حافظ ابن کثیرؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں :۔

ویدخل فی ھٰذا کل من ابتدع بدعة لیس له فیھا مستند شرعی۔[1]

ترجمہ۔ اور اس حکم میں ہر وہ شخص داخل ہے جس نے کوئی بدعت گھڑی ہے جس کے لیے کوئی سند شرعی (دلیل ہو یا نظیر) موجود نہیں۔

بدعت کے سمجھنے کے پانچ مبادی

بدعت کی تعریف سے پہلے یہ پانچ امور ذہن میں رہیں۔ تاکہ صحیح بات تک پہنچنے میں ہم

---

[1] تفسیر ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۵۰۸

خطائی الفکر اور غلط مبحث سے بچ سکیں۔

(۱) بدعت کی یہ بحث تخاطب شرعی میں ہے۔ یہ لفظ اگر کہیں تخاطب لغوی میں استعمال ہوا ہو یا تخاطب عرفی میں، تو اس سے ہمیں بچ کر نکلنا ہوگا۔

(۲) بدعت کا لفظ کس کے بالمقابل ہے؟ الاشیاء تعرف باضدادھا۔ یہ سنت کے بالمقابل ہے اور سنت سے مراد حضرت خاتم النبیینؐ اور خلفائے راشدینؓ کی سنت ہے۔

(۳) بدعت کا موضوع تعبدی امور ہیں یعنی وہ کام جو نیکی سمجھ کر کئے جاتے ہیں دنیوی ایجادات اس کا موضوع نہیں۔ جو انسان اپنی سہولت کے لیے بناتا اور استعمال کرتا ہے۔

(۴) بدعت کی حد صحابہؓ کے بعد سے شروع ہوتی ہے۔ ان کے اپنے عمل ہمارے لیے آفتاب رسالت کی ہی روشنی ہیں۔ ہر وہ کام جسے صحابہ کرامؓ نے نیکی نہیں سمجھا وہ نیکی نہیں ہو سکتا۔

(۵) بدعت کا تعلق مسائل سے ہے ذرائع سے نہیں۔ مسائل کے لیے نئے ذرائع حاصل ہو سکتے ہیں۔ قرآن کریم صحیح پڑھنا دین کا مسئلہ ہے۔ عجمی لوگ قرآن کریم صحیح پڑھ سکیں ان کے لیے قرآن کے الفاظ پر زیریں زبریں لگانا مسائل میں سے نہیں ذرائع میں سے ہے۔ مدارس کا موجودہ نظام کلاسوں کی ترتیب یہ سب دینی تعلیم کے ذرائع میں سے ہیں خود مسائل نہیں۔

ان پانچ مباحث سے نکھر کر جو چیز بدعت ٹھہرے گی وہ بدعت شرعیہ ہے جس سے بچنا ضروری ہے۔ یہ واقعی دین میں ایک اضافہ ہے اور مسلمانوں کے ذمہ ہے ہر ایسے عمل کو مردود ٹھہرائیں اور یہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے۔

من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو ردّ - اوکما قال صلی اللہ علیہ وسلم

ما لیس منہ —— جو اس میں سے نہیں —— دین میں سے نہیں —— کے الفاظ توجہ طلب ہیں۔ یعنی گو وہ کام اس شکل میں شریعت میں موجود نہ ہو۔ لیکن اس کی اصل دین میں موجود ہو اور یہ کام اس سے مستنبط ہو یہ اس صورت میں بدعت شمار نہ ہوگا۔ بدعت شرعیہ وہ ہے جس کے لیے کتاب و سنت میں نہ کوئی دلیل ہو نہ کوئی نظیر ہو۔ جس عمل کا ماخذ (نظیر بالمعنی الاعم) شریعت میں موجود ہو

وہ بدعت نہیں[1] اور مجتہد کے لیے اس سے استنباط جائز ہے۔ علامہ شاطبیؒ (۷۹۰ھ) لکھتے ہیں:۔

لیس من شان العلماء اطلاق لفظ البدعۃ علی الفروع المستنبطۃ التی لم تکن فی ماسلف وان دقت مسائلھا۔[2]

ترجمہ۔ علماء کو نہ چاہیئے کہ وہ فقہی فروع کو جو کتاب و سنت سے مستفاد ہوں اور پہلے سے موجود نہ ہوں گو کتنی دقیق کیوں نہ ہوں بدعت کہیں۔

بدعت وہی ہے جس پر مالیس منہ کے الفاظ ٹھیک بیٹھ سکیں اور وہ چیز اصلاً اور استنباطاً کسی طرح دین میں سے نہ ہو۔ اجتہاد اور استنباط کتاب و سنت کی گہرائیوں سے صرف مُظہر ہیں مثبت نہیں۔ مجتہد کی دقت نظر سے شریعت کے فروع صرف کھُلتے ہیں ایجاد نہیں ہوتے۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ لکھتے ہیں:۔

اما القیاس والاجتہاد فلیس من البدعۃ فی شیٔ فانہ مظھر بمعنی النصوص لا مثبت امر زائد۔[3]

ترجمہ۔ قیاس اور استنباط کسی طرح بدعت نہیں کیونکہ وہ نصوص میں چھپے معنی کا مظہر ہے کسی نئی چیز کو ثابت نہیں کر رہا۔

مجتہد کے استنباط کے بارے میں آپ صراحت سے لکھتے ہیں کہ یہ مالیس منہ کے قبیل سے نہیں ہے۔[4]

جو چیز بدعت نہ ہو وہ بدعت کیسے بنتی ہے

(۱) شریعت نے کسی عمل کو کسی اور عمل سے خاص کیا ہو جیسے اذان کو نماز سے یا نومولود کے کان سے ـــ اب اگر کوئی شخص اسے ان مظان شرعیہ سے نکال کر اسے عام عبادت کے درجے میں

---

[1] نفس ذکر ولادت مندوب ہے اس میں کراہت قیود کے سبب سے آتی ہے۔ فتاویٰ رشیدیہ ص۱۴۲
[2] الاعتصام جلد ۱ ص۲۷۵ [3] مکتوبات دفتر ۲ مکتوب ۱۸۲ [4] دیکھئے مکتوبات دفتر دوم ص۲۶

لاتا ہے یا اس میں کوئی اضافہ کرتا ہے تو اب یہ عمل سنت نہ رہے گا بدعت ہو جائے گا۔

(۴) اسلام کی کسی نیکی کو ایسے وقت سے خاص کر دینا جس کے لیے شریعت میں کوئی اصل وارد نہیں اور یہ اس عمل کو اس وقت سے خاص کرنے والا مجتہد بھی نہیں کہ اس نے کسی دور کی علت کو پا لیا ہو۔ بلکہ مطلق مقلد ہے تو اس کا یہ عمل استنباط نہیں ایجاد سمجھا جائے گا۔ کیونکہ استنباط کرنا مجتہد کا کام تھا۔

(۳) نیک اعمال ریاکارانہ طور پر بجا لانا

ان اعمال کا صحیح حکم تو یہ ہے کہ یہ حرام ہیں قرآن شریف پڑھنا درود شریف پڑھنا نوافل پڑھنا اور ذکر و اذکار اگر محض دکھاوے کے لیے ہوں تو یہ عمل حرام ہیں۔ لیکن ان دکھاوے کی مجلسوں اور پر رونق محفلوں کو اگر ساتھ دین بھی سمجھا جانے لگے تو یہ اعمال ساتھ بدعات بھی بن جائیں گے۔ علما نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر میلاد اور آپ کے نسل و نسب کے بیان کو مستحب لکھا ہے۔ لیکن اسے بھی اگر آپ کے یوم پیدائش سے خاص کیا جائے اور اسے بیان و عمل کی بجائے چراغاں کر کے منایا جائے تو اب یہ مستحب نہ رہے گا۔ (دیکھئے فتاوی رشیدیہ جلد ۱ ص۱۰۱ براہین قاطعہ ص۔)

(۴) نئے حالات میں دین کے تقاضوں کو نئی شکل دینا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت شریعت کا ایک بنیادی تقاضا ہے۔ کوئی شخص اس وقت تک کامل الایمان نہیں ہو سکتا جب تک آپ کی محبت اس کے دل میں سب سے زیادہ نہ ہو لیکن اس اظہار محبت کے لیے اگر وہ ایسی باتیں بناتا ہے جو صحابہؓ کے دور میں نہ تھیں (جیسے محفل میں مٹھائی رکھ کر کہنا کہ اب حضورؐ یہاں آ گئے ہیں اور پھر اچانک آپ کی تعظیم کے لیے اٹھ کھڑے ہونا اور پھر پوری مجلس میں شور ہو جانا کہ حضورؐ تشریف لے آئے ہیں) تو اس کی اظہار محبت کی یہ ادائیں اس نئی شکل میں ہرگز دین نہ بن سکیں گی بدعات سمجھی جائیں گی۔

(۵) اپنے پیروں کے مشرب کو مذہب بنا لینا

پیران کرام اپنے مریدوں کے روحانی امراض کو دور کرنے کے لیے ان کے حسب حال کوئی

عمل یا وظیفہ لازم ٹھہراتے ہیں یہ لازم کرنا بطور علاج ہوتا ہے اس کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہوتی — ان کے اس مشرب کو مذہب سمجھ لینا اور انہیں اس ترتیب اور تعین سے دین سمجھنا یہ اپنے پیروں کے عمل کو تشریعی حیثیت دینا ہے۔ جب لوگ اپنے پیروں کے عمل کو امام ابوحنیفہؒ کے فیصلوں کے درجے میں لینے لگیں تو یہ بدعت کی حد شروع ہو جائے گی۔

حضورؐ کے وقت کی قائم شدہ سنتوں میں اگر کسی اضافے کی گنجائش ہے تو وہ صرف عمل راشدین ہے اور وہ بھی از خود نہیں۔ حضرت خاتم النبیینؐ کے کہنے سے امت کے لیے حجت اور سند بنا ہے اور حضورؐ کا کہنا خود اسلام ہے اور ظاہر ہے کہ یہ کوئی اضافہ نہیں۔ ایک فریضہ عادلہ ہے جو عمل میں سنت قائمہ کا قسیم ہے گو اس کی اصل آیت محکمہ اور سنتِ قائمہ میں موجود کیوں نہ ہو۔ عمل میں وہ ان کے برابر کا ماخذ ہے۔

ان تفصیلات سے آپ کے سامنے بدعتِ شرعیہ کی حقیقت کچھ واضح ہو گئی ہو گی لیکن نامناسب نہ ہو گا اگر ہم اس موضوع کو ان تین مختلف عنوانوں سے بھی سمجھنے کی کوشش کریں:۔

① — نعمت البدعۃ ② — بدعت حسنہ ③ — بدعت شرعیہ

اس تقابل سے بدعتِ شرعی کی حقیقت اور کھل کر آپ کے سامنے آجائے گی۔ وھو المستعان وعلیہ التکلان۔

① نعمت البدعۃ کا مفہوم

رُکی ہوئی سنتوں کو دوبارہ لانا یا زندہ کرنا — یہ حقیقت میں کوئی اضافہ نہیں۔ بات وہی ہے جو پہلے کبھی موجود تھی اسے پھر سے لانا کوئی نئی چیز نہیں۔ یہ صرف صورۃً نئی بات ہے۔

مثال: حضورؐ نے تراویح کی نماز مسجد میں جماعت کے ساتھ پڑھی اور پھر کسی مصلحت کے لیے چھوڑ دی۔ صحابہ کرامؓ بیٹے طور پر مسجد میں چھوٹی چھوٹی جماعتوں میں تراویح پڑھتے رہے۔ حضرت عمرؓ نے اس رُکی ہوئی سنت کو (سب کا ایک جماعت سے تراویح پڑھنا) پھر سے قائم کر دیا۔ یہ کسی طرح بدعت

نہیں. البتہ وقت کے لحاظ سے یہ ایک نئی بات ہے۔ اس جہت سے اسے نعمۃ البدعۃ کہہ سکتے ہیں تاہم شرعی حیثیت سے اسے سنت کہا جائے گا بدعت نہیں۔

نعمت البدعۃ رکی ہوئی سنت کو دوبارہ قائم کرنے کا نام ہے۔ پھر اس میں بھی حضرت عمرؓ کی احتیاط ملاحظہ ہو کہ اس پر بھی صحابہؓ سے مشورہ کیا اور جب تک سب نے اس سے اتفاق نہیں کیا آپ نے اس رکی ہوئی سنت کو پھر سے قائم نہیں کیا۔ جب سب نے اتفاق کر لیا تو اب اسے اجماعِ صحابہؓ کا درجہ بھی حاصل ہو گیا۔ جو اپنی جگہ خود حجت ہے۔

ہاں جو چیز سرے سے موجود ہی نہ ہو نہ کسی نے پہلوں میں سے اسے کیا ہو اسے وجود میں لانا واقعی ایک اضافہ ہے اور اس کامل دین میں اب کسی اضافے کی ہرگز گنجائش نہیں ہے۔

۲ بدعتِ حسنہ کا مفہوم

بدعتِ حسنہ بدعت سیئہ کا مقابل لفظ ہے۔ اگر کسی جگہ کوئی بدعت سیئہ قائم ہو تو اُسے ہٹا کر اس کی جگہ کسی اخف بدعت کو لے آنا بدعتِ حسنہ ہے۔ یہ اپنی ذات میں تو بدعت ہے جس کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں لیکن اپنی مصلحت کے لحاظ سے یہ حسنہ ہے۔ کیونکہ اس نے ایک بڑی بُرائی کو ختم کیا ہے یا کرنا ہے۔

مثال: مصر میں فاطمی خلفاء نے اذان میں اپنے لیے سلام کا اضافہ کروایا تھا۔ مؤذن دو دفعہ کہتا۔ السلام علی الملک الظاھر۔ لوگ اس سے مانوس ہو چکے تھے۔ سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نے جب ان پر فتح پائی تو اس نے اسے بدل کر السلام علی رسول اللہ کر دیا تاکہ اس جملے کے خلاف کوئی پرانے جملے کو پھر سے لانے کا خواب بھی نہ دیکھ سکے۔ سلطان نے نہ چاہا کہ اس بدعت کو یکسر ختم کر کے وہاں کوئی شورش برپا کر لے۔ آنحضرت پر سلام اپنی ذات میں کوئی بُری بات نہ تھی۔ اسے اذان میں لے آنا صرف ایک وقتی مصلحت کے لیے تھا۔ ایک بدعت سیئہ کے خاتمہ کے لیے تھا اور جب وہ دور ابتلاء جاتا رہا تو پھر اذان کو ہر سلام بدعت سے خالی کر لیا گیا اور اب وہی اذان رہ گئی جو حضرت بلالؓ دیتے تھے

بدعت حسنہ میں حسن اپنی ذات سے نہیں. محض اس کے تقابل کی وجہ سے آرہاہے ورنہ بدعت کیا اور حسن کیا۔

بزرگانِ دین کا بدعتِ حسنہ سے اجتناب

(۱) بزرگانِ دین بدعت حسنہ سے بھی اسی طرح بچتے ہیں جس طرح بدعتِ شرعی سے. یہ تو صرف جہال کی رعایت کے لیے کچھ دیر چلنے دی جاتی ہے. حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے سامنے کچھ لوگ بڑے اہتمام سے مسجد میں نماز چاشت پڑھ رہے تھے آپ نے فرمایا یہ بدعت ہے. مولانا احمد رضا خاں کے پیشرو مولانا عبدالسمیع رامپوری لکھتے ہیں:۔

آپ کی اس سے مراد بدعت حسنہ تھی[۱]

اب دیکھیے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کیا خود اس بدعت حسنہ میں شامل ہوئے؟ حضرت مجاہدؒ (۱۰۲ھ) فرماتے ہیں آپ ایک طرف حضرت ام المومنینؓ کے حجرہ کے پاس بیٹھے رہے اور نماز چاشت پڑھنے والے اپنی نماز پڑھ رہے تھے. آپ کا خود اس کارِ خیر میں شامل نہ ہونا بتاتا ہے کہ اونچے درجے کے بزرگ بدعت حسنہ سے بھی ہمیشہ کنارہ کش رہے ہیں. حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں جب تک تم بدعت حسنہ سے بھی اسی طرح نہ بچے جیسے بدعت سیئہ سے بچا جاتا ہے. انسان کو روحانیت کی خوشبو تک نصیب نہ ہوگی پھر یہی ایک روایت نہیں جس میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے کسی عمل کو برملا بدعت کہا ہو. آپ نے ایک دفعہ اذان کے بعد کسی کو لوگوں کو نماز کے لیے بلاتے سنا. آپ نے اس تثویب کو کھلے طور پہ بدعت فرمایا. آپ نے حضرت مجاہدؒ سے کہا مجھے یہاں سے لے چل. یہاں تو بدعت چل رہی ہے. آپ نے یوں فرمایا:۔

اخرج بنا فان هذه بدعة.[۲]

ترجمہ. ہمیں یہاں سے لے چل کیونکہ یہ عمل بدعت ہے۔

اب کیا یہاں بھی بدعت سے بدعت حسنہ مراد ہوگی. ایسا بھی ہو تو کیا آپ اس بدعت حسنہ کے

---

[۱] دیکھیے انوار ساطعہ صفحہ ۴۰ [۲] سنن ابی داؤد جلد ۱ صفحہ ۷۹

قبول کرنے والے تھے یا اس سے نفرت کر کے وہاں سے نکل جانے والے ٹھہرے ــــ اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ جب آپ کسی چیز کو بدعت کہیں تو آپ کے نزدیک وہ بدعت قابلِ اجتناب ہوتی ہے مولانا عبدالسمیع اسے بدعتِ حسنہ ٹھہراتے رہیں تو یہ ان کے من کی بات ہے۔ اہلِ علم تو اسے ہرگز قبول نہ کریں گے۔ ہاں کوئی بات اگر تعلیماً ہو تو یاد ہونے تک وہ حسنہ ہے بعد ازاں نہیں۔

(۲) حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ بھی بدعتِ حسنہ سے اجتناب کی تلقین فرماتے ہیں آپ کہتے ہیں فقیر کسی بدعت میں حسن نہیں دیکھتا۔ نہ اس میں کسی قسم کی نورانیت محسوس کرتا ہے۔ نور صرف سنت میں ہے اور بدعت میں اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔ اگر کوئی کام سنت سمجھ کر کیا جائے اور وہ سنت کے پیمانے میں نہ ڈھلا ہو اور کام کرنے والا اسے ثواب کا کام سمجھ کر کر رہا ہے تو وہ یقیناً بدعت ہے۔

(۳) بدعتِ شرعیہ

یہ وہ کام ہے جسے شریعت نے بدعت ٹھہرایا ہے۔ بدعت کے بارے میں احادیث کی وارد تمام وعیدیں سب اسی بدعت پر وارد ہوئی ہیں۔ اس کی تعریف یہ ہے:۔

وہ کام جو کتاب و سنت میں نہ ہو اور نہ اسے کبھی صحابہؓ نے کیا ہو اسے دین کا کام سمجھ کر کرنا اور کارِ ثواب سمجھنا یہ بدعتِ شرعیہ ہے۔

(۱) ــــ دنیوی کام اور نئی نئی دنیوی ایجادات سب اس سے نکل گئے۔ انہیں کوئی دین سمجھ کر نہیں کرتا۔

(۲) ــــ مسجدوں میں گھڑی اور پنکھے لگانا ایک ضرورت ہے دین نہیں۔ یہ ذرائع ہیں مسائل نہیں۔

(۳) ــــ مدارس میں نصاب کی تقسیم، کلاسوں کی ترتیب، دورۂ حدیث اور امتحانات یہ سب امور ذرائع میں سے ہیں خود دین نہیں۔

(۴) ــــ وقت کے قومی ملی اور دینی تقاضوں کے لیے مجالس و اجتماعات بھی ذرائع میں سے ہیں خود دین نہیں۔ دین آج سے چودہ سو سال پہلے سے مکمل ہو چکا ہے اس میں کبھی کوئی اضافہ نہ ہو سکے گا۔

اگر کسی کام پر منع وارد ہوئی ہو تو وہ ممنوعات میں سے ہے بدعات میں سے نہیں. بدعات وہ ہیں جن پر جزئیات کی صورت میں کہیں منع وارد نہ ہوئی ہو اور کرنے والا انہیں دین سمجھ کر عمل میں لاتا ہو۔ اس میں کوئی دینی مصلحت بھی نہ لپٹی ہو. جیسے قرآن شریف پر زیریں زبریں لگانا کہ اصلاً یہ کوئی تعبدی امور میں سے نہیں. مگر اس دینی مصلحت سے کہ عجمی لوگ قرآن پاک کو صحیح پڑھ سکیں. ہمارے ممالک میں قرآن شریف پر زیر یا زبر یا لگا دی ہیں. سو یہ ایک وقتی مصلحت ہے کوئی بدعت شرعی نہیں. جسے دین سمجھ کر عمل میں لایا جا رہا ہو. یہ بدعت شرعیہ نہیں ہے. مدارس میں نصاب کی ترتیب بھی ذرائع میں سے ہے مسائل اور مقاصد میں سے نہیں ہے. سو اس پر بھی بدعت کا لفظ نہیں آ سکتا.

تعبدی امور میں نقل موجود ہونا ضروری ہے

تعبدی امور میں نقل مل جائے تو وہ بدعت نہ رہے گی. جو امور پہلوں سے ثابت نہ ہوں تو اگرچہ ہر عمل کرنے والا انہیں دین سمجھ کر عمل میں لا رہا ہے تو وہ بدعت ہوں گے. وہ کام جنہیں دین سمجھ کر عمل میں لایا جائے اور انسان ان پر عبادت کے پیرایہ میں عمل کرے انہیں تعبدی امور کہا جاتا ہے. عبادت کا پہلا تعلق خدا کی ذات سے ہے. نماز روزہ اس کی تصدیق ہیں عبادت کا آغاز اسی سے ہوتا ہے.

اسلام میں اللہ تعالیٰ کے تمام نام جمیع اسماء الٰہیہ جن کا زبان پر لانا عبادت ہے توقیفی ہیں یعنی اُوپر سے منقول ہیں. اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ برحق سے ثابت ہیں. کوئی شخص اپنی طرف سے اللہ کا کوئی نام نہیں رکھ سکتا. جب تمام اسماء الٰہیہ توقیفی ہیں تو اسلام کا تمام نظام عبادات توقیفی ہو گا. ایک ایک تعبدی امر ضروری ہے کہ توقیفی ہو جس کام کو بھی دین سمجھ کر کریں اس کا اُوپر سے منقول ہونا ضروری ٹھہرے گا ــــ سو اسلام میں سب عبادات (جنہیں دین سمجھ کر کیا جاتے) توقیفی ہیں اور اپنی طرف سے نیکی سمجھ کر گھڑے گئے اعمال بدعت ہیں.

دنیوی امور میں اصل اباحت ہے. تعبدی امور میں اصل ان کا حضورؐ اور صحابہؓ سے منقول ہونا ہے. دنیوی امور میں ہماری مرضی اور اختیار چل سکتے ہیں لیکن تعبدی امور میں توقیف شرط ہے. دنیوی

امور میں نظر ضرورت پر ہوتی ہے. تعبدی امور میں نظر ثواب پر ہوتی ہے. دنیوی امور جائز اور ناجائز میں دائر ہیں. تعبدی امور طاعات اور بدعات دونوں طرح کے ہو سکتے ہیں. طاعات کے عمل میں لانے والے اہل سنت کہلائیں گے اور بدعات پر عمل کرنے والے اہل بدعت شمار ہوں گے.

مولانا احمد رضا خاں کا دین و مذہب

مولانا احمد رضا خاں نے بستر مرگ پر اپنے بیٹوں کو وصیت کی تھی کہ شریعت کا اتباع حتی الامکان کریں مگر میرے دین و مذہب کو ہر فرض سے بڑا فرض جانیں. مولانا احمد رضا خاں کا وہ خاص دین و مذہب کیا تھا جس کی وہ آخر دم تک اس اہتمام سے وصیت کرتے رہے ؟ وہ یہ کہ جن کاموں پر شریعت میں منع وارد نہیں (نہ ان کا حکم ہے اور نہ ان سے منع کیا گیا ہے) وہ سب کام نیکی سمجھ کر کرنے جائز ہیں. مولانا احمد رضا خاں لکھتے ہیں :-

۱. مجلس میلاد . ۲. قیام . ۳. فاتحہ . ۴. وغیرہ سب مسائل اسی اصل سے طے ہو جاتے ہیں[1]

خان صاحب نے یہاں کھلے طور پر اعتراف کر لیا ہے کہ ان مسائل میں ان کے پاس صحابہ کرامؓ اور ائمہ مجتہدین سے کچھ منقول نہیں ہیں اور حدیث و فقہ میں ان کی کوئی روایت نہیں ملتی. اب ان مسائل کے لیے ہم بریلویوں کے پاس صرف یہی ایک راہ ہے کہ ان سے کہیں منع نہیں کیا گیا. اب انہیں دین سمجھ کر ان پر عمل کرنا جائز ہے. اس اصل سے استخراج کرتے ہوئے مفتی احمد یار خاں گجراتی لکھتے ہیں :-

بلکہ میلاد شریف وغیرہ کا ثبوت نہ ہونا (اس کے) جائز ہونے کی علامت ہے[2]

پھر آگے جا کر یہ صرف جائز کی حد تک نہیں کار ثواب بھی بن گیا. حالانکہ کسی عمل پر مستحب[3] یا کار خیر ہونے کا حکم صرف شریعت لگا سکتی ہے. ہم اپنی طرف سے کسی کام کو شریعت کا کام نہیں بنا سکتے. مگر دیکھئے مفتی صاحب اس میں کتنے جری ہیں اور کیسے صریح الفاظ میں اس کا کار ثواب ہونا ثابت کرتے ہیں .

(میلاد شریف) اس لیے (جائز) کہ شریعت نے اس کو منع نہ کیا اور ہر ملک کے عام

---

[1] الامن والعلی ص۱۵۵ [2] جاء الحق ص۲۳۰ [3] رد المحتار جلد ص

مسلمان اس کو ثواب سمجھ کر کرتے ہیں[1]

بریلویوں نے بدعات کا یہ دروازہ اتنا وسیع کر دیا ہے کہ بدعات کے بڑے بڑے چھکڑے اس سے بآسانی گزر سکتے ہیں۔ انہوں نے اپنے اس مذہب کو یہ عنوان دے رکھا ہے کہ اصل ہر چیز میں اباحت ہے گو وہ تعبدی امور ہی کیوں نہ ہوں۔ جو منع کرے اسے کہو کہ منع کی دلیل لاؤ۔ اگر وہ دلیل نہ لا سکے تو بس اس ایک اصل سے جملہ بدعات جائز ہو جائیں گی۔ جن امور پہ شرع میں کوئی منع وارد نہیں ہم انہیں دین سمجھ کر ان پر عمل کر سکتے ہیں۔ — آیئے ہم پہلے اس اصل کی کچھ وضاحت کر دیں۔ تاکہ اس بریلوی مورچے کی پوری حقیقت آپ کے سامنے کھل سکے۔

الاصل فی الاشیاء ہی الاباحۃ

پیشتر اس کے کہ ہم اس اصول پر بحث کریں ضروری ہے کہ پہلے اباحت کا معنی اچھی طرح سمجھ لیا جائے۔ علامہ ابن ہمام الاسکندری اپنی اصول فقہ کی کتاب التحریر میں لکھتے ہیں:۔

الاباحۃ بمعنی عدم العقاب علی الاتیان بما لم یوجد لہ محرم ولا مبیح۔[2]

ترجمہ۔ اباحت بایں معنی ہے کہ جس چیز کے لیے (شرع میں) نہ منع وارد ہو نہ جواز۔ اس پہ عمل کرنے سے کوئی پکڑ یا مواخذہ نہ ہوگا۔

ڈوبتا تنکے کے سہارے نہ بچ سکے گا

اہل بدعت اس اصل سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھا سکتے۔ یہ اس لیے کہ وہ ان بدعات کو نیکی اور کار ثواب سمجھ کر عمل میں لاتے ہیں۔ اس امید پہ نہیں کہ ایسا کرنے سے انہیں کوئی پکڑ نہ ہوگی اور ان پہ کوئی مواخذہ نہ ہوگا   کیا بدعات پر کئے جانے والے اتنے اخراجات اور عرسوں کے میلے محض اس خیال سے کئے جاتے ہیں کہ ایسا کرنا کوئی گناہ نہیں ہے اور آخرت میں ان پہ کوئی باز پُرس نہ ہوگی؛ کوئی

---

[1] جاء الحق صفحہ ۲۴۸ [2] التحریر صفحہ ۲۳۵ طبع مصر ۱۳۵۱ھ

مواخذہ نہ ہوگا؟ ہرگز نہیں ــــ اصل بدعت ان کاموں کو نیکیاں سمجھ کر اور کار ثواب سمجھ کر عمل میں لاتے ہیں اس امید سے کہ آخرت میں انہیں ان کا اجر ملے گا ــــ سو یہ مسئلہ اباحت کا موضوع نہیں رہتا ــــ استحباب اور سنیت کا موضوع بن جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ کسی چیز کا مستحب یا سنت ہونا شرع سے پہچانا جاتا ہے نہ کہ اس اصل سے کہ اس پر کوئی منع تو وارد نہیں ہوئی ــــ یاد رکھیے اس اصل کا کوئی تعلق طاعات اور عبادات سے نہیں ہے۔

اصل ہر چیز میں اباحت ہے اس کی مُراد اور منشاء

اللہ تعالیٰ نے یہاں جو چیزیں پیدا کیں اور ان میں جو دنیوی منافع رکھے ان سب میں اصل حِل اور اباحت ہے اور ان میں حرام وہی چیز ہے جسے شارع علیہ السلام نے حرام فرمایا ہو ــــ ورنہ خدا کی تمام زمین اور اس سے ملی تمام نعمتیں بنو آدم کے لیے اصلاً حلال ہیں۔ اس موقف کے قائلین اپنے اس موقف پر قرآن کریم کی ان آیات سے استدلال کرتے ہیں :۔

(۱) هو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعًا۔ (پ۱ البقرہ ع۳)

ترجمہ۔ وہ ہے جس نے پیدا کیا تمہارے لیے جو کچھ ہے زمین میں۔

(۲) وسخر لکم ما فی السموات وما فی الارض جمیعًا منه۔ (پ۲۵ الجاثیہ ع۱)

ترجمہ۔ اور اللہ نے تمہارے کام لگا دیا جو کچھ بھی ہے آسمانوں میں اور جو ہے زمین میں سب اسی کی طرف سے ہے۔

(۳) الم تران الله سخر لکم ما فی السموات وما فی الارض واسبغ علیکم نعمه ظاهرة وباطنة۔ (پ۲۱ لقمان ع۲)

ترجمہ۔ اور اللہ نے تمہارے کام لگا دیا جو کچھ بھی ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور پوری کر دیں تم پر نعمتیں کھلی اور چھپی۔

ان آیات کا حاصل یہ ہے کہ یہاں کی تمام چیزیں اور نعمتیں بنی نوع انسان کے لیے بنائی گئی

ہیں اور مسلمانوں کے لیے ماسوائے ان چیزوں اور منافع کے جن کو شریعت نے حرام کیا۔ باقی سب نعمتیں اصلاً حلال اور مباح ہیں۔ یہ ہے مفہوم اس اصول کا کہ اصل ہر چیز میں اباحت ہے اگر اسے تسلیم کر لیا جائے۔

لیکن اس سب عموم اباحت کا تعلق اشیاء و منافع اور ان کے متعلقہ افعال و تصرفات سے ہے۔ عبادات اور طاعات کا اس سے کوئی تعلق نہیں ـــــ جو کام عبادت اور نیکی سمجھ کر کئے جائیں ان کے لیے شریعت سے نقل درکار ہے۔ الاصل فی الاشیاء ھی الاباحۃ کے قاعدہ کو کسی نے عبادات اور مسائل پر منطبق نہیں کیا۔ عبادات اور مسائل میں حلال و حرام کی تفصیل شریعت سے ملے گی۔ اس دعوے میں نہ رہیں کہ اس پر منع تو وارد نہ ہوئی ہو اصول میں طے ہو چکا ہے ـــــ ان الشریعۃ لا تعرف الا بالنقل والاستنباط۔ (دیکھیے عقد الجید للشاہ ولی اللہ دہلویؒ)

ہر وہ چیز جس سے شریعت خاموش ہو اگر اسے طاعت اور نیکی بنا لینا جائز ہوتا تو قرآن کریم میں یہ اصولی ہدایت نہ ہوتی۔

یا ایہا الذین اٰمنوا لا تسأ لوا عن اشیاء ان تبد لکم تسؤکم۔

(پ۷، المائدہ ع ۱۴)

ترجمہ۔ اے ایمان والو ان چیزوں کے متعلق سوال نہ کرو کہ اگر تم پر کھول دی جائیں تو تم کو بری لگیں۔

اگر ان کا بیان نہ ہونا ہی ان کے جواز کی دلیل ہوتا تو ان مسکوت عنہا مسائل نے اس انداز میں ڈرایا نہ جاتا۔ معلوم ہوا مسکوت عنہا اشیاء میں سے بھی بہت سی ناجائز ہونے کا محتمل ہیں۔ یہ نہیں کہ جن پر منع وارد نہیں ہوئی وہ سب حلال کے کھاتے میں ڈال لو ـــــ ایسا ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ بھی نہ فرماتے:۔

فما علمتم منہ فقولوا وما جہلتم فکلوہ الی عالمہ۔[1]

---

[1] رواہ احمد و ابن ماجہ کما فی المشکوۃ صـ۳۵

ترجمہ سو جو تم اللہ کے حکم سے جان لو وہ بات تو کہو اور جو تمہیں معلوم نہ ہو اسے اس کے جاننے والے کے سپرد کرو۔

مجتہد اگر استنباط سے بھی تمہیں کچھ بتلائے تو وہ خدا کی بات ہوگی۔ مجتہد احکام کا مظہر ہوتا ہے موجد نہیں ہوتا۔ لیکن اگر تم اسے یہ کہہ کر اپناؤ گے کہ شریعت نے اس سے روکا تو نہیں۔ الاصل فی الاشیاء ھی الاباحۃ تو پھر ایسے مسائل جاننے والوں کے سپرد کرنے کی نوبت کب آئے گی۔ غیر منصوص مسائل تو آخر مجتہد کے سپرد کرنے پڑیں گے۔ معلوم ہوا ان میں اصل جواز نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا۔

الامر ثلٰثۃ امر بیّن رشدہ فاتبعہ وامر بیّن غیہ فاجتنبہ وامر اختلف فیہ فکلہ الی اللہ عز وجل [1]

ترجمہ۔ مسائل تین طرح کے ہیں۔ ۱۔ جن کا درست ہونا ظاہر ہے انہیں عمل میں لاؤ۔ ۲۔ جن کا غوایت ہونا ظاہر ہے سو ان سے بچو۔ ۳۔ جو امور مختلف فیہ ہوں (ان کا درست یا غلط ہونا ظاہر نہ ہوا ہو) انہیں اللہ کے سپرد کرو۔

معلوم ہوا ان کا منع نہ ہونا ان کے درست ہونے کی کسی طرح دلیل نہیں بن سکتی تھی۔ ان کا حکم مجتہدین ہی بتا سکتے ہیں اور انہیں مجتہد کی طرف لوٹانا حقیقت میں شریعت کی طرف ہی لوٹانا ہے۔ قرآن کریم میں ہے۔

واذا جاءھم امر من الامن او الخوف اذاعوا بہ ولو ردّوہ الی الرسول والی اولی الامر منھم لعلمہ الذین یستنبطونہ منھم۔ (پ۵، النساء ع۱۱)

ترجمہ۔ اور جب ان کے پاس کوئی خبر امن یا خوف کی آئے تو اسے (بلا تحقیق) پھیلا دیتے ہیں اور اگر وہ اسے رسول پاک تک لوٹا دیتے یا اپنے بڑے لوگوں کی طرف۔ تو ان میں جو مجتہد درجے کے تھے اصل بات کو پا لیتے۔

---

[1] رواہ احمد مشکوٰۃ ص۳۱

یہ بھی کوئی بات ہے کہ جو چیز معلوم نہ ہو اسے از خود وضع کر لو اور پھر اسے کارِ خیر کا درجہ بھی دے دو۔ بایں دعوے کہ شریعت نے اس سے منع تو نہیں کیا ــــ کیا کسی مذہب میں مسائل اس طرح بھی حل ہوئے ہیں؟ بریلویوں نے دین کو کیا بازیچۂ اطفال بنا رکھا ہے کہ ان سے جب کبھی ان کے کسی دینی عمل کی سند پوچھو تو یہ الٹا پوچھنے لگیں بتاؤ اس سے کہیں منع کیا گیا ہے؟

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبیست

فہم حدیث سے یہ لوگ ویسے ہی عاری ہوتے ہیں۔ سوال و جواب کی جہت کو پہچاننا ان کے بس کا روگ نہیں اور متکلم کی نیت معلوم کرنا چاہیں۔ یہ وہ لوگ نہیں۔ عجیب قوم سے پالا پڑا ہے۔

ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے سامنے کسی شخص کو چھینک آئی۔ اس نے الحمد للہ والسلام علی رسول اللہ کہا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا میرا عقیدہ بھی یہی ہے کہ سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام ہو (افراد سلام بغیر درود کے منع نہیں) لیکن اس موقع پر حضورؐ نے ہمیں ایسا کہنا نہیں سکھایا۔ ہمیں بس یہی بتایا ہے کہ ہم اس موقع پر الحمد للہ علی کل حال ہی کہا کریں[1]

آپ کے اس منع کرنے کی علت یہ تھی کہ ایسے مسائل میں جو کچھ ماثور ہو اس پر عمل کرنا چاہیئے اپنی طرف سے اس میں کچھ گھٹانا یا بڑھانا نہ چاہیئے۔ یہ نہیں کہ حضورؐ نے اس موقع پر اپنا ذکر کرنے سے منع کیا ہوا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روک پر غور فرمائیں۔ وہ کہہ رہے ہیں کہ اس موقع پر والسلام علی رسول اللہ کہنا حضورؐ کی تعلیم نہیں ہے۔ مگر بریلوی کہتے ہیں جیسا کہ مولوی عبدالسمیع صاحب نے انوارِ ساطعہ میں لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اس لیے منع کیا تھا کہ اس پر منع وارد ہو چکی ہے[2]

---

[1] مشکوٰۃ ص۴۰۶ عن الترمذی و اسنادہ صحیح [2] در مختار کتاب الذبائح میں ایک روایت یہ دی گئی ہے موطنان لا اذکر فیہما عند العطاس و عند الذبح۔ دو موقعوں پر میرا ذکر نہ ہو ایک چھینک کے وقت اور دوسرے ذبح کے وقت ـــــ اسے خواہ مخواہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت قرار دینا اور کہنا کہ

افسوس صد افسوس اس فہم حدیث پر شیخ جلی بھی خاموش ہوں گے۔ ورنہ دوسرا ہر شخص پوچھے گا۔ کہ پھر حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ایسا کیوں نہ کہا۔ حضرت کے جواب کا جو مطلب محدثین سمجھے ہیں وہ تو یہ ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:-

لیس المسنون فی ھذہ الحال ھذا القول وانما الذی علمنا فیھا ان نقول الحمدللہ علی کل حال فقط من غیر زیادۃ السلام فیہ علی انہ ینبغی فی الذکر والدعاء الاقتصار علی الماثور من غیر ان یزاد او ینقص فان الزیادہ فی مثلہ نقصان فی الحقیقۃ کما لا یزاد فی الاذان بعد التھلیل محمد رسول اللہ وامثال ذلک کثیرۃ۔[1]

ترجمہ۔ ایسا کہنا اس حالت میں مسنون نہیں ہے۔ ہم نے اس موقع پر جو کچھ جانا ہے وہ بس یہی ہے کہ ہم الحمدللہ علی کل حال کہیں اور اس میں حضورؐ پر سلام کہنے کی زیادتی نہ ہو اور دعاؤں اور اذکار میں تو اسی پر اکتفا کرنا چاہیئے جو منقول ہو اور اس میں کسی قسم کی زیادتی یا کمی نہ کی جائے۔ ایسے مواقع پر زیادتی کرنا حقیقۃً نقصان ہی ہے جیسے اذان کے آخری جملے لا الہ الا اللہ کے بعد محمد رسول اللہ نہیں کہا جاتا اور اس بات کی مثالیں کہ ذکر و دعا میں اصل نقل و اثر ہے بہت ہیں۔

جن چیزوں کا شریعت نے حکم بیان نہیں کیا۔ ان میں معافی تو ہو سکتی ہے لیکن اسے کارِ ثواب سمجھنے پر شریعت میں کوئی دلیل نہیں ہے نہ اسے کسی طرح کارِ خیر سمجھا جا سکتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ

آپ نے اس روایت کی وجہ سے اسے روکا تھا۔ خود حضرت عبداللہ بن عمرؓ پر کتنا بڑا ظلم ہے۔ آپ نے تو اپنے منع کی علت اور بیان فرمائی ہے یہ نہیں۔ اور یہ لوگ ہیں کہ صحابیِ رسول پر بھی افترا باندھتے ہیں اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے خواب و خیال میں بھی یہ حدیث نہ ہو گی۔ نہ انہوں نے کہیں اس کا حوالہ دیا ہے —— مولانا احمد رضا خاں لکھتے ہیں یہ حدیث ثابت نہیں۔ (ملفوظات حصہ ۲ ص ۱۱۸/۲۵۸)

[1] حاشیہ مشکوٰۃ عن اللمعات ص ۴۰۶

وسلم نے فرمایا :-

الحلال ما احل اللہ فی کتابہ والحرام ما حرم اللہ فی کتابہ وما سکت عنہ فہو مما عفا لکم[1]

ترجمہ۔ حلال وہی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حلال فرمایا اور حرام وہی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حرام ٹھہرایا اور جن چیزوں سے شریعت نے سکوت کیا ہے ان کی تمہیں معافی ہے یعنی جو صورت بھی واقع ہو اس پر معافی کی امید رکھو۔

اور یہ بھی فرمایا :-

ان اللہ فرض فرائض فلا تضیعوھا وحد حدوداً فلا تعتدوھا وحرم اشیاء فلا تنتہکوھا وسکت عن اشیاء رحمۃ لکم من غیر نسیان فلا تبحثوا عنہا[2]

ترجمہ۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے فرائض مقرر کر دیئے ہیں انہیں ضائع نہ کرنا اور حدیں مقرر کر دی ہیں ان سے تجاوز نہ کرنا اور کچھ چیزیں حرام کر دی ہیں ان کی حد نہ پھاندنا۔ اور از راہِ کرم عمداً کچھ چیزوں سے سکوت فرمایا۔ سو تم ان کی بحث میں نہ پڑو۔

حضرت نعمان بن بشیرؓ (۹۴ھ) کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

الحلال بیّن والحرام بیّن وبینہما مشتبہات لا یعلمہا کثیر من النّاس فمن اتقی الشبہات استبرأ لدینہ وعرضہ ومن وقع فی الشبہات وقع فی الحرام[3]

ترجمہ۔ حلال واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے اور ان دونوں کے درمیان کچھ مشتبہات ہیں جنہیں بہت سے لوگ نہیں جانتے۔ جو شخص ان مشتبہات سے کنارہ کشی کرے اس نے اپنا دین اور اپنی عزت بچالی اور جو (یہ نعرے لگاتا ہے کہ ان سے منع تو نہیں کیا)

---

[1] جامع ترمذی جلد ۱ صـ [2] سنن دارقطنی جلد صـ [3] صحیح بخاری جلد ۱ صـ ۱۳

ان میں جا پڑا سمجھو وہ حرام میں ہی جا پڑا۔

اب دیکھیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو یہ فرمائیں کہ جس چیز کا حلال ہونا واضح نہ ہو اور نہ حرام ہونا واضح ہو وہ مشتبہات میں داخل ہے۔ مگر بریلوی حضرات اسے اپنے ہاں یوں بگاڑتے ہیں:۔

الحلال بیّن والحرام بیّن وبینهما مباحات وخیرات۔ (استغفر اللہ)

یعنی جو چیز واضح طور پر حلال ہو نہ حرام ہو، وہ سب مباحات اور کار خیر ہیں۔ الاصل فی الاشیاء هی الاباحة۔ اب یہ جاننے کی ضرورت نہیں کہ ان کا حکم کیا ہے جس چیز سے بھی سکوت ہے اس پر چڑھ دوڑو۔

علماء کہتے ہیں اس صورت میں مجتہدین کی طرف رجوع کرو وہ اس میں شریعت کی کوئی نظیر پاکر اسے اس کے تابع کر سکیں گے۔ اب اگر اس تیسری صورتِ حال کا حکم اجتہاداً اور استخراجاً معلوم ہو گیا تو اس پر عمل کرو اور اگر ایسا نہ کر سکیں تو یہاں رکنا ہی بہتر ہوگا اور توقف کے بغیر اپنا دین بچانے کی کوئی صورت نہ ہوگی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ (۱۸ھ) کو نصیحت فرمائی تھی کہ اگر ان پہ کسی چیز میں اشکال گزرے تو جب تک اس کا حل نہ ملے اس میں توقف کرنا۔ یہ نہ فرمایا کہ امور مسکوت عنہا سب مباح ہو گئے۔ صرف یہ دیکھو کہ کہیں اس سے روکا تو نہیں گیا:۔

ان اشکل علیك امر فقف حتی تبینه[1]

ترجمہ۔ اگر تم پر کچھ اشکال گزرے تو توقف کرنا یہاں تک کہ تم اس کی تحقیق پاؤ۔

احادیث کے مطابق اہل سنت کا اس موضوع پر موقف توقف کا ہے نہ کہ ہر چیز کو جائز کرتے جاؤ۔ یہ معتزلہ کی رائے تھی جسے بریلویوں نے اپنا لیا ہے۔ درمختار میں ہے:۔

الاصل فی الاشیاء التوقف والاباحة رای المعتزله[2]

ترجمہ۔ اشیاء میں اصل توقف ہے اور اباحت معتزلہ کی رائے ہے۔

---

[1] رواہ ابن ماجہ [2] درمختار جلد ا صــ مع الشامی

علامہ شامیؒ پہلے اس اختلاف میں کچھ نرم سے تھے۔ لیکن البحر الرائق کے حاشیہ پر آپ نے مذہب منصور اور قول قوی اسی کو تسلیم کیا ہے۔

اب ہمارے بریلوی دوست فرمائیں کہ جن امور کو وہ اس راہ سے دین میں لاتے ہیں کہ ان پر شریعت میں کہیں منع وارد نہیں ہوئی تو کیا وہ ان اعمال کو اس نیت سے بجا لاتے ہیں کہ یہ کار ثواب ہے یا اس امید پر وہ یہ بدعتوں کی تکلیفیں جھیلتے ہیں کہ ان پر کوئی مواخذہ نہ ہو گا۔ اللہ تعالیٰ گیارہ تاریخ کی پابندی کرنے پر بدعتیوں کو معاف کر دیں گے۔

اب تم ہی کہو کس کی صدا دل کی صدا ہے

فقہا کے نزدیک اباحت خظر (منع) کی ضد ہے اور مباح کی تعریف یہ ہے:۔

والمباح ما اجيز للمكلفين فعله وتركه بلا استحقاق ثواب ولاعقاب نعم يحاسب عليه حسابا يسيرا[1]

ترجمہ۔ اور مباح وہ چیز ہے کہ جو مکلف مخلوق کے لیے اس کا کرنا اور نہ کرنا دونوں طرح سے جائز ٹھہرایا گیا ہو اور اس پر کسی ثواب کی اُمید نہ رکھی جائے نہ اس پر کسی پکڑ کا اندیشہ ہو۔ ہاں اس پر کچھ آسان سا حساب ہو گا۔

اس قاعدے سے جن امور کو مباح ٹھہرایا جائے ان کا زیادہ سے زیادہ درجہ یہ ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ پکڑیں گے نہیں معاف کر دیں گے۔ لیکن ہمارے اہل بدعت دوست جن بدعات کو اس راہ سے اسلام میں داخل کرتے ہیں۔ انہیں وہ مباح کے درجے میں نہیں رکھتے۔ نیکی اور ثواب سمجھتے ہیں اور انہیں کار خیر سمجھ کر عمل میں لایا جاتا ہے جس کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ وہ مستحب ہو اور ظاہر ہے کہ اس کا ثبوت چاہیئے۔ گیارہویں شریف کو ہی لیجئے۔ ایصال ثواب کے لیے گیارہ تاریخ کا التزام اور اسے دوسرے ایام سے افضل جاننا شریعت محمدی میں اس کی کوئی دلیل نہ تھی نہ نظیر تھی اور آج بھی ان حضرات سے جب کبھی اس کی اصل معلوم کی جاتی ہے تو یہ الاصل فی الاشیاء الاباحۃ کا سہارا لے کر کہہ دیتے ہیں کہ تم

---

[1] در مختار مع الطحطاوی جلد ۴ ص۱۱۹

منع کی دلیل بتاؤ. جب اس سے منع نہیں کیا گیا تو یہ عمل مباح ہے گو ہم اسے نیکی سمجھ کر کرتے ہیں.

اب دیکھئے یہ مباح کس ڈھب سے انداز میں مستحب بنا دیا جاتا ہے. حزب الاحناف لاہور کے مولانا محمود احمد صاحب رضوی لکھتے ہیں :-

گیارہویں حضور پاک کو ایصالِ ثواب کا نام ہے. ایصالِ ثواب کو نہ ہم فرض سمجھتے ہیں نہ واجب. بلکہ جواز کے درجے میں رکھتے ہیں جو شخص حضور غوث اعظم کی روح مبارک کو ایصالِ ثواب نہیں کرتا (گیارہویں نہیں دیتا) اس پر ہم کوئی حکم نہیں لگاتے کیونکہ مباح فعل کو واجب یا فرض کر دینا گمراہی ہے.[1]

کوئی صاحب ان سے پوچھنے والا نہیں کہ کیا گیارہویں کا یہی درجہ ہے کہ آخرت میں اس پر کوئی پکڑ نہ ہوگی مباح تو اسے ہی کہتے ہیں اور اگر آپ اسے ایک نیکی سمجھ کر کرتے ہیں تو یہ مباح نہیں بلکہ مستحب ٹھہرے گا اور مستحب تو ایک حکم شرعی ہے جس پر کوئی دلیل شرعی ہونی چاہیئے. آپ اباحت کا لباس پہنے کوچۂ استحباب میں کیسے آنکلے ہیں. کیا آپ گیارہویں کا ختم کہتے یہ اُمید باندھے ہوتے ہیں کہ خدا اس پر پکڑے گا نہیں یا آپ اسے کارِ خیر سمجھ کر عمل میں لاتے ہیں اور آخرت میں اس کی جزا کی امید رکھتے ہیں. الاصل فی الاشیاء ھی الاباحۃ کا قاعدہ کیا آپ حضرات نے اسی لیے زیرِ مشق رکھا ہے. دعوے مباح کا اور نیت مستحب کی حزب الاحناف والوں کی عجیب علمی شان ہے.

عبادات اور عادات و معاملات

عادات اور معاملات انسانوں کے اپنے ماحول اور تجربات سے بنتے ہیں. عبادات توقیفی ہیں جن کا حکم اللہ رب العزت اور اس کے پیغمبر برحق سے ملتا ہے. فرائض و واجبات اور سنن و مستحبات کے سب درجے شریعت مقرر کرتی ہے. ان میں یہ نہیں سوچا جاتا ہے کہ شریعت نے کہیں اس سے منع کیا ہے بلکہ ہر ہر بات میں نقل کی تلاش ہوتی ہے. ہاں عادات و معاملات انسان خود ترتیب دیتے ہیں. ان

---

[1] رسالہ رضوان لاہور ۱۴ ستمبر ۱۹۵۶ء

میں دیکھنا ہوتا ہے کہ شریعت نے کسی بات سے منع تو نہیں کیا. اصل ہر چیز میں اطلاق اور اباحت ہے. یہ مباح اصلی کی بات کی ہے مباح شرعی کی نہیں.

عادات و معاملات میں بھی اصل اطلاق و اباحت ہے یا اصل منع و حظر ہے. اس میں معتزلہ اور اہل سنت میں کچھ اختلاف ہے. لیکن اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ عبادات میں صرف نقل درکار ہے یہ انسان کی اپنی رائے کے سپرد نہیں اور شرعی رائے جسے استنباط بھی کہتے ہیں وہ نقل کی ہی ایک تفصیل ہے اس کا غیر نہیں.

انسانی تصرفات کی دو قسمیں

حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں :-

ان تصرفات العباد من الاقوال والافعال نوعان عبادات یصلح بها دینهم وعادات یحتاجون الیها فی دنیاهم فباستقراء اصول الشریعة نعلم ان العبادات التی اوجبها الله او احبها لا یثبت الامر بها الا بالشرع ..... ولهذا کان احمد وغیره من فقهاء اهل الحدیث یقولون ان الاصل فی العبادات التوقیف فلا یشرع منها الا ما شرعه الله والا دخلنا فی معنی قوله تعالیٰ ام لهم شرکاء شرعوا لهم من الدین ما لم یاذن به الله[1]

ترجمہ: قول و فعل میں انسان کے تصرفات دو قسم کے ہیں. عبادات جن سے ان کی آخرت کی اصلاح ہوتی ہیں اور عادات جن کی انہیں دنیا میں ضرورت پڑتی ہے. اصول شریعت کا استقراء کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ عبادات واجب درجے کی ہوں یا مستحب درجے کی ان کا کوئی امر بدوں شریعت ثابت نہیں ہو سکتا ..... اور اسی لیے امام احمد اور دوسرے فقہاء محدثین کہتے ہیں عبادات سب توقیفی ہیں. شرع وہی ہے

---

[1] فتاوٰے ابن تیمیہ جلد صـ

جسے اللہ رب العزت نے شریعت بنایا وگرنہ (اگر ہم اپنی طرف سے مسئلے بنائیں کہ شریعت نے منع تو نہیں کیا) ہم قرآن کی اس آیت کا مصداق بن جائیں گے:۔

ام لھم شرکآء شرعوا لھم من الدین مالم یاذن بہ اللہ۔ (پ۲۵، الشوریٰ ع ۲)

ترجمہ: کیا کہ انہوں نے (اللہ کے) شریک ٹھہرا لیے ہیں جنہوں نے ان کے لیے دین کی اور راہ ڈال دی ہے جو اللہ نے نہیں بتائی۔

معلوم ہوا اپنی طرف سے دین کی کوئی راہ تجویز کرنا (اور صرف یہ دیکھنا کہ کہیں اس سے منع تو نہیں کیا گیا) دراصل اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا ہے۔ طاعات اور نیکی کے کام سب توقیفی ہیں۔ کارِ خیر وہی ہے جس کے خیر ہونے کا پتہ ہمیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ برحق سے ملے ہم اپنی خواہشات اور اپنی صوابدید سے کوئی مسئلہ نہیں بنا سکتے۔ گو وہ درجہ مستحب کا ہی کیوں نہ ہو۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کے سب نام توقیفی ہیں، اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو کوئی راہ عبادت مقرر کرنے یا اختیار کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔

شیخ یوسف قرضاویؒ اصل اشیاء و منافع میں حلت اور اباحت کے قائل ہیں۔ ان کا موقف توقف کا نہیں۔ اپنے اس موقف پر انہوں نے قرآن و حدیث سے دلائل پیش کئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں اصل اشیاء میں اباحت اشیاء تک محدود نہیں۔ یہ ان افعال و تصرفات کو بھی شامل ہے جو بطور عادت عمل میں آتے ہیں۔ آپ اس اباحت کی بحث میں لکھتے ہیں:۔

بل یشمل الافعال و التصرفات التی لیست من امور العبادۃ وھی التی نسمیھا العادات او المعاملات فالاصل فیھا عدم التحریم وعدم التقیید الا ماحرمہ الشارع و الزم بہ وقولہ تعالیٰ وقد فصل لکم ما حرم علیکم عام فی الاشیاء و الافعال۔[1]

ترجمہ: بلکہ یہ اباحت افعال و تصرفات جو تعبدی امور میں سے نہیں اور یہ وہ ہیں جنہیں

---

[1] الحلال والحرام ص

ہم عادات اور معاملات کہتے ہیں کو بھی شامل ہے سو ان کا اصل حرام نہ ہونا ہے حرام وہی ہے جسے مشائخ نے حرام قرار دیا ہو اور لازم ٹھہرایا ہو اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد وقد فصل لکم ما حرم علیکم افعال اور اشیاء دونوں کو عام ہے۔

آپ پھر آگے جاکر لکھتے ہیں :۔

وھذا بخلاف العبادة فانھا من امر الدین المحض الذی لایؤخذ الاعن طریق الوحی وفیھا جاء الحدیث الصحیح ومن احدث فی امرنا ما لیس منه فھو رد۔[1]

ترجمہ۔ اور عبادات (جنہیں نیکی سمجھ کر کیا جاتا ہے) میں ایسا نہیں (کہ اصل اباحت ہو) کیونکہ یہ خالص دینی موضوع ہے جو وحی سے ہی حاصل ہو سکتا ہے اور اس موضوع پہ صحیح حدیث میں وارد ہے کہ جس نے ہمارے اس دین میں کوئی بات نئی نکالی، جو اصلاً اس میں سے نہ ہو تو اس کا یہ عمل مردود ہوگا۔

اور عادات و معاملات کے بارے میں لکھتے ہیں :۔

اما العادات و المعاملات فلیس الشارع منشئ لھا بل الناس ھم الذین انشاءوا ھا وتعاملوا بھا والشارع جاء مصححًا لھا ومعدلًا و مھذبًا ومقرًا فی بعض الاحیان ماخلاعن الفساد والضرر منھا۔[2]

ترجمہ۔ عادات اور معاملات سو ان کا موجد شارع نہیں لوگوں نے خود ان کی ایجاد کی ہے اور اپنے طریقے قائم کئے ہیں اور شارع نے آکر انہی طریقوں کی اصلاح و تہذیب کی ہے اور کئی دفعہ انہی امور کو جو فساد اور ضرر سے خالی تھے قائم رکھا ہے۔

---

[1] الحلال والحرام للقرضاوی ص۲۱ طبع چہارم ۱۳۸۱ھ [2] ایضاً

عادات اور معاملات میں اباحت کا قول

اسلام میں عادات و معاملات میں حلال کا دائرہ بہت وسیع ہے اور محرمات کا دائرہ شریعت میں بہت تنگ ہے۔ جن امور میں حل و حرمت وارد نہیں ان میں اصل اباحت ہے یا توقف۔ اس میں فقہاء احناف کا موقف توقف کا ہے۔ اباحت عامہ معتزلہ کا عقیدہ ہے جیسا کہ ہم درمختار سے نقل کر آئے ہیں۔ الاصل فی الاشیاء التوقف۔ اصل اشیاء میں توقف ہے۔

ان الصحیح من مذهب اهل السنّة ان الاصل فی الاشیاء التوقف والاباحة رای المعتزلة لان العصمة من جملة الاحکام المشروعة۔[1]

ترجمہ۔ اہل سنت میں صحیح بات یہی ہے کہ اشیاء میں اصل توقف کا قول ہے اور اصل اباحت کو ٹھہرانا یہ معتزلہ کی رائے ہیں شریعت کے کاموں میں عصمت شرط ہے۔

اب ظاہر ہے کہ عصمت عام بندوں کے افعال و تصرفات میں نہیں۔ یہ تو صرف انبیاء کی شان ہے۔ سو فقہاء احناف نے اسے ہی مذہب منصور قرار دیا ہے۔ افعال میں بھی بہت سے حضرات اصل تحریم کو قرار دیتے ہیں حضرت امام احمد بھی اسی کے قائل تھے۔ ملا جیون شیخ احمد (۱۱۳۰ھ) لکھتے ہیں:۔

ان الاصل فی الاشیاء الاباحة کما هو مذهب طائفة بخلاف الجمهور فان عندهم الاصل هو الحرمة.... وعند الشافعی الاصل هو الحرمة فی کل حال۔[2]

ترجمہ۔ اصل اشیاء میں اباحت ہے اور یہ ایک گروہ کا خیال ہے لیکن جمہور (اہلسنت) کے ہاں اصل حرمت ہے اور امام شافعیؒ ہر حال میں اصل حظر کو ہی سمجھتے ہیں (نہ کہ اباحت کو)

اباحت اصل ہے یا حرمت اصل، اس کا عملی اثر کیا ہوگا

ایک شخص نے دوسرے کو دھمکی دی کہ اگر تو شراب نہ پئے یا مردار نہ کھائے تو میں تجھے قتل کرتا

[1] درمختار مع الطحطاوی جلد ۲ صفحہ ۴۵۵ [2] تفسیرات احمدیہ صفحہ ۶

ہوں، اس نے شراب نہ پی اور قتل ہو گیا مبادا گناہ نہ ہو۔ اب اگر شراب یا مُردار میں اصل اباحت تھی اور شرع نے ان کو حرام کیا تھا تو وہ شخص جو مارا گیا گناہگار ہو گا کیونکہ اس خاص صورتِ حال میں حرمت جاتی رہی اور اباحت اپنی اصل پر لوٹ آئی۔ اور اگر ان چیزوں میں اصل حرمت ہو اور اباحت صرف وقتی طور پر عارض ہوتی تو وہ انہیں نہ کھانے پینے سے قتل ہونے پر گناہگار نہ ہوگا۔ امام محمدؒ کے نزدیک وہ گناہگار ہوگا۔ علامہ شامیؒ لکھتے ہیں :۔

والیہ اشار محمد فمن حدد بالقتل علی اکل المیتۃ او شرب الخمر فلم یفعل حتی قتل بقولہ خفت ان یکون اثما لان اکل المیتۃ وشرب الخمر لم یحرما الا بالنھی عنھما فجعل الاباحۃ اصلا والحرمۃ بعارض النھی[1]

ترجمہ۔ امام محمدؒ نے اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ جس شخص کو مُردار نہ کھانے یا شراب نہ پینے پر قتل کی دھمکی دی گئی اس نے ایسا نہ کیا اور قتل ہو گیا تو وہ گناہگار ٹھہرے گا۔ کیونکہ یہ دونوں چیزیں صرف شریعت کے منع کرنے سے ممنوع ہوئی تھیں۔ سو آپ نے اباحت کو اصل ٹھہرایا ہے۔

یہ مثال ہم نے صرف فرق واضح کرنے کے لیے دی ہے کہ اختلاف کی دونوں صورتوں کا عملی اثر کیا ہو گا۔ ورنہ فقہ حنفی کا مسلک مختار اور قول منصور ہم پہلے نقل کر آئے ہیں۔

اب اس مثال کے اس نہایت اہم پہلو پر بھی نظر رکھیں :۔

اگر وہ شخص اس خاص صورتِ عمل میں شراب پی لے یا مردار کھالے تو کیا وہ اسے نیکی اور اجر و ثواب کا کام سمجھتے ہوئے ایسا کرے یا محض اس خیال سے ایسا کرے کہ اللہ تعالیٰ اس پر (اس خاص صورتِ حال کے باعث) مواخذہ نہ فرمائیں گے —— فتفکر ولا تکن من الغافلین —— بدعات مباح سمجھ کر کی جاتی ہیں یا کارِ خیر۔

ہمارے بریلوی دوست جو الاصل فی الاشیاء ھی الاباحۃ کی راہ سے اپنی تمام بدعات کو

---

[1] رد المحتار شامی جلد ۱ صفحہ ۱۰۵

سند جواز دینا چاہتے ہیں۔ اب خود ہی بتائیں کہ کیا وہ اپنے ان "نیکی کے کاموں" کو مجبوری مردار خوری اور شراب خوری کے درجہ میں سمجھتے ہیں یا وہ انہیں کار خیر اور اجر و ثواب کے کام سمجھ کر عمل میں لاتے ہیں — یہ فیصلہ ہم انہی پر چھوڑتے ہیں — جہاں تک ہم دیکھتے اور سنتے ہیں وہ ان کاموں کو نیکی اور کار خیر سمجھ کر عمل میں لاتے ہیں۔

فیصلہ کن حکم موجود نہ ہو تو اب جو چاہے کرو ؟ استغفر اللہ

جن مسائل میں امر یا منع وارد نہیں تو اگر انسان ان میں آزاد ہے کہ اب جو چاہے کرے سب مباح ہے تو اس سے لازم آتا ہے کہ مجتہد اپنی ہر رائے میں مصیب ہو کیونکہ وہ اجتہاد وہیں کرے گا جہاں نص (امر کی یا منع کی) موجود نہ ہو۔ اب اس نے جو رائے قائم کی ہے وہ دائرہ اباحت میں آکر کی ہے۔ سو اس کے مخطی ہونے کی کوئی وجہ باقی نہیں رہتی اور یہ تقدیر حدیث کے بالکل خلاف ہے۔ حدیث میں صریح طور پر مجتہد کو کبھی مصیب اور کبھی مخطی ٹھہرایا گیا ہے۔ یہ مذہب معتزلہ کا ہے کہ مجتہد ہر صورت میں مصیب ہے کیونکہ اصل ہر چیز میں اباحت ہے۔

دسویں صدی کے مجدد حضرت ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں:۔

ان المجتهد فی العقلیات والشرعیات الاصلیة والفرعیة قد یخطئ وقد یصیب وذهب بعض الاشاعرة والمعتزلة الی ان کل مجتهد فی المسائل الشرعیة الفرعیة التی لا قاطع فیها مصیب[۱]

ترجمہ: مجتہد عقلیات میں اور شرعی مسائل میں وہ اصلی ہوں یا فروعی کبھی خطا کرتا ہے اور کبھی وہ درست بات پالیتا ہے اور بعض اشاعرہ اور معتزلہ اس پر ہیں کہ ہر مجتہد مسائل شرعیہ فرعیہ میں مصیب ہے اور اپنی جگہ درست ہے۔

یعنی وہ جو بات کہہ رہا ہے دائرہ اباحت میں اتر کر کہہ رہا ہے۔ یہاں جب ہر چیز مباح ہے

---

[۱] شرح فقہ اکبر ص ۱۶۲

تو خطا کیسی، نقل ویسے ہی ان مسائل میں موجود نہ تھی۔ اب جو منع کرے وہ منع کی دلیل لائے، ورنہ سب صحیح ہے۔ معاذ اللہ

آگے آپ نے احکام اور ضرورت کی چار انواع بیان کی ہیں اور آخر میں یہ فیصلہ دیا ہے:۔

والمختار ان الحکم معین وعلیہ دلیل ظنی ان وجدہ المجتہد اصاب و ان فقدہ اخطاء۔

صحیح قول مختار یہ ہے کہ شریعت میں کوئی موضوع آوارہ نہیں چھوڑا گیا۔ اس میں ہر مسئلے کا حکم موجود ہے۔ وہ مسئلہ منصوص ہو یا کسی نص کی گہرائی میں لپٹا ہو جسے مجتہد پا لے اس پر کوئی نہ کوئی دلیل ظنی ضرور موجود ہوتی ہے۔ اسے مجتہد پالے تو وہ مصیب ہے کہ صحیح بات کو وہ پہنچ گیا نہ پا سکے تو وہ مجتہد مخطی ہے جسے صرف ایک اجر ملے گا ـــــ یہ نہیں کہ جہاں نص موجود نہ ہو نہ امر کی نہ منع کی، تو وہاں انسان اپنے آپ کو بالکل آزاد سمجھے اور الاصل فی الاشیاء ھی الاباحۃ کا نعرہ لگاتا ہوا ایسے موضوع کو مباح اور درست سمجھ لے ـــــ یہ تو معتزلہ کی رائے تھی۔ افسوس کہ بریلوی بھی اسی دلدل میں جا گرے جہاں معتزلہ آج سے بارہ سو سال پہلے گرے تھے۔

سنّت کی آفاقیت

جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت آفاقی اور ابدی ہے اور زماناً اور مکاناً اس کی انتہا نہیں۔ اسی طرح بدعت نہ زماناً ابدی ہے نہ مکاناً آفاقی ہے۔ بدعتوں کے دیئے کچھ دیر جلتے ہیں اور پھر بجھ جاتے ہیں۔ یہ سنّت کی تابانی ہے جس کی روشنی ابدالآباد تک پھیلتی ہے۔

سنّت بین الاقوامی ہے اور بدعت علاقائی ـــــ ہر علاقے کی اپنی اپنی رسوم اور بدعات ہیں اللہ رب العزت اسے آفاقی نہیں بننے دیتے۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ادائیں ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے آفاقیت بخشی ہے اور آپ کا ذکر مبارک بلند فرمایا ہے۔

ورفعنا لک ذکرک میں سنّت کا ترفع و اعلاء ہے۔ بدعت نہ آپ کا عمل ہے نہ آپ کے صحابہؓ کا۔ اس میں ترفع و اعلاء کہاں سے آتے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

بدعت سے اجتناب کرنے کے اعتقادی فوائد

تشریع کا قوی ترین ماخذ نبوت ہے اور ادنیٰ ترین درجہ بدعت ہے۔ بدعت سے بھی وہ چیز دین بنائی جاتی ہے جو دین نہیں ہوتی ___ نبوت سے دین کا قیام اور کتاب و سنت سے اس کا استحکام ہوتا ہے کتاب و سنت سے جو استنباط ہوتا ہے وہ بھی انہی کے حکم میں ہے۔ فرق ہے تو صرف یہ کہ کتاب و سنت میں خطا کا احتمال نہیں ہوتا اور اجتہاد و استنباط میں یہ ہوتا ہے۔ تاہم مجتہد مخطی کو بھی ایک اجر کا مستحق سمجھنا چاہیئے۔

تشریع کا کمزور ترین درجہ بدعت ہے اور اس کے ذریعہ کسی چیز کو شرعًا دین بنانا ممنوع ہے اور یہ عمل شرعًا مردود ہوگا۔ اس سے حضورؐ نے بہت اظہار ناراضگی کیا ہے ___ اس کا عادی اور داعی لعنت کا مستحق ہو جاتا ہے اور اس کی نحوست سے اس کا کوئی نیک عمل قبول ہونے نہیں پاتا۔ بدعت سے پرہیز کرنے اور اجتناب کرنے کے بہت سے فوائد ہیں۔ ان میں سے پانچ یہاں ذکر کرتے ہیں۔

(۱) عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ کی ضمانت

حضور خاتم النبیینؐ کے بعد جب ذرا بدعت کی بھی گنجائش نہیں تو نئی نبوت کی کس طرح گنجائش ہوگی جو شخص حضرت خاتم النبیین کی نسبت کا اس طرح وفادار ہوگا کہ دین میں کسی نئی چیز کو برداشت نہ کرے وہ کسی نبوت کو کیسے برداشت کرے گا ___ کبھی نہیں۔

حضرت خاتم النبیین کے بعد اگر کسی اور نبی کے آنے کی گنجائش ہوتی تو جس طرح شریعت میں سنت اور بدعت کی بحثیں چلتی ہیں اور علمائے محدثین نے ان کی بڑی تحقیق فرمائی ہے ساتھ کہیں یہ بحث بھی چلی ہوتی کہ اسلام میں بدعت تو نہیں مگر نئی نبوت ہے اور یہ مباحث اس ترتیب سے چلے ہوتے۔

سنت ___ بدعت ___ نئی نبوت

سو جو شخص بدعت کو بھی ساتھ پھٹکنے نہ دے گا وہ کبھی نئی نبوت کے جال میں نہ پھنسے گا. یاد رکھیئے بدعت سے کلی اجتناب عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کی پوری ضمانت ہے.

۲ شیعی اثرات سے بچنے کی کلی حفاظت

شیعہ مذہب کے دو حصے ہیں :-

۱. عقائد اور ۲. اعمال

عقائد صرف علماء کو معلوم ہوتے ہیں، عوام ان کے اعمال سے ان کو پہچانتے ہیں. اعمال میں شیعہ مذہب کی بناء ہی خلاف سنت پر ہے. ان کے ہاں سنت کا لفظ اہل سنت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے.

شیعہ مذہب میں بڑے دن محرم کے دس دن ہیں، جس طرح عیسائیوں کے بڑے دن دسمبر کے ایام ہیں. جلوس عزاداری، دلدل گھوڑا نکالنا. کٹے ہوئے پنجے اٹھانا چہلم. ۲۲ رجب کے کونڈے. تابوتوں کی برآمد. سیاہ لباس. یہ وہ اعمال ہیں جو دین محمدی میں کبھی نہ تھے. اب جس شخص کے دل میں بدعت سے نفرت ہو گی وہ بھلا ان سیاہ اعمال کے قریب بھی کبھی نہ بھٹک سکے گا. سو پھر کبھی نہ ہو گا کہ وہ دلدل سے ان کے عقائد کی دلدل میں جا پہنچے. یقین کیجئے بدعت سے اجتناب شیعہ اثرات سے بچنے کی ایک قوی ضرورت ہے.

۳ تسلسل امت میں رہنے کی ضمانت

بدعت سے بچنے والا نہ صرف دین کے نام پر کئے جانے والے نئے اعمال سے پرہیز کرے گا. بلکہ وہ کسی نئے مسلک کا خریدار یا امیدوار بھی نہ بنے گا. امت کا یہ قافلہ چودہ سو سال سے ایک تسلسل سے چلا آرہا ہے. تابعینؒ نے صحابہؓ پر اعتماد کیا اور تبع تابعین نے تابعین پر —— اور اب تک دین کا یہ قافلہ اپنے اعتماد سے چلا آرہا ہے.

ہندوستان میں یکایک ترکِ تقلید کی ہوا چلی اور دیکھتے دیکھتے نیچری، ذکری، چکڑالوی اور مختلف عنوانوں کے غیر مقلد اپنے نئے فرقوں کو لے کر سامنے آگئے۔

عام لوگوں کے بس میں نہ تھا ان کے علمی مباحث سے عہدہ برآ ہوں۔ سو جو لوگ ان نئے فرقوں میں آنے سے بچے رہے۔ وہ وہی تھے جو دین میں تسلسل امت کے قائل اور سلف پر اعتماد کرنیوالے تھے اور سنت نے انہیں یہ مقام بخشا تھا کہ وہ سبیلِ مومنین سے باہر نہ نکلیں — بدعت صرف اعمال میں ہی بُری نہیں فرقہ بندی میں بھی بُری ہے۔ فروعی اختلافات پہ جماعت بندی کرنا بدعت ہے۔ صحابہؓ کا یہ طریق نہ تھا۔

④ صحابہ پر تنقید کرنے سے کلی حفاظت

خیر القرون کے آخر میں اہلِ حق میں یہ مسئلہ طے پا گیا تھا کہ صحابہؓ پر تنقید کرنا جائز نہیں۔ ان میں آپس میں جو اختلافات (مشاجرات) ہوئے اُن سے زبان بند رکھنی چاہیئے اور قلم کو روکنا چاہیئے۔ یہی مذہب اہلِ سنت تھا۔

اب محض شیعہ کو خوش کرنے کے لیے یا غیر جانبدار بننے کے لیے یا عام ووٹ حاصل کرنے کے لیے صحابہؓ پر تنقید کا دروازہ کھولنا اور کھُلے بندوں اس غلط عقیدے کی تبلیغ کرنا کہ دین کا ہرگز یہ تقاضا نہیں کہ صحابہؓ کی غلطی کو غلطی نہ کہا جائے۔ یقیناً ایک اعتقادی بدعت ہے۔ یُوں سمجھیے کہ اس آخر دور میں خوارج پھر سے آ اُبھرے ہیں۔

اب جو شخص عام اعمال میں بدعت سے پرہیز کرے گا وہ عقائد کے باب میں اتنی کھُلی بدعتوں کا کبھی شکار نہ ہو سکے گا۔

⑤ خاندانِ رسالت سے عقیدت و محبت

اہل السنۃ والجماعۃ کی تقریباً تمام کتب حدیث میں حضرت عباسؓ، حضرت علی المرتضیٰؓ اور حضرات

حسنین کریمینؓ کے فضائل و مناقب کے باب بند ے ہیں۔ احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ یہ حضرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخر دم تک مقرب و محبوب رہے۔

بعد کے ہونے والے سیاسی واقعات اور امت کے اختلافات میں واقعات کا جو رخ بھی ہو انہیں حلقۂ رسالت کے اعتماد اور قربِ رسالت کے امتیاز سے جدا نہیں کیا جا سکتا اور اسی پر اب تک اہل السنۃ والجماعۃ کا اعتقاد رہا ہے۔

اب ان مذکورہ اختلافات کی اس طرح شرح کرنا جس سے ان حضرات کے دامنِ تقدس پہ دھبے نظر آنے لگیں، یقیناً فہم سلف سے ایک بغاوت ہوگی اور تاریخِ امت میں یہ بھی ایک بدعت ہے۔

ناصبیت کے اس جال میں زیادہ تر وہی لوگ آتے ہیں جو نئی راہ اختیار کرنے میں کوئی باک نہ سمجھتے تھے۔ یہ لوگ برملا کہتے ہیں کہ پہلے علماء اس تحقیق کو نہیں چھو سکے جو یہ نئے خلف کر پاتے ہیں سو یہ ایک اعتقادی بدعت ہے جو ان دنوں خاندانِ رسالت کے خلاف اٹھ رہی ہے۔

جو شخص سنت سے محبت اور بدعت سے نفرت کرے گا اللہ رب العزت اسے قافلۂ امت میں سلفِ صالحین کے ساتھ رکھیں گے اور یہ وہ دولت ہے جس پہ بدعت کی تمام رونقوں کو قربان کیا جا سکتا ہے۔

بدعت کے یہ نقصانات جو ہم نے عرض کئے ان نقصانات کے علاوہ ہیں جو بدعتی کو آخرت میں دیکھنے پڑیں گے۔ بدعتی کا خاتمہ ایمان پہ ہونا خطرے سے خالی نہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے محرومی یہ دوسری بدنصیبی ہے۔ جس سے بدعتی آخرت میں دوچار ہوگا اور حوضِ کوثر سے اسے پیچھے ہٹا دیا جائے گا۔

ایجادِ بدعت افتراء علی الرسول کا دوسرا نام ہے

شریعت، صرف نقل و استنباط سے پہچانی جاتی ہے اور شریعت کا منبع پیغمبر کی ذات ہے جس سے اللہ رب العزت کی مرضیات اور عدم مرضیات کا پتہ چلتا ہے۔ اب اگر کوئی دین میں کوئی ایسی

چیز داخل کرتا ہے جو اصلاً اور استنباطاً دین کی نہیں تو وہ حقیقت میں افترا علی الرسول کا مجرم ہے۔ کہ بات تو دین میں کہیں موجود نہیں۔ نہ کتاب وسنت میں نہ مجتہد کے اجتہاد میں مگر وہ اسے دین بنانے پر تلا ہوا ہے۔

بدعتی کو سُنّی کہنے کا گناہ

اب یہ جانتے ہوئے کہ فلاں فلاں اعمال بدعت ہیں اور ان کے کرنے والے بدعتی ہیں پھر اگر کوئی انہیں سنی کہتا ہے تو کیا اس نے ان تمام بدعات کو سنت نہ کہا اور یہ کہنا کیا افترا علی الرسول نہیں؟ ——— افسوس کہ جو لوگ اصلاً بدعتی نہ تھے وہ ان بدعتیوں کو سنی کہہ کر خود اس الزام کے ملزم ہو گئے جو مولانا احمد رضا خاں پر سالہا سال سے چلا آرہا تھا ——— یاد رکھیے بدعتی کو سنی کہنا سخت گناہ ہے۔

بدعتی اور کافر میں کس کی صُحبت اہلسنّت کے لیے زیادہ خطرناک ہے

مومن اور کافر میں فاصلے قطعی ہیں۔ مومن آسانی سے کفر میں نہیں کھچتا بخلاف سنی اور بدعتی کے کہ ان میں فاصلے ظنی ہیں۔ دونوں ایک اصل سے وابستگی کے مدعی ہیں اور ان میں اشتباہ بہت جلد راہ پا جاتا ہے۔ بھٹی کے پاس سے گزرنے والا گو قصداً بھٹی کے پاس نہیں آرہا۔ مگر اس کے سفید کپڑوں میں اگر دھوئیں کا کوئی عکس دکھائی دے تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ نفوس میں جتنا فاصلہ کم ہو گا اتنا جلدی وہ ایک دوسرے کا اثر قبول کریں گے۔ اب یہ نہیں کہ بدعتی پر سنت کے آثار پھیلیں سنی پر کچھ بدعت کے اندھیرے ضرور پھیلیں گے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

ضرر فساد مبتدع زیادہ از فساد صحبت کافر است [1]

ترجمہ۔ بدعتی کی صحبت کافر کی صحبت سے زیادہ برے اثرات رکھتی ہے۔

---

[1] مکتوبات دفتر اول مکتوب ۵۴

بدعت جہالت کے سائے میں پلتی ہے

کفر کبھی علم کے سایہ میں ٹیڑھی راہ چلتا ہے. قادیانیت اور اعتقادِ امامت اسی کفر کی پیداوار ہیں لیکن بدعت ہمیشہ جہالت کے سائے میں پلتی ہے اسے کبھی علم کا سہارا نہیں ملتا.

برصغیر پاک و ہند میں آپ دیکھیں گے جہاں جہالت کے سائے زیادہ ہیں وہاں بہت سی بدعات آپ کو راہ پائے ملیں گی اور دیہات اور پسماندہ بستیوں میں جہاں جہالت کے دبیز پردے پڑے ہیں وہاں ملنگوں اور بریلویوں کی بھیڑ زیادہ نظر آئے گی ۔ افراد اصولوں پر جمیں تو بیشک ایک قوم ہیں۔ مگر بریلوی جہاں بھی ہوں گے ایک قوم نہیں ایک بھیڑ ہوں گے اور اگر کبھی مقابلے کی نوبت آجائے تو بھیڑ ہوں گے.

چونکہ دیہات کی آبادی شہروں سے زیادہ ہوتی ہے. اس پر انہوں نے عوامی اکثریت کا دعوےٰ کر رکھا ہے. ورنہ علمی پیرایہ میں یہ ایسی اقلیت میں ہیں کہ شاید ہی جہالت میں کبھی کسی کا گراف اتنا نیچا ہوا ہو. اب آئندہ ہم انشاء اللہ مسئلہ اکثریت پر بحث کریں گے. واللہ ھو الموفق وبہ استعین۔

بدعت سے بچانے کے لیے علماء حق کی کوششیں

جب کسی علاقے میں بدعت کے اندھیرے پھیلے. علمائے حق نے وہاں پوری تندہی سے سنت کے چراغ جلائے اور بدعت کی ظلمت کو کہیں بڑھنے نہیں دیا. قرونِ وسطیٰ میں امام ابن تیمیہ حنبلی (۷۲۸ھ) علامہ شاطبی مالکیؒ (۷۹۰ھ) نے تحفظِ سنت اور ردِ بدعت پر بنیادی کام کیا ہے. حنفیہ کرام میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ (۱۰۳۵ھ) اور حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (۱۱۷۶ھ) کے بعد اس میدان کے بطلِ جلیل حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ ہوئے ہیں. آپ کے بعد امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے تحفظ سنت پر بڑی محنت فرمائی ہے. تاہم حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ نے براہینِ قاطعہ لکھ کر اہلِ بدعت پر وہ حجت تمام کی کہ اب تک اس کے اثر سے اہلِ بدعت کی نبضیں خاموش ہیں اور حضرت مولانا مرحوم پر الزام تراشی کے سوا اب تک ان سے ان کا کوئی جواب نہیں بن پڑا.

پھر اس لائن میں شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالغنی شاہجہانپوریؒ اور ان کے بعد حضرت مولانا محمد منظور نعمانی نے بنیادی کام کیا۔ پھر ان کے بعد استاذ المکرم حضرت مولانا سید فردوس شاہ صاحب قصوری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا سرفراز خاں صفدر نے اقامت سنت اور اہانت بدعت پر قلم اٹھایا۔ حضرت شاہ صاحبؒ کی کتاب چراغ سنت اور مولانا سرفراز خاں کی کتاب راہِ سنت اس ظلمت کدہ میں سنت کے واقعی دو روشن چراغ ہیں۔

بدعت کے وبال سے نکلنے کی ایک راہ

کسی شخص کو کسی درجے میں بدعت میں گھرا دیکھیں تو سوال ابھرتا ہے کہ اب اس کی کسی طرح بخشش ہو سکے گی؟ اس کے جواب میں آپ کو اس بدعت کی تاریخ معلوم کرنی چاہیئے۔ اس کا قائل اگر مجتہد درجے کا ہے گو اس کے اجتہاد کو امت نے قبول نہ کیا ہو اور اس نے کسی تاویل سے اس بدعت کی راہ کھولی ہو تو ہو سکتا ہے ازراہِ تاویل اس مجتہد کو آخرت میں معافی مل جائے اور اس طرح اس شخص کو بھی جو اس کی تقلید میں اس راہ پر چلا ہو ۔۔۔۔ خطاء مجتہد اور تقلید کے سوا بدعت کے وبال سے بچ نکلنے کی اور کوئی راہ نہیں ہے۔ بدعت کے وبال سے نکلنے کی صرف ایک ہی راہ ہے ۔۔۔۔ وہ یہ کہ بدعتی مجتہد درجے کا ہو اور کسی تاویل سے اس نے اس بدعت کو استناد مہیا کیا ہو یا وہ بدعتی کسی مجتہد کی تقلید سے بدعت میں مبتلا ہو۔

یہ راہ تقلید ایسی نعمت ہے کہ شاید اس بدعتی کو بدعت کے وبال سے بچا لے اور آخرت میں اس کی بخشش ہو جائے۔ حافظ ابن تیمیہؒ (۷۲۸ھ) لکھتے ہیں:

ولا ریب ان من فعل البدع متاولاً مجتہداً او مقلداً کان له اجر علی حسن قصده وعلی عمله من حیث ما فیه من المشروع وکان ما فیه من المبتدع مغفوراً له اذا کان فی اجتهاده او تقلیده من المعذورین[1]

---

[1] طریق الوصول الی العلم المامول ص۱۳۶ طبع مصر

ترجمہ۔ اور اس میں شک نہیں کہ جس شخص نے بدعات پر تاویل کی راہ سے عمل کیا اور وہ اس میں مجتہد کا مقام رکھتا ہو یا وہ (کسی ایسے مجتہد کا) مقلد ہو (جس نے بدعت کی وہ راہ نکالی) تو اسے اپنی نیت اور عمل کے مطابق اپنے ان اعمال (بدعت) کے حصہ مشروع پر اجر ملے گا اور حصہ بدعت پر اس کی مغفرت ہو سکے گی بشرطیکہ وہ اپنے اجتہاد یا تقلید میں معذورین میں سے ہو۔

یہ اسی طرح ہے جیسے دوسرے اجتہادی مسائل میں غلطی اور خطا۔ کے وبال سے بچنے کی راہ صرف یہ ہے کہ کسی مجتہد کی پیروی میں اس نادرست فیصلے پر عمل پیرا ہو۔ ورنہ اس کے غلطی کے اس وبال سے بچ نکلنے کی کوئی راہ نہیں۔ آخرت میں یہ لوگ حسرت سے کہیں گے —— لو کنا نسمع او نعقل ما کنا فی اصحاب السعیر۔ (پ ۲۹ ؛ الملک آیت ۱۰)

بدعتی اگر مجتہد متاول یا مقلد ہونے کی راہ سے ان بدعات پر آیا تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان بدعات کو بُرا نہ سمجھا جائے یا اس سے لوگوں کو روکا نہ جائے یا اسے امر مشروع سے نہ بدلا جائے —— یہ رعایت جو حافظ ابن تیمیہؒ نے بیان کی ہے وہ بدعتی کے حق میں ہے بدعت کے حق میں نہیں اور بدعتی کے حق میں بھی صرف۔ اس بحث میں کہ اس کی مغفرت ہو سکے گی یا نہ؟ یہ نہیں کہ اب اس کا شمار بدعتیوں میں سے نہیں۔

پچھلے لوگوں میں سے کسی سے اگر کوئی بدعت صادر ہوئی تو اسے اس راہ میں معذور سمجھنا چاہیئے یہ نہیں کہ اس کے اس عمل کو بہانہ بنا کر ان کی اس بدعت کو سندِ جواز مہیا کی جائے جو لوگ اپنے پیروں کے عمل کو سند بنا کر بدعات، کا دروازہ کھلوانا چاہتے ہیں۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے ان پر سخت نکیر فرمائی ہے۔

افسوس کہ ہمارے بریلوی عوام امام ابن تیمیہؒ کی بیان کردہ اس راہ سے بھی آخرت میں بدعت کے وبال سے نہ بچ سکیں گے کیونکہ وہ بقولِ خویش حضرت امام ابو حنیفہؒ کے مقلد ہیں کسی ملنگ یا بدعتی امام کے نہیں —— اور وہ بریلوی جو امام ابو حنیفہؒ کی بجائے مولانا احمد رضا خاں کو امام مانتے ہیں انہیں بھی

اس راہ سے جو حافظ ابن تیمیہؒ نے بتائی ہے کوئی فائدہ نہ پہنچے گا۔ کیونکہ مولانا احمد رضا خاں مجتہد کے درجے کے نہ تھے۔ حضرت مولانا مرتضیٰ حسن نے علم کے میدان میں انہیں بلا ہا پچھاڑا تھا اور وہ کبھی ان کے سامنے ٹھہر نہ سکے تھے۔

بدعت سے نفرت پیدا کرنے کی راہ

بدعت سے نفرت پیدا کرنے کے لیے سنتوں سے محبت ضروری ہے اور سنت سے محبت کی راہ آپ کو بزرگوں کی صحبت سے ملے گی۔

بندۂ مومن کو چاہیئے کہ بزرگانِ دین نے بدعتوں کی آفتوں کا جو ذکر کیا ہے اسے بار بار پڑھے اور ان بزرگوں کی نسبت سے اپنے دل میں سنت کا نور اتارے۔ یہ وہ راہ ہے جس سے ہر ولی کو گزرنا پڑا ہے۔ اور اس مجاہدے کے بغیر کوئی ساحلِ ولایت پر نہیں اترتا۔

حضورؐ کی محبت کو سنتوں کی محبت لازم ہے

محب کی نظر میں محبوب کی ہر ادا محبوب ہوتی ہے اپنی ادا ور کنار جس چیز نے بھی اس سے نسبت پائی ہو وہ محب کی نظر میں محبوب ہوگی۔ اس امت کے لیے حضورؐ کے صحابہؓ اور اہلبیتؓ سے محبت کیوں ضروری ہے ؟ یہ اس لیے کہ وہ حضورؐ کی نسبت پاتے ہوئے ہیں۔ اب ان کی ادائیں بھی محبوب کی اداؤں کے ساتھ محب کے لیے جاذب نظر ہوں گی۔

اسلام میں حضورؐ کی محبت سب بنی نوعِ انسان کی محبت سے اقدم و اولیٰ ہے۔ دل کی کیفیت کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں ظاہر میں صرف وہ شخص آپ سے محبت کرنے والا سمجھا جا سکتا ہے جسے آپ کی سنتوں سے پیار ہو۔ اسے صحابہؓ اور اہلبیت کی سنتوں سے پیار ہو اور ان کے طریقوں کے ماسوا دین کے نام پہ کیا جانے والا ہر عمل اسے بدعت نظر آئے۔ بدعت سے پیار کرنے والا کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا محب نہیں ہو سکتا۔ جھوٹ اور دھوکا دوسری بات ہے۔

اسلامک اکیڈمی مانچسٹر کی خدمات

اسلامک اکیڈمی مانچسٹر نے انگلینڈ میں اسلام کی عظمت اور بدعات سے نفرت پیدا کرنے میں بنیادی کام کیا ہے اور اس کے اثرات پورے یورپ اور امریکہ میں پائے جاتے ہیں مطالعہ بریلویت کی چار ضخیم جلدیں اسی اکیڈمی میں لکھی گئی ہیں۔

عزیزم مولانا حافظ محمد اقبال صاحب دامت برکاتہم نے بڑی ہمت اور محنتِ شاقہ سے بدعت کے بارے میں حضرات صحابہ کرامؓ، تابعین عظامؒ، مجتہدین کرامؒ، مجددین امت اور اولیاء اللہؒ کے اقوال کو جمع فرمایا ہے۔ یہ سب مضامین مختلف اسفار میں منتشر تھے۔ آپ نے انہیں یکجا کر کے ایک نہایت مفید ترتیب دی ہے۔ قاری کو ایک ایسے محل میں لا کھڑا کیا ہے جس کے چاروں طرف اہل اللہ بدعت کی ظلمتوں کے خلاف دہائی دے رہے ہیں اور مردِ مومن شیدائی سنت بے محابا آن مخلصی چاہتا ہے یہ صرف مقامِ سنت ہے جس سے کرنیں پھوٹتی ہیں اور بدعتوں کی ظلمتیں ٹوٹتی ہیں۔

یہ رسالہ طلباء، علماء، سالکین اور مبلغین کے لیے بہت مفید اور صحیح معنی میں حامیِ سنت اور ماحیِ بدعت ہے۔ کاش! کہ حافظ صاحب موصوف چند بدعتوں کی بھی نشاندہی کر دیتے۔ تاکہ جو لوگ اہل اللہ کے ان خلافِ بدعت بیانات سے متأثر ہو کر معاشرے سے جہالت کے ان اندھیروں کو دور کرنا چاہیں انہیں فوری طور پر ایک میدانِ عمل مل جائے کہ اب انہیں کن کن بدعتوں سے بچ کر نکلنا ہے اور ہمارے دینی معاشرے میں کون کون سی بدعات گھس چکی ہیں۔ ان بدعات کی علمی تردید کی ضرورت نہیں، صرف نشاندہی کافی ہے۔ اہل بدعت کے یہ وہ زینے ہیں جن کے ذریعہ وہ اس دینی پستی میں اترتے ہیں کہ آگے تہہ خانے ہی تہہ خانے ہیں۔ بالا خانے میں جانا ان کے نصیب میں نہیں ہے۔ اللہ رب العزت اس تالیفِ لطیف کو اور مفید بنائے اور حافظ صاحب موصوف کے علم و عمل میں اور برکت فرمائے

؎ ہوا ہے گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مردِ درویش حق نے جس کو دیئے ہیں اندازِ خسروانہ

خالد محمود عفا اللہ عنہ

البدعة واهل البدعة في نظر الصحابة وسادات الامة

المسمّٰى به

بدعت اور اہل بدعت

اسلام کی نظر میں

تألیف

مولانا حافظ محمد اقبال رنگونی فاضل مظاہر العلوم سہارنپور

مدیر ماہنامہ "الہلال" مانچسٹر

عرضِ مؤلف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قرآن اور احادیثِ مبارکہ کی تصریحات کے مطابق شرک کی سب سے بڑی فکری اور عملی گمراہی بدعت ہے۔ اس سے اسلام کا چشمۂ صافی گدلا ہو جاتا ہے۔ علماء سوء نے ترویجِ بدعات سے مسلمانوں کو ایسے عقائد و اعمال میں منہمک کر دیا ہے جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و سلم کی نگاہ میں انتہائی ناپسندیدہ ہیں۔ اور اکابرِ امت نے انہیں انتہائی ناپسندیدگی سے دیکھا ہے اور عارفین نے اس سے سوءِ خاتمہ اندیشہ محسوس کیا ہے۔

بدعات کے ارتکاب سے ایک مسلمان قرآن اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر چلنے سے محروم ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف بدعت کا دروازہ بند کیا ہے بلکہ اس کی پُرزور مخالفت کی ہے اور شدت سے اس کی مذمت کی ہے حدیث پاک میں صاحب بدعت کے لیے سخت وعیدیں وارد ہیں تاکہ کوئی شخص اسلام کے چشمۂ فیض کو میلا کرنے کی جرأت نہ کر پائے۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ جس طرح توحید کے مقابل لفظ شرک ہے اسی طرح سُنت کے مقابلے میں لفظ بدعت ہے۔ کوئی شخص شرک کرنے کے بعد اپنے آپ کو ہزار اہلِ توحید میں سے سمجھے اس کا ایسا سمجھنا باطل ہوگا۔ اسی طرح بدعات اپنانے کے بعد کوئی لاکھ اپنے آپ کو اہلِ سنت میں سے کہے اس کا یہ اعلان ایک غلط دعوےٰ ہوگا۔ کیونکہ جس طرح شرک نام ہے توحید کی مخالفت کا۔ بدعت نام ہے سنت کی مخالفت کا — ظاہر ہے کہ سنت کی مخالفت کرنے والا اہلِ سنت اور سُنی کہلانے کا کسی طرح مستحق نہیں ہو سکتا۔

شیطان لعین نے ابوالہوسوں کو بدعات اختیار کرنے کی ترغیب و تحریص دے کر ایک

ایسے مقام پر لاکھڑا کر دیا ہے جہاں انہیں یہ سوچنے کی زحمت گوارا نہیں کہ آیا ان کاموں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کی مخالفت ہوتی ہے یا نہیں؟ بدعات و محدثات اختیار کرنے پر کیا ہم خدا کی ناراضگی و عتاب کے مستحق تو نہیں ہو رہے؟ ـــــ بدعات کا اندھیرا اس طرح ان کے دل و دماغ پر چھا گیا ہے کہ انہیں اس کا خیال تک نہیں آتا۔ بلکہ طرفہ تماشا یہ ہے کہ یہ لوگ بدعات کو سنت بلکہ حبِ رسول کا تقاضا قرار دیتے ہیں۔ (العیاذ باللہ)

بتلایئے اب توبہ کی توفیق کس کو ہوگی اور کیسے ہوگی؟ اس کا نتیجہ سوائے ہلاکت و بربادی کے اور کیا ہوگا ـــــ محدثِ شہیر حضرت مولانا بدر عالم صاحب مہاجر مدنیؒ فرماتے ہیں کہ:

"بدعت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہوتی ہے اس سے بدتر اور کیا چیز ہو سکتی ہے۔ بدعت ایک مہلک اور متعدی مرض ہے۔ اس کے مریضوں سے متعدی امراض کی طرح دُور رہنا چاہیئے۔ قیامت کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بدعتیوں کو دیکھ کر بڑی نفرت کے انداز میں فرمائیں گے "سحقاً سحقاً لمن بدل بعدی" (یعنی جنہوں نے میرے بعد دین میں تبدیلی کی اور بدعت پھیلائی وہ مجھ سے دُور رہیں دُور رہیں) بدعت کو ایجاد کرنے کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ ہمارا کامل دین گویا ابھی ناقص ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں بھی کسی کمی بیشی کی گنجائش ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد گویا نبوت کی ضرورت باقی ہے اور یہ ختم نبوت کا انکار نہیں تو اور کیا ہے؟ بدعت کا اثر نہ صرف مسلمانوں کے اعمال پر ہوتا ہے بلکہ ان کے عقائد پر بھی پڑتا ہے۔ اس لیے بدعت میں غلو کرنے سے یعنی اس کی زیادتی سے سوءِ خاتمہ کا بھی اندیشہ ہے۔"

ہم نے پیشِ نظر رسالہ میں بدعت اور اہلِ بدعت کا احادیث پاک، صحابہ کرامؓ، تابعین عظامؒ اور اکابرینِ امت کے ارشادات کی روشنی میں ایک مثبت جائزہ لیا ہے جس سے واضح

ہو جاتا ہے کہ اسلام کی نظر میں بدعت کتنی خبیث اور صاحب بدعت کتنا خبیث العمل ہے۔ نیز چند اشکالات کا بھی جواب دیا ہے جو اس باب میں اہلِ بدعت پیش کرتے ہیں اس سے جوازِ بدعات کے دلائل کی حقیقت بھی واضح ہو جائے گی۔

پہلے یہ مضمون برطانیہ کے علمی جریدہ ماہنامہ "الہلال" مانچسٹر ۱۹۸۸ء اور ۱۹۸۹ء کے شماروں میں بالاقساط شائع ہوا۔ قارئین الہلال بالخصوص حضرات علماء کرام نے اسے بہت پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا اور اسے بہت فائدہ مند قرار دیا اور صاحبِ مضمون کو دعاؤں سے نوازتے ہوئے فرمایا کہ اس کتاب کو کتابی شکل وصورت میں شائع کیا جائے تو اس کا نفع عام ہوگا۔

راقم الحروف استاذ محترم مفکر اسلام حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب مدظلہ العالی کا صمیم قلب مشکور ہے کہ آپ نے اس مضمون پر نظر ثانی فرمائی۔ اضافے بھی تجویز فرمائے اور کہیں کہیں اس کی ترتیب بھی بدل دی۔ پہلی اشاعت ایک پرچے کے حسب حال تھی۔ اسے کتابی شکل میں لانے کے لیے یہ تبدیلی ترتیب بہت مناسب ہے۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔

اب یہ مضمون نہیں ایک کتاب ہے۔ ایک فصل نہیں ایک باب ہے۔ صرف اتمام حجت نہیں۔ اہلِ بدعت کے لیے یوم الحساب ہے اور ان کا ہر چھوٹا بڑا اس کے جواب باصواب سے بلا ارتیاب لاجواب ہے۔ فالحمد للہ علی ذلک۔

دعا ہے کہ اللہ رب العزت اہل السنۃ والجماعت کے قلعہ میں بدعت کی نقب لگانے والوں کی ہر کوشش ناکام کردے۔ ہر مسلمان کو شرک وبدعت سے محفوظ رکھے اور اہلِ بدعت کو بھی صحیح توبہ کی توفیق ارزانی فرمائے۔ آمین۔

(حافظ) محمد اقبال رنگونی عفا اللہ عنہ

جمادی الاولیٰ ۱۴۱۰ھ

بدعت اور اہلِ بدعت اسلام کی نظر میں

الحمد للہ و سلام علیٰ عبادہ الّذین اصطفیٰ. اما بعد.

فعن ام المؤمنین عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو رد۔[1]

ترجمہ۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی نے ہمارے اس دین میں کوئی نئی بات نکالی تو وہ مردود ہوگی

سو یاد رکھیئے اسلام ایک کامل اور مکمل دین ہے اس میں کسی اضافے کی کوئی گنجائش نہیں. اگر کسی نے کوئی بات اس میں داخل کی تو اس کا وہ عمل مردود ہوگا اور دین کامل محمود ہوگا.

حدیث شریف کا مطلب

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی نقل فرماتی ہیں کہ آپؐ نے فرمایا۔

"جس نے ہمارے اس معاملہ میں کوئی نئی بات نکالی تو وہ مردود ہوگی"

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول و عمل قرآن کریم کے مطابق ہے اور آپ سے زیادہ قرآن کریم کو نہ کسی نے سمجھا ہے نہ سمجھ سکتا ہے. اب جو بھی کوئی نئی بات دینِ حنیف میں رائج کرے اور اس کی نسبت قرآن کریم یا احادیث کریمہ کی طرف کرے تو دراصل اس نے قرآن کریم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر افتراء کیا. اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

---

[1] بخاری جلد ۱ ص ۳۷۱ صحیح مسلم جلد ۲ ص ۷۷

اس کا یہ قول و عمل لائقِ رد ہے یعنی وہ باطل و مردود ہے۔ امام الہجرہ حضرت امام مالکؒ (۱۷۹ھ) فرماتے ہیں کہ:-

من ابتدع فی الاسلام بدعة یراها حسنة فقد زعم ان محمدًا صلی اللہ علیہ وسلم خان الرسالة لان اللہ تعالیٰ یقول الیوم اکملت لکم دینکم (الآیة) فمالم یکن یومئذ دینا فلا یکون الیوم دینا۔[1]

ترجمہ: جو شخص کوئی بدعت اختیار کرتا ہے اور اس کو اچھا سمجھتا ہے تو وہ گویا اپنے عمل سے دعویٰ کرتا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے (معاذ اللہ) رسالت میں خیانت کی اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے آج تم پر اپنا دین مکمل کر لیا (پھر فرماتے ہیں کہ) جو کام اس زمانے میں دین نہیں تھا وہ آج بھی دین نہیں بن سکتا۔

قاضی عیاضؒ (۵۴۴ھ) فرماتے ہیں کہ:-

جس شخص نے دینِ اسلام میں کوئی ایسی چیز ایجاد کی جس کی اصل کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کسی ظاہری و خفی درجہ میں بھی موجود نہیں ہے تو یہ شخص مردود ہے اس لیے کہ اسلام کامل ہو گیا ہے اور اس کے اندر ایک ذرہ برابر کمی بیشی کی گنجائش باقی نہیں رہی ہے تو گویا کہ وہ شخص شریعت کے اندر غیر پسندیدہ چیز کا اضافہ کرنا چاہتا ہے اور دین آیات اللہ اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آثارِ صحابہؓ کی اتباع کا نام ہے۔ اس لیے یہ شخص دائرۂ اسلام سے مردود ہے۔

حضرت علامہ نوویؒ (۶۷۶ھ) فرماتے ہیں کہ:-

وهذا الحديث قاعدة عظيمة من قواعد الاسلام وهو من جوامع كلمه

---

[1] کتاب الاعتصام للشاطبی جلد ا ص ۴۷ [2] ریاض الصالحین مترجم جلد ا ص ۱۴۹

صلی اللہ علیہ وسلم فی رد کل البدع والمخترعات۔[1]

ترجمہ: یہ حدیث شریف اسلام کے اصولوں میں سے ایک عظیم اصل ہے اور یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جامع کلمات مبارک میں سے ہے اس حدیث پاک میں تمام بدعات کی صریح طور پہ تردید ہے۔

الحاصل یہ حدیث شریف بدعات کی مذمت اور اُن کی برائی نہایت صراحت سے بیان فرما رہی ہے۔ سو بدعات سے ہمیشہ احتراز کرنا چاہیئے۔

فی اَمرِنَا ھٰذَا کا مطلب

اس وقت دُنیا میں لاتعداد نئی ایجادات آچکی ہیں۔ کئی دنیوی کام جو اس وقت نہ تھے آج ہو گئے تو ہر ایک پہ بدعت کا فتوے لگانا ٹھیک نہیں ہے۔ بدعت سے مراد دین کے نام پر کوئی ایسا کام ایجاد کرنا جس کا ثبوت دین کی تعلیمات مبارکہ میں نہ ملے نہ حدیث پاک سے اس کا ثبوت ملے۔ نہ آثار صحابہؓ میں ضرورت و داعی کے باوجود اس کا کوئی نام و نشان ملتا ہو اور اسے دین بنایا جائے اور نیکی و ثواب سمجھ کر کیا جائے تو یہ وہی بدعت ہے اور اس کا دین قیم سے کوئی تعلق نہ ہو گا۔ حدیث پاک من احدث فی امرنا ھٰذا مالیس منہ فھو رد میں فی امرنا ھٰذا کا مطلب فی دیننا ہی ہے۔ علماء اسلام نے دین کی قید لگا کر اس کی طرف تنبیہ کر دی ہے۔

اب اگلی صدی میں چلیئے۔ علامہ حافظ ابن رجب حنبلیؒ (م ۷۹۵ھ) اس حدیث پاک کی شرح میں فرماتے ہیں:۔

کل من احدث فی الدین مالم یاذن بہ اللہ ورسولہ فلیس من الدین من شیء۔[2]

ترجمہ: جس نے دین میں کوئی ایسی چیز ایجاد کی جس کا حکم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول

---

[1] نووی شرح مسلم جلد ۲ صـ۷۷ [2] جامع العلم والحکم صـ۵۲

صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں دیا تو اس کا دین سے کوئی تعلق نہیں۔

اسی طرح موصوف لکھتے ہیں کہ بعض الفاظ میں فی امرنا کی جگہ نہایت صراحت کے ساتھ فی دیننا آیا ہے:۔

وفی بعض الفاظه من احدث فی دیننا مالیس منه فهو ردّ۔[1]

اس سے واضح ہو گیا ہے کہ دینِ حنیف میں ایسی کوئی نئی بات نکالنی جس کی اصل کتاب وسنت سے ثابت نہ ہو قابلِ رد ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک یہ نہایت ہی بُری ہے۔

اس سے اگلی صدی کی شہادت بھی یہی ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) فی امرنا هذا کی شرح میں لکھتے ہیں:۔

والمراد امر الدین۔[2]

فی امرنا هذا سے مراد دین کا امر ہے۔ یعنی جس نے دین میں کوئی نئی چیز نکالی تو وہ مردود ہوگی۔

علامہ عزّ الدین (ھ) بھی فرماتے ہیں:۔

من احدث فی امرنا هذا ای فی دین الاسلام۔[3]

سیدنا ملّا علی القاری الحنفی (۱۰۱۴ھ) ایک حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:۔

قد احدث ای ابتدع فی الدّین مالیس منه۔[4]

ان چند اقتباسات سے واضح ہو گیا کہ ہر نیا کام بدعت نہیں کہ اس کو بنیاد بنا کر نئے دین کی ترویج کی جائے۔ بلکہ بدعت (جس کی مذمت کی جارہی ہے) وہی ہے جو اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر دینِ حنیف میں نئے سرے سے قائم کی جائے اور اس کی اصل قرآن و سنت میں نہ ملے وہ مردود ہوگی اور اسی کا نام بدعت ہے جو گمراہی کی طرف لے جاتی ہے۔

---

[1] جامع العلوم ص۵۰ [2] فتح الباری جلد ۵ ص۲۲۱ [3] سراج المنیر جلد ۳ ص۳۲۰ [4] مرقات شرح مشکوٰۃ جلد ۱ ص۲۳

اسلام کی دو وزنی چیزیں

یاد رکھیے اسلام کی دو وزنی چیزیں ہیں جن کو مضبوطی سے تھامنے والا کبھی گمراہی میں نہیں پڑے گا۔ حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

یاایھاالناس انی قد ترکت فیکم ما ان اعتصمتم بہ فلن تضلوا ابدا کتاب اللہ وسنۃ نبیہ۔[1]

ترجمہ۔ اے لوگو! میں تم میں دو چیزوں کو چھوڑتا ہوں تم جب تک ان دونوں کو مضبوطی سے تھامے رکھو گے کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ ایک کتاب اللہ اور دوسری میری سنّت ہے۔

کتاب اللہ کی تفسیر و تشریح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات و اعمال ہیں اور سنّت اسی کا نام ہے اور اسی طریقہ کو رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ نے دیکھا، سُنا اور عمل کیا۔ اور اب ان کا عمل اس لائق بن گیا کہ اس پر عمل کرنے والا بھی راہ ہدایت پانے والا ہے۔ اور جنہوں نے ان دونوں وزنی چیزوں اور راہِ صحابہؓ سے اعراض کیا وہ خدا کی نظروں میں مبغوض ہیں۔ قرآن کریم نے بہت سے مقامات پر کتاب و سنّت اور راہِ صحابہؓ کو اپنانے کی تلقین کی ہے اور بتلایا کہ جو شخص اس راہ سے ہٹ گیا اس کا ٹھکانا جہنم ہو گا۔ قرآن کریم نے اعلان کیا:۔

ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہ الھدیٰ ویتبع غیر سبیل المؤمنین نولّہ ما تولّٰی ونصلہ جھنم وساءت مصیرا ۝

(پ ۵ : النساء، ع ۱۷ آیت ۱۱۵)

ترجمہ۔ اور جو کوئی مخالفت کرے رسول کی جب کہ کھل چکی اس پر سیدھی راہ اور چلے مومنوں کے راستہ کے خلاف تو ہم حوالہ کر دیں گے اس کو اسی طرف جو

---

[1] مستدرک حاکم جلد ۱ صفحہ ۹۳ موطا امام مالک صفحہ ۳۶۳

اس نے اختیار کی اور ڈالیں گے ہم اُس کو دوزخ میں اور وہ بہت بُری جگہ جا پہنچا۔

ظاہر ہے کہ اُس وقت کے مومنین صحابہ کرامؓ ہی تھے اور یہی حضرات نزُول قرآن کے اوّلین مخاطب ہیں اور اُنہی کی راہ سبیل المومنین ہے اور یہی اسلام کی جرنیلی سڑک ہے۔

اتّباعِ سنّت سے بدعات کا خاتمہ

قرآن کریم و احادیث کریمہ و آثارِ سلف کے ارشادات کا مطالعہ کیجیے تو یہ حقیقت واشگاف ہو جائے گی کہ جہاں سنّت پر عمل ہو گا بدعات کا خاتمہ ہو جائے گا جہاں روشنی آئے گی ظلمت جاتی رہے گی۔ جہاں حق آئے گا وہاں باطل کو فرار کے سوا کوئی چارہ نہ ہو گا۔ حق کی خاصیت ہی یہ ہے کہ وہ باطل کو بھگا دیتا ہے۔ قرآن کریم میں ہے:-

قل جآء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا۔ (پ۱۵ بنی اسرائیل)

ترجمہ۔ کہہ حق آیا اور باطل بھاگا، بے شک باطل بھاگنے والا ہے۔

قرآن کریم میں گو یہ ایک خبر دی گئی ہے مگر اس سے حق کا مزاج سمجھ میں آجاتا ہے کہ حق بالآخر غالب آکر رہتا ہے۔ اس آیت کی پُوری تشریح کے لیے حضرت علامہ خالد محمود صاحب کی کتاب تقدیس حرمین ص سے ملاحظہ فرمائیں۔ اس آیت میں مکہ مکرمہ میں بامید دوامِ حق کے غلبہ کی خبر دی گئی ہے۔

بدعات کی پیش گوئی

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ حق و باطل کی معرکہ آرائی ہوتی رہے گی۔ حق اپنی پُوری شان کے ساتھ آئے گا اور باطل بھی اپنے آپ کو خوبرو اور خوشنما صورت میں پیش کرے گا مگر آپ دیکھیں گے کہ تھوڑی ہی دیر میں باطل کے چہرے سے سیاہ نقاب اُتر جائے گی اور اُس کا بھدّا اور

بدصورت چہرہ نمایاں ہو جائے گا. قرآن کریم نے اس سلسلے میں کئی واقعات کے ذریعہ سمجھایا اور بتلایا کہ باطل نے ہر دور میں اپنے آپ کو خوشنما صورت میں پیش کیا مگر حق نے اس کا راز فاش کر دیا. باطل اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ آیا مگر حق نے اسے شکستِ فاش دی. باطل نے کبھی تلواروں کے بل بوتے پر، کبھی مال و دولت کے اعتماد پر، کبھی حسن و عشق کے رنگ روپ میں کبھی تکالیف و اذیتوں کے ذریعہ. حق اور اہلِ حق کو دبانے کی کوشش کی. مگر تاریخ نے دیکھا کہ ہمیشہ حق کا بول بالا ہوا اور باطل کا منہ کالا ہوا. حق اور اہلِ حق کو غلبہ نصیب ہوا. باطل اور اہلِ باطل مغلوب ہو کر رہے. حق و باطل کی یہ معرکہ آرائی ابتداء سے ہوتی چلی آئی ہے.

ستیزہ کار رہا ہے اَزل سے تا امروز
چراغِ مصطفویؐ سے شرارِ بولہبی

اسی طرح یہ خبریں بھی وارد ہیں کہ سنّت کے مقابلہ میں بدعات بھی جنم لیں گی. لیکن سنّت اور سنّت کی پیروی کرنے والے بدعات کی نشاندہی کریں گے اور بدعات کی حقیقت و آفت واضح کریں گے. بدعات کی مذمّت کریں گے اور واضح کریں گے کہ یہ قول و عمل سنّت کے خلاف ہے اس لیے اُن سے بچو. حضرت ابوہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک بیان فرماتے ہیں کہ:۔

یکون فی اٰخر الزمان دجالون کذابون یاتونکم بالاحادیث بما لم تسمعوا انتم ولا اٰباءکم فایاکم و ایاھم لا یضلونکم ولا یفتنونکم[1]

ترجمہ. آخری زمانہ میں ایسے دجال کذاب ہوں گے جو تمہارے سامنے ایسی احادیث پیش کریں گے جن کو نہ تم نے سُنا ہو گا نہ تمہارے آباء و اجداد نے. پس تم اُن سے بچو اور ان کو اپنے قریب نہ آنے دو. تاکہ وہ تمہیں گمراہ نہ کر سکیں اور فتنے میں نہ ڈال سکیں.

---

[1] مسلم شریف جلد ۱ صفحہ ۱

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا:۔

یاتونکم ببدع من الحدیث الحدیث

ترجمہ: تمہارے پاس وہ گھڑ گھڑ کر احادیث لائیں گے یا بدعات کا وجود احادیث سے ثابت کریں گے۔

سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ملاحظہ کیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشگوئی سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اس بات کا خدشہ تھا کہ زمانہ گزرنے پر نئی بدعات کا ظہور ہوگا جس پر وہ دین اور عشق ہونے کا لیبل چسپاں کریں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ بدعات ہی ہوں گی، اس لیے کہ اس پر نہ پہلے بزرگوں نے عمل کیا ہوگا اور نہ انہوں نے اس کی تاکید کی ہوگی۔ جو لوگ اس طرح کی بدعات سامنے لائیں گے وہ کذاب (جھوٹے) اور دجال (یعنی حق و باطل کو غلط ملط کر کے باطل کو حق بتلانے والے) ہوں گے۔ تم اُن کی ہرگز نہ ماننا ورنہ تم خسارہ میں پڑ جاؤ گے۔

ملاحظہ فرمائیے۔ آج کتنی چیزیں اور کتنے اقوال و اعمال ہیں جنہیں اصل دین بنا کر لوگوں میں اس پر عمل کرانے پر زور دیا جاتا ہے اور نہ کرنے والوں کو نہایت بُرے الفاظ اور فتووں سے نوازا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ لوگ جن چیزوں کو کہتے ہیں اُن کا ثبوت نہ قرآن کریم سے ہے نہ تو احادیث کریمہ سے۔ نہ ہی صحابہ کرامؓ و ائمہ علماءؒ نے اس کی تاکید فرمائی ہے۔ پھر ایسے اعمال کو دین کو جزء و حصہ قرار دینا کہاں کا انصاف ہے؟ اس لیے جو لوگ ایسے اعمال پر اصرار کرتے ہیں وہ دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ مبارکہ کی خلاف ورزی کرتے ہیں جس سے بچنے کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید فرمائی ہے۔

سنت تعامل امت کی صورت میں

قرآن و حدیث میں مختلف حقیقتوں کی نشاندہی متقابل الفاظ سے کی گئی ہے اور متقابل

الفاظ کی جگہ آئے ہیں جیسے دن، رات۔ اچھا، بُرا۔ روشنی، اندھیرا۔ حق و باطل۔ توحید و شرک اس طرح شریعت میں سنت کے مقابل بدعت کا لفظ آیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو طریقے متوارث ہوئے وہ سنت کہلائے۔ سنت ہمیشہ تعاملِ امت کی صورت میں جلوہ گر رہی ہے۔ یہی صحابہ کرامؓ کی راہ تھی اور یہی قرونِ مشہود لہا بالخیر کے عملی نقشے تھے ـــــ اور راہِ بدعات وہ راہ ہے جو اکابرین نے نہ دیکھی ہو ـــــ اس کی ایک مثال پیشِ خدمت ہے۔

مسواک کرنا

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ صحابہ کرامؓ۔ ائمہ عظامؒ نے اس سنتِ مبارکہ پر عمل کیا، تابعینؒ و تبع تابعینؒ، صلحاءؒ۔ اولیاءؒ۔ اتقیاءؒ۔ فقہاءؒ، علماءؒ۔ زہادؒ، عبادؒ سب نے اس کو اپنایا اور آج تک اس پر عمل ہوتا چلا آیا ہے۔ یہ کیوں؟ یہ اس لیے کہ یہ سنت ہے۔ یہ صرف اس لیے نہیں کہ منہ کی صفائی ہے بلکہ اس میں ذاتِ رسالت مآبؐ سے انتساب ہے یہ اس منہ مبارک کی یاد ہے جو فرشتوں سے ہمکلام ہوتا تھا اور صحابہ کرامؓ کے سامنے کھلتا تھا۔

اب دیکھیئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے نام پر جلوس نکالنا یہ عمل نہ تو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ نہ حضرات خلفاء راشدینؓ نے اپنے دورِ خلافت میں جلوس نکالا نہ حکم فرمایا۔ نہ صحابہ کرامؓ نے۔ باوجودیکہ وہ سب سے زیادہ آپؐ کے محب اور عاشق صادق تھے۔ ایسا نہ بزرگانِ دین نے مسرت و شادمانی کا اظہار کیا۔ نہ ائمہ مجتہدینؒ کی زندگیوں میں اس کی کوئی مثال ملی۔ ایسا کیوں؟ یہ اس لیے کہ اس پر عمل کی شریعت میں کوئی اصل نہیں اور نہ ہی یہ دین کا جزء ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو ضرور تاکید ہوتی۔ اور یہ تعاملِ امت کی صورت میں ہمیشہ جلوہ گر رہتا۔ مگر ایسا نہیں ہے۔ اس کی اور بھی کئی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ سمجھانے کی غرض سے ایک مثال پیش کی گئی ہے۔ اس پر آپ سنت و بدعات کی تقسیم سمجھ لیں۔

لفظ بدعت کے لغوی معنی

لفظ بدعت بدع سے نکلا ہے۔ بدع کے معنی نئی ایجاد کے ہیں اور بدعت کے معنی ہر نئی چیز کے ہیں خواہ اس کا تعلق عبادات سے ہو خواہ معاملات سے ـــــ لغت کے مشہور امام علامہ ابو الفتح ناصر بن سید المطرزی الحنفی (۶۱۲ھ) بدعت کی تعریف میں لکھتے ہیں:۔

بدعت ابتداع کا اسم ہے جس کا معنی یہ ہے کہ کوئی نئی چیز ایجاد کی جائے جیسے رفعت ارتفاع کا اسم ہے اور خلفت اختلاف کا اسم ہے۔

یہ اس کے لغوی معنی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو نئے سرے سے پیدا فرمایا یہ پہلے نہ تھے۔ بدیع السموات والارض (پ الانعام) میں یہی لغوی معنی مراد ہے۔ امام ابو زکریا یحییٰ بن شرف النووی (۶۷۶ھ) بدعت کی تعریف میں لکھتے ہیں:۔

قال اهل اللغة هي كل شيء عمل على غير مثال سابق۔[1]

ترجمہ۔ اہل لغت کہتے ہیں کہ (بدعت) ہر وہ چیز ہے جو کسی سابق نمونے کے بغیر عمل میں لائی گئی ہے۔

پھر اہل اسلام کے عام محاورے میں بدعت کا لفظ ایسی چیز پر غالب آگیا جس سے دین میں زیادتی یا کمی کی جائے۔[2]

لغت کی دوسری کتاب قاموس میں ہے:۔

بدعت ایسی نئی چیز کو کہتے ہیں جو دین کے پورا ہو جانے کی بعد ایجاد کی گئی ہو اور وہ نبی کی خواہش اور اعمال کے مطابق نہ کی جائے۔[3]

یہ اس لیے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود فرما گئے کہ میرے دین میں کسی قسم کی زیادتی نہ کرنا۔

---

[1] نووی شرح مسلم جلد ۱ ص ۲۸۵ [2] مغرب جلد ۱ ص ۳۰ [3] قاموس جلد ۲ ص ۴

بدعت اصطلاحِ شریعت میں

اصطلاحِ شریعت میں بدعت کے معنی ثواب کی نیت سے کیا جانے والا وہ کام ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرامؓ نے نہ کیا ہو نہ قولاً نہ عملاً حتیٰ کہ اشارۃً بھی اس کا ثبوت نہ ہو۔ جیسا کہ علامہ شاطبیؒ (۷۹۰ھ) نے الاعتصام میں بیان فرمایا ہے۔

شارحِ بخاری علامہ عینیؒ (۸۵۵ھ) لکھتے ہیں:۔

والبدعة فی الاصل احداث امر لم یکن فی زمن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم[1]

ترجمہ۔ بدعت اصل میں اس چیز کو کہتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ تھی۔

ملحوظ رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے مراد صحابہ کرامؓ کا زمانہ ہے قرون مشہودٌ لہا بالخیر کے یہ اکابر اہل اسلام مراد ہیں۔

بریلوی مسلک کے مشہور عالم مولانا محمد صالح صاحب لکھتے ہیں:۔

اصطلاحِ شریعت میں بدعت اس چیز کو کہتے ہیں جو اُمورِ دینیہ سے سمجھی جائے مگر کسی دلیلِ شرعی سے اس کا ثبوت نہ ملتا ہو نہ کتاب سے نہ احادیث سے نہ اجماعِ مجتہدین سے نہ قیاسِ شرعی سے۔[2]

ان حوالہ جات کی روشنی میں یہ بات واضح ہو گئی کہ ہر ایسا نیا عمل جس کا خیر القرون میں کوئی وجود نہ ہو اور اُسے دین کا جزء بنا لیا جائے اور اس پر نیکی و ثواب کا فتویٰ لگا دیا جائے تو شرعی اصطلاح میں اس کا نام بدعت ہو گا۔

ایسے اعمال کی نہ شریعت میں کوئی دلیل ہوتی ہے اور نہ کتاب و سنت میں ان کی کوئی نظیر۔

---

[1] عمدۃ القاری جلد ۵ صفحہ ۳۵۶ مرقات جلد ۱ صفحہ ۲۱۶ [2] تحفۃ الاحباب صفحہ ۹۵ از المنہاج الواضح صفحہ ۹

چند شبہات کا اصولی جواب

اہلِ بدعت جب بدعات کی حمایت میں کھڑے ہوتے ہیں تو مغالطہ دینے کی خاطر شکوک وشبہات سے اپنے عمل بدعت کو ثابت کرنا چاہتے ہیں مثلاً ان کا کہنا ہے کہ لائٹ، پنکھا، موٹر، کوٹ، شلوار، ریل گاڑی، ہوائی جہاز، قواعدِ عربیہ کا پڑھانا، دینی مقاصد کے لیے مدارس ومکاتب کا انتظام، دینی رسائل کا اجراء کیا یہ سب نئے امور نہیں؟ کیا گھڑی باندھنا بدعت ہے؟ اہل بدعت ان انتظامی امور کو شرعی امور پر قیاس کرتے ہیں یا فاتحہ کو مسائل کے حکم میں شمار کرتے ہیں۔ ہم یہاں ان کے اس قسم کے شبہات کا اصولی جواب دیتے ہیں۔ تداعیح وغیرہ جیسے جزئی مسائل کا جواب ہم آگے دیں گے۔

جواب

① یاد رکھیے کہ بدعت کی جو تعریف مذکور ہوئی اس میں اس کا پتہ چل گیا کہ جو قول وعمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے کیا جائے اور اُسے آپ کی تعلیم سمجھ کر عمل میں لایا جائے مگر درحقیقت نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور نہ ہی صحابہ کرامؓ سے منقول ہو ایسے سب اعمال بدعات شمار ہوں گے۔

لائٹ، موٹر، پنکھا اور عینک وغیرہ وغیرہ کا تعلق ضروریاتِ زندگی سے ہے عہدِ صحابہؓ سے نہیں۔ ضروریاتِ زندگی دُنیوی اُمور ہیں۔ اُن میں سے کسی کا بدعت سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ سارے کام سنت سمجھ کر عمل میں نہیں لائے جاتے اور نہ ہی اس کے منکر کو گستاخ اور مردود کا فتوے نصیب ہوتا ہے۔ اس لیے ان کے استعمال کو بدعت نہیں کہا جاتا اور نہ یہ اُمور مذموم اور حرام ہوں گے۔ جناب احمد رضا خاں صاحب کے ممدوح مولانا عبدالسمیع رامپوری انوارِ ساطعہ میں شرح جواہر توحید سے نقل کرتے ہیں :۔

> وہ لوگ جاہل ہیں جو ہر اس چیز کو جو حضراتِ صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں نہ تھی بدعت مذمومہ قرار دیتے ہیں اگرچہ اس کی قبح پہ کوئی دلیل قائم نہ ہو سکی ہو اور وہ جاہل یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا :۔ ایاکم و

و محدثات الامور»، وہ جاہل یہ نہیں جانتے کہ محدثات الامور کا مطلب یہ ہے کہ دین میں ایسی چیز ایجاد کی جائے جو اس میں نہ ہو[1]

خود مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:۔

رہا اس کا بدعت ہونا یہ کچھ باعثِ ضرر نہیں کہ یہ بدعت کھانے پینے میں ہے نہ امورِ دین میں۔ تو اُس کی حرمت ثابت کرنا ایک دشوار کام ہے[2]

مولانا احمد رضا خاں نے بات تو صحیح کہی تھی لیکن اُن کے پیروؤں نے اس کا بہت غلط مطلب لے لیا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ کھانے پینے کے لیے بدعات اختیار کرنے کی اعلیحضرت نے اجازت دی ہے اعلیحضرت نے اپنی وفات سے دو گھنٹہ سترہ منٹ پہلے خود بھی لذیذ کھانوں کی ایک نئی فہرست مرتب فرمائی تھی۔

یہ صحیح ہے کہ اعلیحضرت نے اس نازک وقت میں جلدی جلدی یہ فہرست مرتب فرمائی لیکن اس سے آپ کا مقصد کوئی مسئلہ بنانا نہیں تھا صرف ان چیزوں کا منگوانا تھا۔ آپ نے یہ نہیں کہا تھا کہ یہ کوئی مسئلہ ہے یا یہ کوئی دین کی بات ہے صرف یہ کہا تھا کہ یہ چیزیں مجھے بھیج دیا کریں۔

(۲) جہاں تک دینی مدارس و مکاتب کے انتظام و انصرام کا تعلق ہے اس کا ثبوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے ارشادات سے ملتا ہے اور تعلیم دین کے لیے تاکید وارد ہے اسی طرح رسائل و جرائد کے ذریعہ دین کی تعلیم و تبلیغ بھی حضورؐ کے خطوط اور صحابہ کرامؓ کی تحریرات سے ثابت ہے اور یہ سب انتظامی اُمور ہیں سو یہ تعلیم و تبلیغ؛ یہ تو محمود اور منشاء اسلام ہے اس کو نہ تو کسی نے بدعت قرار دیا اور نہ کبھی ان پہ بدعت کا فتوےٰ لگا کر اسے روکا گیا ہے اسے ہمیشہ ذرائع میں سے سمجھا گیا ہے مسائل میں سے نہیں۔

(۳) اسی طرح صرف و نحو کی تعلیم ہے اور قرآن و حدیث کو سمجھنے کے لیے علوم و قواعد عربیہ کی تعلیم کا دینا اس کی اصل بھی موجود ہے۔ سیدنا علی المرتضیٰؓ نے اس کی تعلیم و ترغیب دے کر حضرت

---

[1] ماخوذ از المنہاج الواضح ص۸۶ [2] احکام شریعت حصہ سوم ص۱۲۸

ابوالاسود دئلی کو اس کے سیکھنے کا امر فرمایا تھا۔[1]

ظاہر بات ہے کہ حضرات صحابہ کرامؓ تو عربی تھے، عربی زبان سے واقف تھے۔ نہ تو وہاں ابتدائی کلاسوں کی ضرورت تھی نہ صحابہ کرامؓ کو قواعدِ عربی سکھائے جاتے تھے۔ صحابہ کرامؓ تو مخزنِ علم اور سرچشمۂ ہدایت صلی اللہ علیہ وسلم سے درس لیا کرتے تھے اور ان کے سینے اللہ نے اتنے کشادہ کر دیئے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کا صحیح مفہوم و مطلب اُن کے ذہن نشین ہو جایا کرتا تھا۔

اُن کے ادوارِ مبارکہ کے بعد اس امر کی ضرورت پیش آئی کہ قواعدِ عربی کی تعلیم دی جائے تاکہ قرآن کریم بازیچہ الصغال نہ بن جائے اور اس پہ زبر، زیر، پیش بھی اس دور میں لگائے گئے تاکہ غیر عربی حضرات بھی قرآن کریم کی صحیح تلاوت کر سکیں۔ صرف و نحو بھی پڑھائی جائے تاکہ قرآن و حدیث کو سمجھنا آسان ہو۔ اس لحاظ سے نہ تو کسی نے ان امور کو بدعت کہا ہے اور نہ ہی ایسا کرنے والے کو بدعتی کہا ہے، یہ سب دین تک پہنچنے کے ذرائع تھے۔ انہیں کسی درجے میں مقصود بالذات نہیں ٹھہرایا گیا۔ اہل بدعت کا انہیں میں دین بنانا کسی طرح درست نہیں۔

(۴) جہاں تک خلفائے راشدینؓ کے دورِ مبارک کا تعلق ہے، ان حضرات گرامی کے اقوال و افعال تو از روئے حدیث سنت ہی ہیں۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت واضح لفظوں میں اس کی طرف ارشاد فرمایا :۔

علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المہدیین۔[2]

ترجمہ: تم پر میری اور خلفائے راشدین مہدیین کی سنت کو پکڑنا لازم ہے۔

علامہ حافظ ابن رجب حنبلیؒ (۷۹۵ھ) لکھتے ہیں :۔

والسنۃ ھی الطریق المسلوک فیشمل ذلک التمسک بما کان علیہ ھو وخلفاءہ الراشدون من الاعتقادات والاعمال والاقوال وھذہ

---

[1] دیکھئے البدایہ جلد ۸ صفحہ ۳۱۲ و اقتراح للسیوطی صفحہ ۸۲ منقول از المنہاج الواضح صفحہ ۳۸ [2] مشکوٰۃ ترمذی جلد ۲ صفحہ ۹۲

ھی السنۃ الکاملۃ۔[1]

ترجمہ: سنّت اس راہ کا نام ہے جس پر چلا جائے اور یہ اس راہ کا مسلک ہے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفائے راشدینؓ عامل رہے قطع نظر اس سے کہ وہ اعتقادات ہوں یا اقوال و اعمال۔ اور یہی سنّتِ کاملہ ہے۔

حضرت علامہ توربشتیؒ (م ھ) لکھتے ہیں:۔

واما ذکر سنتھم فی مقابلۃ سنتہ لانہ علم انہ لا یخطئون فیما یستخرجونہ ویستنبطونہ من سنتہ بالاجتہاد ولانہ عرف ان بعض سنتہ لا یشتہر الا فی زمانہم فاضاف الیہم لسان من ذھب الی رد تلک السنۃ مخطئ فاطلق القول باتباع سنتہم سد اللباب۔[2]

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے طریقہ کو بھی سنّت سے تعبیر فرمایا یہ اس لیے کہ آپ جانتے تھے کہ میرے خلفاء جو استخراج و استنباط کریں گے اس میں خطا نہیں کریں گے یا پھر اس لیے اُن کے طریقے کو سنت فرمایا کہ آپ کی بعض سنّتیں خلفاء راشدینؓ کے دور میں مشتہر ہونے والی ہیں اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی سے ان تمام اعتراضات کو رد کر دیا اور ان کے پورا سدِ باب فرما دیا۔

سیدنا ملا علی القاری الحنفیؒ (م ۱۰۱۴ھ) بھی لکھتے ہیں:۔

فانھم لم یعملوا الا بسنتی فالاضافۃ الیھم اما بعملھم بھا او لاستنباطھم واختیارھم ایاھا۔[3]

ترجمہ: یہ اس لیے کہ حضرات خلفائے راشدینؓ نے درحقیقت آپ کی سنّت پر عمل کیا ہے اور ان کی طرف سنت کی نسبت یا تو اس لیے ہوئی کہ انہوں نے اس پر عمل

---

[1] جامع العلوم والحکم ص۲۳۰ [2] الفتوحات الوہبیہ ص۱۹۸ [3] مرقات جلد ۱ ص۲۳۰

کیا یا اس لیے کہ انہوں نے خود قیاس و استنباط سے کام لے کر اس کو اختیار کیا؟"
اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قیاس و استنباط سے جو بات دریافت ہو وہ اصل کی طرف منسوب ہوتی ہے بدعت نہیں کہلاتی۔

حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ) بھی لکھتے ہیں۔

پس ہرچہ خلفاء راشدینؓ بداں حکم کردہ باشند اگرچہ باجتہاد و قیاس ایشاں بود موافق سنّت و اطلاق بدعت برآں نتواں کرد چنانکہ فرقہ ذالغہ کنند[۱]

ترجمہ۔ جس چیز کے بارے میں خلفائے راشدینؓ نے حکم دیا ہے اگرچہ وہ حکم ان کے قیاس و اجتہاد سے صادر ہوا ہو۔ وہ بھی سنّت کے موافق ہے اور اس پر بدعت کا اطلاق ہرگز صحیح نہیں جیسا کہ گمراہ فرقہ کرتا ہے۔

مشہور اہل حدیث بزرگ نواب صدیق حسن خانؒ (۱۳۰۷ھ) لکھتے ہیں۔

امّا ما سنّه الخلفاء الراشدون من بعد فالاخذ به ليس الا لامره صلى الله عليه وسلم بالاخذ به[۲]

ترجمہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو چیز خلفاء راشدینؓ میں مسنون ٹھہرائی ہے اس کو محض اس لیے اخذ کیا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے اخذ کرنے کا حکم دیا ہے۔

عجیب بات ہے کہ ان حضرات گرامی قدر کے افعال تو سنّت قرار پائیں اور اہل بدعت ان کے اقوال و اعمال کو بدعت کا نام دے کر ان سے اپنی خواہشات کی ترویج کریں اور ان سے بدعات کا جواز چاہیں۔

سیدنا حضرت علی المرتضیٰؓ کے نزدیک بھی ان حضرات گرامی کے افعال سنّت ہوا کرتے تھے آپؓ شراب نوشی کی سزا کے سلسلے میں فرماتے ہیں:۔

---

[۱] اشعۃ اللمعات جلد ۱ صفحہ ۱۳۰ [۲] الدین الخالص جلد ۱ صفحہ ۴۴۵

جلد النبی صلی اللہ علیہ وسلم اربعین و ابو بکرؓ اربعین و عمرؓ ثمانین و کل سنۃ۔[1]

ترجمہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ نے شرابی کو چالیس کوڑے کی سزا دی اور حضرت عمرؓ نے اسّی کوڑے کی اور دونوں عمل سنت ہیں۔

امام حاکمؒ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عثمانؓ کا بھی ذکر فرمایا ہے :۔

واتمہا عثمان ثمانین وکل سنۃ۔[2]

ترجمہ۔ پھر حضرت عثمانؓ نے بھی اسّی کوڑے پورے کئے اور یہ سب سنت ہیں۔

نہایت افسوس کی بات ہے کہ اہل بدعت صحابہ کرامؓ کو بھی بدعتی کہنے سے نہیں ڈرتے۔ فالی اللہ المشتکی۔ اور یہ محض اس لیے کہ اپنی بدعات کو فروغ دے سکیں۔

نوٹ

سیدنا حضرت علی المرتضیٰؓ کا ارشاد بتلا رہا ہے کہ آپ حضرات شیخینؓ کے آثار کو نہایت عظمت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور ان کے اس عمل کو سنت اور امر حق کہتے تھے۔ اس سے شیعہ فرقہ کے اس عقیدے کی تردید ہو جاتی ہے جو کہتے ہیں کہ یہ لوگ ایک دوسرے کے معاند و مخالف تھے۔ امام نوویؒ (۶۷۶ھ) اس ارشاد کی شرح میں لکھتے ہیں :۔

ھٰذا دلیل ان علیًا کان معظمًا لاٰثار عمرؓ وان حکمہ و قولہ سنۃ و امر حق وکذٰلک ابو بکرؓ خلاف ما یکذبہ الشیعۃ علیہ۔[3]

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں سیدنا مجدد الف ثانیؒ کا ایک ارشاد نقل کر دیا جائے جس سے ان تمام شبہات کا ازالہ ہو جائے گا۔ آپ میر محمد نعمان کے سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

---

[1] مسلم جلد ۲ ص۷۲ ابو داؤد جلد ۲ ص۲۶۰ ابن ماجہ ص۱۸۸ [2] معرفۃ علوم الحدیث ص۱۸۱ [3] نووی شرح مسلم جلد ۲ ص۷۲

آپ نے پوچھا یہ حضرات ذکر بالجہر سے کیوں منع کرتے ہیں کہ یہ بدعت ہے۔ باوجودیکہ یہ ذوق و شوق بخشتا ہے اور کیوں دوسری چیزوں سے جو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ تھیں ان سے منع نہیں کہتے مثلاً کوٹ۔ شال اور شلوار وغیرہ۔ حضرت مجدد صاحبؒ اس کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

اے میرے مخدوم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل دو طرح پر ہے ایک عبادت کے طور پر اور دوسرا عرف و عادت کے طور پر۔ آپ کا وہ کام جو عبادت کے طور پر ہے اس کے خلاف کام کو ہم بدترین بدعات میں سے شمار کرتے ہیں اور اس کے روکنے میں بہت مبالغہ کرتا ہوں کہ یہ دین میں بدعت پیدا کرنا ہے اور ایسا کام مردود ہے اور وہ عمل جو عرف و عادت کے طور پر ہے اس کے خلاف کو ہم بدعت نہیں سمجھتے نہ اس کے روکنے میں مبالغہ کرتا ہوں کیونکہ اس کا تعلق دین سے نہیں۔ اس کا ہونا یا نہ ہونا عرف و عادت پر مبنی ہے نہ کہ دین و مذہب پر ـــــ ظاہر ہے کہ بعض شہروں کا عرف بعض شہروں کے خلاف ہے اور ایسے ہی ایک شہر میں زمانوں کے تفاوت کے اعتبار سے عرف میں تفاوت ظاہر ہے۔ اس بات کے باوجود بھی اگر عادی سنّت کو مدنظر رکھیں تو بہت سے فائدوں اور سعادتوں کا موجب ہے۔[1]

حضرت مجدّد الف ثانیؒ کے اس قول پر غور کیجئے اور اہل بدعت کے اس طرح کے مغالطوں کا بھی اندازہ لگائیے۔

ہر بدعت گمراہی ہے

حضرت عرباض بن ساریہؓ کہتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نہایت

[1] مکتوبات دفتر اوّل حصہ دوم ص۸۵ اردو ترجمہ

ہی بلیغ وعظ فرمایا کہ جس سے لوگوں کی آنکھوں سے آنسو بہہ پڑے اور دل ڈر گئے۔ حاضرین نے عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آج کا وعظ تو ایسا ہے جیسے آخری وصیت ہوتی ہے۔ آپ ہمیں بتلائیں کہ ہم آئندہ کس طرح زندگی گذاریں۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند نصائح فرمائے۔ اس میں یہ بھی ارشاد فرمایا :۔

علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین تمسکوا بہا وعضوا علیہا بالنواجذ وایاکم ومحدثات الامور فان کل محدثۃ بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ۔[1]

ترجمہ: تم میری سنت اور میرے خلفاء راشدین مہدیینؓ کی سنت کو لازم پکڑنا، اور اس کو مضبوط تھامنا اور دین میں نئی نئی ایجادات سے بچنا کیونکہ دین میں ہر نئی ایجاد بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک سے یہ بات واضح ہو گئی کہ کسی امر میں جب اختلاف واقع ہو جائے تو سب سے پہلے یہ دیکھا جائے گا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کیا یا نہیں؟ اس کا حکم دیا یا نہیں؟ داعیہ کی موجودگی کے باوجود وہ کام سرانجام پایا یا نہیں؟ اگر خیر القرون سے اس کی اصل ثابت ہو جائے تو ارشاد مبارک ہے کہ اس کو مضبوطی سے تھام لینا اس کے مطابق عمل کرنا۔ اگر وہاں سے کوئی چیز نہ ملے اور لوگ اسی کو دین کا جزء بنا کر اس پر اصرار کرتے ہیں تو ارشاد مبارک یہ ہے کہ اس سے بچو۔ اس لیے کہ یہ نیا کام ہے اور دین میں ہر نیا کام بدعت کہلاتا ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ اور دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر گمراہی کا ٹھکانا جہنم ہے۔

کل محدثۃ بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ وکل ضلالۃ فی النار۔[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ اپنے خطبہ میں

---

[1] جامع ترمذی جلد ۲ ص۹۲ [2] نسائی شریف۔ مرقاۃ جلد ۱ ص۲۱۷

فرمایا کرتے تھے :۔

ویحدث لکم فکل محدثۃ ضلالۃ وکل ضلالۃ فی النار[1]

ترجمہ عبادت کی نئی نئی صورت دین میں پیدا کی جائے گی اور تمہارے سامنے آئے گی لیکن یاد رکھو ہر محدث گمراہی ہے اور ہر گمراہی کا ٹھکانا جہنم ہے۔

اس لیے ہمیشہ بدعات سے اجتناب کرنا چاہیئے۔ تاکہ ہمارا کوئی عمل ناپسندیدہ نہ بن جائے۔

کیا کوئی بدعت حسنہ بھی ہوتی ہے ؟

بعض اہل بدعت اپنی بدعات کو ترجیح دینے کے لیے بدعت کی قسمیں بیان کرتے ہیں کہ ایک بدعت حسنہ ہے اور ایک بدعت سیئہ۔ اور جن پہ ہم عامل ہیں وہ بدعت حسنہ ہے نہ کہ سیئہ؟

جواب

اہل بدعت نے بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ کی تقسیم سے جو اپنا مطلب اخذ کرنے کی سعی فرمائی وہ لاحاصل ہے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک چیز شرعی بدعت ہو اور اس میں حُسن و نُورانیت ہو ؟

ایں خیال است و محال است و جنوں

یاد رکھیئے بدعت میں کبھی حُسن پیدا نہیں ہوتا۔ یہ تو صرف سنت کی شان ہے کہ اس میں حُسن ہی حُسن ہے۔ نُورانیت ہی نُورانیت ہے۔ سیدنا مجدد الف ثانیؒ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ :۔

گذشتہ لوگوں میں سے بعض نے بدعت میں کچھ حُسن دیکھا ہو گا تو بدعت کی بعض قسموں کو انہوں نے اچھا سمجھا لیکن فقیر کو اس مسئلہ میں اُن سے اتفاق نہیں

---

[1] کتاب الاعتصام جلد ا صـ۷۶

وہ کسی بھی بدعت کو حسنہ نہیں سمجھتا اور اس میں اس کو سوائے ظلمت و کدورت کے اور کچھ محسوس نہیں ہوتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کلّ بدعۃ ضلالۃ[1]

ایک اور مکتوب میں فرماتے ہیں :-

سنّت سنیہ کی پیروی کریں اور بدعت نامرضیہ سے پرہیز کریں۔ اگرچہ بدعت صبح کی سفیدی کی مانند روشن ہو لیکن درحقیقت اس میں کوئی نور و روشنی نہیں۔ اور نہ ہی اس میں کوئی بیماری کی دوا اور بیمار کی شفا ہے کیونکہ بدعت دو حال سے خالی نہیں یا سنّت کو اُٹھانے والی ہوگی یا سنّت کو اُٹھانے سے ساکت ہوگی۔ ساکت ہونے کی صورت میں بالضرور سنّت پہ زائد ہوگی جو درحقیقت اس کو منسوخ کرنے والی ہے کیونکہ نص پہ زیادتی نص کی ناسخ ہے۔

پس معلوم ہوا کہ بدعت خواہ کسی قسم کی ہو سنّت کی رافع اور اس کی نقیض ہوتی ہے اور اس میں کسی قسم کی خیر اور حُسن نہیں۔ ہائے افسوس انہوں نے دینِ کامل اور پسندیدہ اسلام میں جب کہ نعمت تمام ہو چکی، بدعتِ مُحدثہ کے حسن ہونے کا کس طرح حکم دیا۔ یہ نہیں جانتے کہ اکمال و اتمام اور رضا کے حاصل ہونے کے بعد دین میں کوئی نیا کام پیدا کرنا حسن سے کوسوں دُور ہے۔ فماذا بعد الحق الّا الضلال (حق کے بعد صرف ضلال ہی کا درجہ رہ جاتا ہے) اگر یہ جانتے کہ دین میں محدثہ امر کو حسن کہنا دین کے کامل نہ ہونے کو مستلزم ہے اور نعمت کے ناتمام رہنے پہ دلالت کرتا ہے تو ہرگز اس قسم کے حکم پہ دلیری نہ کرتے۔[2]

ایک اور مکتوب میں فرماتے ہیں :-

لوگوں نے کہا ہے کہ بدعت دو قسم پہ ہے حسنہ اور سیئہ۔ حسنہ اس نیک عمل کو کہتے ہیں جو رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اور خلفاء راشدینؓ کے زمانے کے بعد پیدا

---

[1] مکتوبات دفتر دوم ص۲۲ [2] ایضاً ص۵۷

ہو اور وہ سنّت کو رفع نہ کرے (اور بدعتِ سیئہ وہ ہے جو رافعِ سنّت ہو)
یہ فقیر ان بدعات میں سے کسی بدعت میں حُسن اور نورانیت نہیں دیکھتا اور ظلمت و کدورت کے ساتھ کچھ محسوس نہیں کرتا۔ اگرچہ آج بدعتی کے عمل کو ضعفِ بصارت کے باعث طراوت و تازگی کی شکل میں دیکھتے ہیں تو کل جب نظر تیز ہوگی تو خسارہ کے احساس اور ندامت کے سوا اس کا کچھ نتیجہ نہیں نکلے گا۔ ؎

بوقتِ صبح شود ہمچو روز معلومت — کہ باکہ باختۂ عشق در شبِ دیجور[1]

اسی مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :۔

(دین میں) ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی۔ تو پھر بدعت میں حُسن کے کیا معنی ؟[2]

آپ کی دُعا بھی یہی ہے کہ :۔

(فقیر) عاجزی اور زاری۔ التجا و محتاجی۔ ذلت و انکساری کے ساتھ پوشیدہ اور ظاہری طور پر حق تعالیٰ سے سوال کرتا ہے کہ جو کچھ دین میں نیا پیدا ہوا ہے اور نیا ایجاد ہوا ہے۔ جو زمانہ خیرالبشر صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاء راشدینؓ کے زمانہ میں نہیں تھا۔ اگرچہ وہ روشنی میں صبح کی سفیدی کی مانند ہو۔ اس ضعیف بندے کو اس گروہ کے ساتھ جس نے اس بدعت کو اختیار کیا ہے اس نئے عمل کا گرفتار نہ کرے اور اس نئی ایجاد شدہ چیز کے حسن پہ فریفتہ نہ کرے۔ بحرمت سید المختار و الہ الابرار علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام۔[3]

ان عبارات و ارشادات کا حاصل یہ ہے کہ بدعتِ شرعیہ میں حسن کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ اس کو بدعتِ حسنہ کا نام دے کر بدعات کی ترویج کی جائے ـــــ اور جہاں

---

[1] مکتوبات شریف دفتر اول ص۳۱۰ [2] ایضاً ص۳۱۱ [3] ایضاً ص۳۰۹

تک بدعتِ لغوی کا تعلق ہے وہ صرف الفاظ کا ہی اختلاف ہے ورنہ حقیقت میں اس کی اصل موجود ہے۔ جیسا کہ نمازِ تراویح کے بیان میں گزر چکا ہے۔

الحاصل بدعت اور اہلِ بدعت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں اس قدر بُرے ہیں کہ اس کا وبال نہ صرف یہ کہ اس پر آپڑے گا بلکہ اس بدعت پہ جتنے لوگ عمل کریں گے سب کا وبال اس کی گردن پر ہوگا۔ اس لیے کہ اس نے دین میں ایک ایسی چیز جاری کی جس کی شریعت میں کوئی اصل نہ تھی۔

دوسرے کسی بزرگ نے اگر کہیں بدعت حسنہ ذکر کی ہے تو بقول حضرت امام ربّانی یہ اس وقت کی بات ہے جب روشن سنّتوں کا غلبہ تھا اور بدعت کے اندھیرے اس کے نیچے دُب جاتے تھے۔ سو بدعتِ حسنہ کا اندھیرا انہیں نظر نہ آیا۔ سو وہ بزرگ اپنی جگہ معذور ہیں۔ مجدد کا مقام دوسرے علماء سے کہیں آگے ہوتا ہے۔ مجدد آکر جس غلطی کی اصلاح کرے اس سے اہلِ سعادت فائدہ پاتے ہیں اور اہلِ شقاوت اس کی مخالفت کرتے ہیں۔

حضرت امام ربّانی مجدد الف ثانیؒ (۱۰۳۵ھ) کے کارِ تجدید میں سب سے نمایاں اور ممتاز بات آپ کی بدعت کے اندھیروں کے خلاف ایک دہائی ہے۔ بدعتِ حسنہ کا ابہام مدت سے چلا آرہا تھا آپ نے اس کے خلاف تجدیدی کام کیا اور اس طرح اسے بیخ و بُن سے اکھاڑا کہ آج اہلِ حق میں کوئی عمل نہیں جو بدعتِ حسنہ کے نام سے جاری ہو۔ بدعت کیا اور حسن کیا؟

ہاں کوئی بدعت صرف اس وقت تک حسنہ کہلا سکتی ہے جب تک اس کا سبب خارج میں موجود ہو۔ جب وہ سبب جاتا رہے تو یہ بدعتِ حسنہ بدعتِ مطلقہ ہو جائے گی اور کل بدعة ضلالة میں داخل ہوگی۔

جیسے دُعا میں اصل اخفاء اور اس کا آہستہ ہونا ہے۔ اب اگر کوئی شخص تعلیماً دعا جہراً کرے اور نیت یہ ہو کہ لوگوں کو آجائے تو یہ بدعتِ حسنہ ہوگی اور جب لوگ سیکھ جائیں تو پھر یہ بدعتِ حسنہ نہ رہے گی۔ بدعتِ حسنہ کسی مصلحت کے لیے ہوتی ہے اور اس میں دوام نہیں ہوتا۔

بدعات کے سیاہ سائے

① بدعتی کا کوئی نیک عمل مقبول نہیں

آنحضرتؐ کے جلیل القدر صحابی حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :-

لا یقبل اللہ لصاحب بدعۃ صوماً ولا صلاۃً ولا صدقۃً ولا حجاً ولا عمرۃً ولا جھاداً ولا صرفاً ولا عدلاً یخرج من الاسلام کما تخرج الشعرۃ من العجین۔[1]

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ بدعتی کا نہ روزہ قبول کرتا ہے نہ نماز، نہ صدقہ قبول کرتا ہے اور نہ حج۔ نہ عمرہ اور نہ جہاد اور کوئی فرضی عبادت قبول کرتا ہے اور نہ نفلی، بدعتی اسلام سے ایسے خارج ہو جاتا ہے جیسے گوندھے ہوئے آٹے سے بال نکل جاتا ہے۔

اس سے بڑھ کر اور محرومی کیا ہو سکتی ہے کہ ایک شخص اپنی زندگی تو اسلام کے مطابق گذارے اور نماز۔ روزہ۔ حج۔ صدقہ وغیرہ بھی کرتا رہے۔ لیکن بدعت کا عمل بھی ساتھ ساتھ جاری رکھے تو بدعت اس کی نیکیوں کو ایسے کھا جاتی ہے جیسے آگ لکڑیوں کو کھا جاتی ہے اور وہ بیچارہ بزعم خویش اپنی عبادت کو مقبول سمجھ رہا ہے۔ مگر اس بدعت کی وجہ سے نہ تو اس کا کوئی نیک عمل مقبول بنتا ہے۔ نہ ہی اس کی کوئی قدر وقیمت بلکہ اس کی بدبختی یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ یخرج من الاسلام کما تخرج الشعرۃ من العجین کہ اسلام سے ایسا خارج ہو جاتا ہے جیسے گوندے

---

[1] سنن ابن ماجہ صلا

ہوتے آٹے سے بال نکل جاتا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اس نے خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر افتراء کیا ہے کہ یہ کام بھی ہونا چاہیئے مگر پیغمبر نے نہیں بتلایا، نہ صحابہ کرامؓ نے یہ کہا تھا۔ (معاذاللہ)

ہاں اگر وہ اپنی بدعت سے توبہ کرے اور بدعت کا عمل ترک کرے تو پھر قبول کیا جاتا ہے

حضرت عبداللہ بن عباسؓ رسول اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں :-

ابی اللہ ان یقبل عمل صاحب بدعۃ حتی یدع بدعتہ۔[1]

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ بدعتی کے ہر عمل کو رد کر دیتا ہے یہاں تک وہ اپنی بدعت ترک کر دے۔

(۲) بدعتی کو پناہ دینے کا انجام

سیدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی نقل کرتے ہیں :-

المدینۃ حرم مابین عیر الیٰ ثور فمن احدث فیھا حدثاً او اوی محدثاً فعلیہ لعنۃ اللہ و الملئکۃ و الناس اجمعین لا یقبل اللہ منہ صرفاً ولا عدلاً[2]

ترجمہ۔ مدینہ منورہ مقام عیر سے لے کر مقام ثور تک مقام حرم ہے سو جس نے اس میں کوئی بدعت ایجاد یا کسی بدعتی کو پناہ دی تو اس پر اللہ تعالیٰ کی اور فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لعنت ہو، نہ تو اس کا کوئی فرض قبول نہ نفل۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث پاک سے پتہ چلا کہ بدعت کا انجام اس قدر خطرناک ہے کہ تمام کائنات اس پر لعنت برساتی ہے۔ اس لیے حکم ہے کہ کسی بدعتی کو پناہ بھی نہ دو۔ کیونکہ جب وہ ملعون ہے تو اس کو پناہ دینے والا بھی ملعون ہی ہو گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث پاک پر غور کریں کہ آپ کو بدعت اور بدعتی سے کتنی نفرت تھی؟ اس کی وجہ یہ ہی ہے

---

[1] سنن ابن ماجہ ص۶ [2] صحیح بخاری جلد ۲ ص۱۰۸۴ صحیح مسلم جلد ۱ ص۴۴۲

ہے کہ بدعتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معاذ اللہ خائن سمجھتا ہے کہ آپ نے رسالت میں خیانت کی اور اس کام کو نہ بتلایا۔ (معاذ اللہ)

اس حدیث سے سبق حاصل کرنے کی بجائے علماء اہل بدعت اسے اپنے اس استدلال میں پیش کرتے ہیں کہ بدعت پیدا کرنا صرف مدینہ میں ممنوع ہے دوسری جگہوں پہ مقامی حالات کے تحت بدعات پیدا کی جا سکتی ہیں۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا سرفراز خاں صاحب صفدر مدظلہ اس حدیث کی تشریح فرماتے ہیں:۔

اس حدیث میں حدودِ حرم کی قید محض تقبیح اور تشنیع کے لیے ہے۔ یہ قید احترازی نہیں ہے کہ حرم مدینہ میں تو بدعت بُری ہو اور خارج از حرم بُری نہ ہو۔ جو چیز بدعت اور بُری ہے وہ ہر جگہ اور ہر وقت بدعت اور بُری ہی ہوگی۔ ہاں البتہ شرفِ مکان یا فضیلت کی وجہ سے اس کی قباحت اور بُرائی بڑھ جائے گی۔ بدعت اور بدعتی کی مذمت کے لیے اس سے بڑھ کر اور سخت الفاظ کیا ہو سکتے ہیں جو جناب رؤف رحیم رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ پاک سے نکلے ہیں[1]

علامہ ابن البطال ؒ بھی اسی کو ذکر فرماتے ہیں:۔

خصت المدينة بالذكر لشرفها لكونها مهبط الوحي وموطن الرسول عليه الصلوٰة والسلام ومنها انتشر الدين في اقطار الارض فكان لها مزيد فضل على غيرها۔[2]

ترجمہ۔ مدینہ منورہ کو خاص ذکر کرنے کی وجہ اس کی شرافت و بزرگی ہے کیونکہ مدینہ منورہ مہبطِ وحی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وطن ہے اور یہیں سے سارے عالم میں دین پھیلا۔ اس لیے اس کو دوسرے مقامات پر فضیلت حاصل ہے۔

بعض علماء نے یہ لکھا ہے کہ اس جگہ کو حضورؐ اور حضرات خلفائے راشدینؓ کے مرکز ہونے

---

[1] المنہاج الواضح صہ [2] فتح الباری جلد ۸ صہ

کا شرف حاصل ہے۔

مدینہ منورہ کو خاص ذکر کرنے کی وجہ موطن الرسول ثم صارت موضع الخلفاء الراشدین ہے۔[1]

معلوم ہوا کہ بدعت ہر جگہ ہی بُری اور قابلِ ردّ ہے لیکن مدینہ منورہ میں اس کی قباحت بڑھ جائے گی۔ جیسے کوئی شخص کسی جگہ ایک گناہ کا کام کرے اور وہی کام حرمین شریفین میں کرے تو ظاہر ہے کہ وہ کام تو ہر جگہ بُرا ہی ہے۔ لیکن حرمین میں اس کی قباحت اور بڑھ جائے گی۔ اس لیے کہ وہ نہایت ہی مکرم و معظم مقامات ہیں۔ یہ اسی طرح ہے جیسے رمضان شریف میں بُرائی کرنے کا گناہ دوسرے دنوں کے گناہ سے کہیں زیادہ بھاری ہوگا۔

الحاصل بدعت اور بدعتی کا کتنا خطرناک انجام ہے۔ ملاحظہ کریں کہ ایک تو اس کا کوئی عمل قبول نہیں اور اس پر مستزاد یہ کہ اللہ تعالیٰ کی اور فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لعنت اس پر پھوہی ہے۔ کیا یہ عذاب کچھ کم ہے؟

③ بدعتی کی تعظیم کرنا اسلام کو گرانا ہے

حضرت ابراہیم بن میسرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔

من وقر صاحب بدعة فقد اعان علیٰ ھدم الاسلام۔[2]

ترجمہ: جس شخص نے کسی بدعتی کی تعظیم و توقیر کی تو اس نے اسلام کو گرانے پر اس کی مدد کی۔

بدعتی کی تعظیم میں اس کی اعانت و مدد، اس کی خدمت سب کچھ شامل ہے معلوم ہوا کہ بدعتی کی تعظیم و تکریم کرنا اسلام کو ڈھانے میں مدد دینا ہے یا پھر سنت کو ختم کرنے میں اس کا ہاتھ بٹانا ہے۔ (معاذ اللہ) اسی طرح اس کے برعکس بدعتی کی تنقیص اور

---

[1] فتح الباری جلد ۲۸ صفحہ ۱۴۴ [2] مشکوٰۃ صفحہ ۳۱

اس کی مذمت کرنا اسلام کو قوت پہنچانا اور دین کی تائید کرنا ہے۔ قالہ الطیبی[1]
حضرت علامہ شاطبیؒ (۷۹۰ھ) اس حدیث پاک کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔
ووجہ ذٰلک ظاہر لان المشی الیہ والتوقیر لہ تعظیم لہ لاجل بدعتہ وقد علمنا ان الشرع یأمر بزجرہ واہانتہ واذلالہ بما ہو اشد من ہٰذا کالضرب والقتل. فصار توقیرہ صدوداً عن العمل بشرع الاسلام. واقبالاً علٰی ما یضادہ وینافیہ. والاسلام لا ینہدم الا بترک العمل بہ والعمل بما ینافیہ۔
وایضاً فان توقیر صاحب البدعۃ مظنۃ لمفسدتین تعود ان علی الاسلام بالہدم؛
احداہما: التفات الجہال والعامہ الٰی ذٰلک التوقیر فیعتقدون فی المبتدع انہ افضل الناس. وان ما ہو علیہ خیر مما علیہ غیرہ. فیودی ذٰلک الٰی اتباعہ علٰی بدعتہ دون اتباع اہل السنۃ علٰی سنتہم۔
الثانیۃ: انہ اذا وقر من اجل بدعتہ صار ذٰلک کالحادی المحرض لہ علٰی انشاء الابتداع فی کل شیءٍ۔
وعلٰی کل حال فتحیا البدع وتموت السنن. وہو ہدم الاسلام بعینہ۔[2]
ترجمہ. اور اس کی یہ وجہ ظاہر ہے کہ اس کے پاس جانا اور اسکی عزت کرنا اس کی بوجہ اس کی بدعت کے تعظیم کرنا ہے اور یہ بات ہم جان پائے ہیں کہ شریعت ایسے آدمی کو جھڑکنے اس کی اہانت کرنے اور اسے اس درجہ ذلیل کرنے کا حکم دیتی ہے جو اس سے بھی سخت ہے (جیسے مارنا اور قتل کرنا) سو اس کی عزت کرنا شریعت کے تقاضے پر عمل کرنے میں رکاوٹ ہوگا اور یہ اس بات

---

[1] مرقات جلد ۱ صفحہ ۲۵۷ [2] کتاب الاعتصام جلد ۱ صفحہ ۸۴

پر ہے جو تقاضائے شریعت سے ٹکرائے اور اس کی نفی کرے اور اسلام کی عمارت اسی طرح گرتی ہے کہ شریعت کے تقاضوں پر عمل نہ ہو اور اس پر عمل ہو جو اس کے منافی ہے۔

اور یہ بھی ہے کہ بدعتی کی تعظیم کرنے میں ان دو ایسی برائیوں کا اندیشہ ہے جن سے بنیاد اسلام گرتی ہے۔

اوّلاً : جاہل اور عوام جب اس عزت افزائی کو دیکھیں گے وہ بدعتی کے بارے میں سمجھیں گے کہ یہ سب پر فضیلت لے جانے والا ہے اور جو بات وہ اختیار کئے ہوئے ہے وہ اس سے بہتر ہے جو دوسروں کا موقف ہے۔ سو یہ بات اس کی اس بدعت کی پیروی کی طرف لے جائے گی اور اس سے اہل سنت کے طریقے کی پیروی نہ ہونے پائے گی۔

ثانیاً : بدعتی جب اپنی بدعت کی وجہ سے عزت پائے گا تو وہ گویا ہر عمل میں بدعات پیدا کرنے کی ترغیب دینے والا داعی الی البدعۃ ہے اور بات کچھ بھی ہو اس سے بدعات زندگی پاتی ہیں اور سنتیں مرتی ہیں اور یہ بعینہٖ ہدم الاسلام ہے۔

حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رح لکھتے ہیں :-

جو شخص بدعتی کے ساتھ خندہ پیشانی کے ساتھ ملے گا جو اس کی خوشی کا باعث ہو تو اُس نے اُس نے اس چیز کی حقارت کی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی[1]

سو بدعتی کی تعظیم کرنا گویا دینِ اسلام کو حقیر سمجھنا ہے اور اس کا انجام ظاہر ہے کہ بہت ہی بُرا ہو گا۔ اس لیے جہاں تک ہو سکے بدعت اور اہلِ بدعت سے نفرت کرے اور اس کو خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن تصور کرے۔

جو شخص کسی مسجد کے لیے بدعتی امام کے لیے ووٹ دیتا ہے وہ اس تمام مسجد کے نمازیوں

---

[1] غنیۃ الطالبین مترجم صـ۱۷۱

کے گناہ اپنے سر ڈالتا ہے اور وہ بدعتی مولوی جہاں جہاں بدعات پھیلائے گا۔ یہ سارا وبال اس شخص پر بھی آئے گا جس نے اسے امام بنانے میں ایک بدعتی کو تکریم بخشی۔

شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ السامی ایک حدیث پاک نقل فرماتے ہیں:۔

جو شخص اللہ کے لیے بدعتی کو اپنا دشمن جانے اس کے دل کو اللہ تعالیٰ ایمان سے بھر دیتا ہے اور جو شخص انہیں خدا کا دشمن سمجھ کر اس پر ملامت کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے امن و امان میں رکھے گا اور جو ایسے لوگوں کو ذلیل کرے اسے بہشت کے سو درجے ملیں گے۔[۱]

شیخ المشائخ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:۔

بدعتی کی تعظیم ہرگز نہ کر کیونکہ اس سے اسلام کی ذلت ہوتی ہے۔[۲]

حضرت امام احمد بن حنبلؒ (۲۴۱ھ) کا ارشاد ہے:۔

اہل بدعت (کو سلام نہ کرو کیونکہ ان) کو سلام کرنے والا ان سے دوستی رکھتا ہے۔[۳]

حضرت فضیل بن عیاضؒ (۱۸۷ھ) کا ارشاد ہے:۔

اہل بدعت کے ساتھ دوستی رکھنے والے کے نیک اعمال ضائع کر دیئے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اس کے دل سے ایمان کا نور نکال لیتا ہے اور جو شخص اہل بدعت کے ساتھ دشمنی رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اسے بخش دیتا ہے خواہ اس کے نیک اعمال تھوڑے ہوں۔[۴]

حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے تھے کہ جس شخص نے بدعتی سے مصافحہ کیا اس نے اسلام کو نقصان پہنچایا۔[۵]

بدعت اور اہل بدعت اکابرین کی نظر میں کیا ہیں۔ اس کے لیے آپ ان کے بہت سے ارشادات ملاحظہ کریں گے۔

---

[۱] غنیۃ الطالبین ص۱۸۶ [۲] البلاغ المبین ص۳ [۳] غنیہ ص۱۸۵ [۴] غنیہ ص۱۸۶ تلبیس ابلیس ص۱۵ [۵] ایضاً ص۱۳

غور فرمایئے ایک شخص خود تو بدعتی نہیں مگر ایک بدعتی کو پناہ دیتا ہے، اسے خوش آمدید کہتا ہے اس کی تعریف و توصیف کرتا ہے، اس کی تعظیم و تکریم کرتا ہے، اسے مسجد کا امام بناتا ہے اسے وعظ کہنے کے لیئے بلاتا ہے تو چونکہ اس نے بدعتی کو اتنی اہمیت دی اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس نے اسلام کے قلعہ کو پاش پاش کرنے میں اس کی مدد کی، اور اسلام کا قلعہ پاش پاش کرنے کی کوشش کرنا مسلمانوں کا شیوہ نہیں، بلکہ کافروں اور منافقوں کا وطیرہ و طریقہ رہا ہے۔

ایک مسلمان جو وحدہ لاشریک لہٗ کی توحید اور خاتم الانبیاء والمرسلین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و سنت کا شیدائی ہو، کبھی یہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ میں اسلام کو گرانے میں کسی کی مدد کروں۔ ہاں جو مسلمان ہی نہیں اس سے ایسا ہونا کچھ تعجب کی بات نہیں۔

ان تصریحات کی روشنی میں ایک مسلمان کی حیثیت سے ہم پر لازم ہے کہ کسی بدعتی کو اپنے ہاں جگہ نہ دیں۔ اس کی تعظیم و توقیر نہ کریں اور جانیں کہ اس سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت نفرت ہے۔

(۴) بدعت کی مخالفت نہ کرنے کا انجام

حضرت معاذ بن جبلؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی نقل فرماتے ہیں :-

اذا احدث فی امتی البدع وشتم اصحابی فلیظھر العالم علمه فمن لم یفعل فعلیه لعنة الله والملآئکة والناس اجمعین [1]

ترجمہ: جب میری امت میں بدعت شائع ہو جائے اور میرے صحابہؓ کو برا بھلا کہا جائے اُس وقت عالم کی ذمہ داری ہے کہ اپنے علم کو کام میں لا کر اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرے اور اگر اس نے ایسا نہ کیا تو اس پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہو۔

---

[1] کتاب الاعتصام للشاطبی جلد ۱ ص۵۸

سابقہ احادیث میں بدعتی کی تعظیم واہانت اور بدعتی کو پناہ دینے پر شدید وعید ملاحظہ میں آئی۔
اب اس حدیث پاک میں ان لوگوں پر لعنت کا ذکر آیا ہے جو بدعت کی ترویج وتشہیر پر خاموش بیٹھے رہیں
اور صحابہ کرامؓ کو سب وشتم کرنے پر بھی ان کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی۔
حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ جب بدعت پیدا ہو اور دین میں نئی نئی باتوں کو داخل کیا
جائے اور محدثات کا پودا سر نکالنے لگے تو اس کو وہیں کچل دو تاکہ اُگنے نہ پائے۔
آج ذرا اپنے گردو پیش پر نظر دوڑائیے۔ کیا بدعات و محدثات کی بھرمار نہیں؟ کیا آپ نے
صحابہؓ پر سب وشتم کرنے والے کی زبان اور اس کے قلم کو روکنے کی کوئی خدمت سرانجام دی
ہے؟ سوچئے! غور کیجئے اور حدیث پاک کو پھر سے ایک مرتبہ پڑھ لیجئے اور اپنی فکر کیجئے۔
سو بدعت کی مذمت اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے کہ اس کو اپنانا تو درکنار اس کی
مخالفت نہ کرنے کا بھی یہ خطرناک انجام ہے۔
(اللھم احفظنا من ظلماتھم ومن ظلم اھلھا)

⑤ بدعت میں دوسروں کا بھی بوجھ

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔
من سن فی الاسلام سنۃ حسنۃ فعمل بھا بعدہ کتب لہ مثل اجر
من عمل بھا ولا ینقص من اجورھم شیء۔ ومن سن فی الاسلام سنۃ
سیئۃ فعمل بھا بعدہ کتب علیہ مثل وزر من عمل بھا ولا ینقص
من اوزارھم شیء[1]
ترجمہ جس نے اسلام میں نیک طریقہ جاری کیا پھر اس کے بعد اس طریقہ پر عمل کیا
گیا تو اس شخص کے واسطے اس قدر اجر و ثواب کہ جس قدر سب عمل کرنے والوں

---

[1] جامع ترمذی جلد ۲ صد ۱۸ مسلم شریف جلد ۲ صد ۳۴۱

کو اس کے بعد ہوگا اور ان لوگوں کے ثواب سے کچھ کم نہ کیا جائے گا اور جس نے کوئی بُرا طریقہ ایجاد کیا اور اس کی پیروی کی گئی تو اسے اپنے اس عمل کا بھی گناہ ہو گا اور پیروی کرنے والے کے گناہوں کے برابر بھی اس کے گناہوں میں لکھا جاتا ہے اور ان لوگوں کے گناہ میں سے کچھ کم نہ کیا جائے گا۔

کسی اچھے اور نیک طریقہ سے اس عمل کا قائم کرنا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت مبارکہ اور آپ کی شریعت مطہرہ سے قولاً عملاً یا اشارۃً ثابت ہو۔ جیسا کہ دوسری احادیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ :۔

من احیا سنۃ من سنتی قد امیتت بعدی۔ (الحدیث[1])

ترجمہ: جس نے میری کسی ایسی سنّت کو زندہ کیا جو میرے بعد مُردہ ہو چکی تھی ....الخ

من احیا سنۃ من سنتی فعمل بہا النّاس.... الحدیث[2]

ترجمہ: جس نے میری سنّتوں میں سے کوئی سنت زندہ کی کہ لوگ اس پر عمل پیرا ہوئے....

اس سے معلوم ہوا کہ وہ طریقہ جس کا صراحۃً یا اشارۃً دینِ اسلام میں ذکر تک نہ ہو۔ اس سے وہ مراد لینا صحیح نہیں۔ ورنہ سنت و بدعت کی تمیز ختم ہو جائے گی بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ یہ کام اچھے ہیں اور لوگ اس پر عمل کرتے ہیں اور اس کو پسند کرتے ہیں اور اس کی ظاہری شکل بھی صالح نظر آتی ہے، پھر کیا حرج ہے؟ حالانکہ ایسا سمجھنا صحیح نہیں۔ کسی چیز کی شکل و صورت کا صالح ہونا اور عوام کا اس کو پسند کرنا شریعت تو نہیں بن سکتی۔ شریعت کی نظر میں تو اچھا طریقہ سے مراد وہی ہے جس کی اصل کتاب اللہ و سنّتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و رجال اللہ (اصحاب کرام رضی اللہ عنہم) سے ثابت ہو۔ ورنہ ہزار خوبیوں کے باوجود وہ اچھا طریقہ نہیں بن سکتا۔ اس لیے کہ ہر شخص اپنے خود ساختہ طریقہ کو اچھا سمجھتا ہے اور لوگوں کا ایک ہجوم بھی اس کے پیچھے ہوتا ہے تو کیا وہ "اچھا طریقہ" کہلانے کا مستحق ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ اچھا طریقہ ہونے کے

---

[1] ترمذی جلد ۲ صفحہ ۹۲ ابن ماجہ صفحہ ۱۹ [2] ابن ماجہ صفحہ ۱۹

لیے ضروری ہے کہ اس کی اصل حضورؐ یا صحابہؓ کی سنّت میں موجود ہو۔

بُرا طریقہ سے مراد وہ تمام طریقے ہیں جس کی اصل کتاب وسنّت میں موجود نہ ہو اور اس کی طرف لوگوں کو دعوت دی جائے خواہ اس کی شکل حسین ہو یا قبیح۔ بہرحال وہ بُرا ہے اور اس کا وبال نہ صرف یہ کہ اُس پر آ پڑے گا۔ بلکہ اس کے بعد جتنے لوگ اس طریقہ پر عمل کریں گے سب کا بوجھ بھی اس کی گردن پر لادا جائے گا۔

⑥ حوضِ کوثر سے محرومین

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

اتدرون ما الکوثر فقلنا اللہ ورسولہ اعلم قال فانہ نھر وعدنیہ ربی عزوجل علیہ خیر کثیر وھو حوض ترد علیہ امتی یوم القیامۃ اٰنیتہ عدد النجوم فیختلج العبد منھم فاقول رب انہ من اُمتی فیقال ما تدری ما احدثوا بعدک[1]

ترجمہ۔ تم جانتے ہو کوثر کیا ہے؟ ہم نے کہا اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ ایک نہر ہے جس کا میرے رب نے میرے ساتھ وعدہ کیا ہوا ہے۔ وہ بہت ہی خیر وبرکت والی ہے، وہ ایک حوض ہے جس پر میری امت کو لایا جائے گا۔ اس حوض پر اتنے گلاس ہوں گے جتنے آسمان کے ستارے (مراد کثرت) پس ایک آدمی کو وہاں سے بھگا دیا جائے گا۔ اس وقت میں کہوں گا کہ اے اللہ! یہ میری امت سے ہیں ان کو کیوں ہٹایا گیا۔ ارشاد ہو گا۔ ما تدری ما احدثوا بعدک۔ آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا نئی باتیں (دین میں) ایجاد کی تھیں۔

---

[1] صحیح مسلم جلد ا صـ۱۷۲

ایک اور روایت میں ہے ۔

فاقول یارب ھٰؤلآء من اصحابی فیجیبنی ملک فیقول وھل تدرون

ما احدثوا بعدک[1]

ترجمہ۔ سو میں کہوں گا اے میرے رب ! یہ تو میرے لوگ ہیں۔ اس پہ فرشتے کہیں گے کہ آپ کو علم نہیں کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا نئی باتیں ایجاد کیں۔

یہاں ساتھی سے مراد آپ کے امتی ہیں۔ جیسا کہ بخاری شریف کی ایک روایت میں ہے (کتاب الاعتصام جلد ا صـ۹۷) کیونکہ صحابہؓ بدعت کا موضوع نہیں ہیں۔ وہ تو خود آسمان ہدایت کے ستارے ہیں جن کے قدموں پہ ہمیں چلنے کا حکم ہے۔ بدعت ان میں راہ نہیں پاسکتی۔ وہ خیر امت ہیں جو لوگوں کے لیے نمونہ ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سُن کر عرض کریں گے ۔

(فاقول کما قال عبد الصالح) وکنت علیھم شھیدًا مادمت فیھم فلمّا

توفیتنی کنت انت الرقیب علیھم وانت علیٰ کل شیٔ شھید۔[2]

ترجمہ (آپ فرماتے ہیں کہ میں وہی بات کہوں گا جو نیک بندے یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہیں گے کہ اے اللہ) میں ان پہ مطلع رہا جب تک میں ان میں رہا پھر جب آپ نے مجھ کو اُٹھالیا تو آپ ان پہ مطلع رہے اور آپ ہر چیز کی پُوری خبر رکھتے ہیں۔

حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ اہل بدعت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب جانے اور آپ کوثر کے پینے سے محرومی ہوگی۔

ایک دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمائیں گے ۔

سُحقًا سُحقًا[3]   ترجمہ۔ دُور ہو جاؤ   دُور ہو جاؤ۔

---

[1] صحیح مسلم جلد ا صـ۱۲۶ [2] ایضاً جلد ۲ صـ۳۸۴ [3] نووی شرح مسلم جلد ا صـ۱۲۶

غور فرمائیے۔ اس نازک اور کٹھن مرحلے میں اہل بدعت کا کیسا افسوسناک حشر ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں اپنے سے دور فرمانے کا حکم دے دیں گے۔

حضرت علامہ ابوعمر بن عبدالبرؒ (۴۶۳ھ) فرماتے ہیں:۔

کل من احدث فی الدین فھو من المطرودین عن الحوض کالخوارج والروافض وسائر اصحاب الھوٰی۔[1]

ترجمہ: جس نے بھی دین میں کوئی نئی بات ایجاد کی وہ حوض سے دھتکارے ہوئے ہوں گے جیسے خوارج و روافض اور تمام اہل ہوٰی (یعنی خواہشات نفسانی کا اتباع کرنے والے۔

کتنا بڑا بدقسمت ہے وہ انسان جو بدعات کی ترویج وتشہیر کرتا اور اپناتا ہے اور آخرت کی نعمتوں سے محروم ہو رہا ہے۔ حضرت بکر بن عبداللہ المزنیؒ سے روایت ہے:۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال حلت شفاعتی لامتی الا صاحب بدعۃ۔[2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ شفاعت میری امت کے لیے ثابت ہوگی مگر اہل بدعت کے لیے نہیں۔

کاش! کہ اہل بدعت ان روایات پر ٹھنڈے دل سے غور کریں اور اہل سنت کے گروہ میں شامل ہو کر دین و دنیا میں کامیابی و کامرانی حاصل کریں۔

⑦ بدعت کی نحوست

حضرت غضیف بن الحارث الثمالیؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں:۔

ما احدث قوم بدعۃ الا رفع مثلھا من السنۃ فتمسک بسنۃ خیر من احداث بدعۃ۔[3]

---

[1] نووی شرح مسلم جلد ۱ ص ۱۲۶ [2] البدع والنہی عنہا ص ۳۶ الاعتصام جلد ۱ ص ۸۹ [3] مشکوٰۃ ص ۳۱ مسند احمد ص ۱۰۵

ترجمہ: کوئی قوم بدعت ایجاد نہیں کرے گی مگر اس کی مقدار میں اُن سے سنت اُٹھالی جائے گی۔ اس لیے سنت کو مضبوطی سے پکڑنا بدعت کے ایجاد کرنے سے بہتر ہے۔

بدعت کی نحوست کا اندازہ لگائیے کہ اس کی وجہ سے سنت جیسی مبارک نعمت اُٹھا لی جائے تو آپ ہی سوچیں انسان کس طرح کامیابی کے مراحل طے کر سکے گا۔ کیونکہ کامیابی و کامرانی تو اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے مل سکتی ہے اور پھر بدعت کی نحوست اتنی ہے کہ انہیں قیامت تک سنتِ مبارکہ واپس نہیں دی جاتی۔ سیدنا حسان تابعیؒ (۱۲۰ھ) فرماتے ہیں:۔

مابتدع قوم بدعة فی دینهم الا نزع الله من سنتهم مثلها ثم لا یعیدها الیهم الی یوم القیامة۔[1]

ترجمہ: کوئی قوم دین میں بدعت نہیں نکالے گی مگر اللہ تعالیٰ اتنی ہی مقدار میں سنت اُن سے اٹھالے گا اور پھر قیامت تک اُن کو وہ سنت واپس نہیں کرے گا۔

یہی وجہ ہے کہ بزرگانِ دین نے فرمایا ہے کہ جس کسی کو بھی کوئی مقام و مرتبہ ملا ہے وہ محض اور محض اتباعِ سنت اور اجتناب بدعت سے ملا ہے اور اگر کسی کو باوجود ریاضت و مجاہدہ کے کچھ نہ ملا تو اس کی واحد وجہ یہی ہوگی کہ اس میں بدعت کا کوئی نہ کوئی اثر ہے جس کی نحوست کی بناء پر وہ نورانیت نہیں حاصل کر سکا۔

حضرت حسن بن الحسین البارسی النیشاپوریؒ فرماتے ہیں:۔

لا یظهر علی احد شیء من نور الایمان الا باتباع السنة ومجانبة البدعة وکل موضع تری فیه اجتهاداً ظاهراً بلا نور فاعلم ان ثمه بدعة خفیة۔[2]

---

[1] مشکوٰۃ صفحہ ۳۱ کتاب الاعتصام جلد ۱ صفحہ ۸۵ [2] نفحات الانس از مولانا جامیؒ صفحہ ۱۵۸

ترجمہ: جس کسی پر بھی نُورِ ایمان سے کچھ ظاہر ہوا وہ محض اتباعِ سنت اور بدعت کی مخالفت و اجتناب سے ہوا اور جس جگہ تم ظاہری مجاہدہ، محنت اور کوشش زیادہ دیکھو مگر اس میں نُورانیت ظاہر نہ ہو تو سمجھ کہ یہاں کوئی چھپی ہوئی بدعت ہے (جس کی وجہ سے وہ شخص نُورانیت سے محروم رہ رہا ہے)۔

آج ذرا اپنے گرد و پیش پر نظر کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ بہت سی سنّتوں کو ترک کر دیا گیا ہے۔ ان سنّتوں کی جگہ بدعات نے لے لی ہے۔ اس سے زیادہ افسوسناک بات یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ان بدعات کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتا ہے تو اس کا نہ صرف یہ کہ مذاق اُڑایا جاتا ہے بلکہ اسے بدنام کرنے، سب و شتم کرنے میں بھی کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا جاتا۔ انّا للہ وانّا الیہ راجعون۔

پھر اس سے زیادہ شرمناک بات یہ ہے کہ اگر کوئی اللہ کا بندہ ان بدعات کی دلدل سے نکلنا چاہتا ہے اور سنت کا پابند ہونا چاہتا ہے تو اس پر آوازہ اس انداز میں کسی جاتی ہے کہ اس نے سنت کو ترک کر دیا، یہ رسول کا منکر ہو گیا ہے۔ (معاذاللہ)

حضرت حذیفہؓ نے بھی اس کی طرف اشارہ فرمایا:۔

آئندہ زمانے میں بدعت اس طرح پھیل جائے گی کہ اگر کوئی شخص اس بدعت کو ترک کرے گا تو اس کو کہیں گے کہ تُو نے سنت ترک کر دی[1] (معاذاللہ)

یہ درحقیقت ان بدعات کی نحوست ہے جو اہلِ بدعت نے سنتوں کی جگہ اپنالی ہے اور جن کی نحوست کی بناء پر انہیں توفیق نہیں ہوتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر عمل کریں اور کسی کو سنت پر عمل کرتا دیکھ سکیں۔

اللہ تعالیٰ بدعات اور اہلِ بدعت سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

---

[1] الاعتصام جلد ۱ صفحہ ۹

⑧ جہنمیوں کے کتّے

ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

اصحاب البدع کلاب اھل النار[۱]

ترجمہ۔ بدعتی جہنمیوں کے کتّے ہیں۔

جناب احمد رضا خاں صاحب بریلوی بھی لکھتے ہیں:۔

بدمذہب کتا ہے یا نہیں؟ ہاں ضرور ہے بلکہ کتّے سے بھی بدتر و ناپاک تر ہے کتا فاسق نہیں ہے اور یہ اصل دین و مذہب میں فاسق ہے۔ کتّے پہ عذاب نہیں ہے اور یہ عذاب شدید کا مستحق ہے۔ میری نہ مانو، سیدالمرسلین کی حدیث مانو ابوحاتم خزاعیؒ اپنی جزء حدیثی میں حضرت ابوامامہ باہلیؓ سے راوی ہیں کہ حضورؐ فرماتے ہیں۔ اصحاب البدع کلاب اھل النار۔ بدعتی دوزخیوں کے کتّے ہیں۔[۲]

نہایت افسوس ہے کہ بریلوی علماء اس حدیث کا بوجھ اپنے سر لینے کی بجائے بانیٔ پاکستان قائداعظم محمد علی جناح پہ ڈالتے ہیں۔ جناب احمد رضا خاں کے پیر خانہ مارہرہ شریف کے بزرگوں سے پوچھا گیا کہ مسٹر محمد علی جناح کو قائداعظم کہنا کیسا ہے۔ اس کے جواب میں مولانا محمد میاں قادری برکاتی مارہروی لکھتے ہیں:۔

بدمذہب جہنمیوں کے کتّے ہیں۔ کیا کوئی سچا ایماندار مسلمان کسی کتّے کو اور وہ بھی دوزخیوں کے کتّے کو اپنا قائداعظم سب سے بڑا پیشوا اور سردار بنانا پسند کرے گا۔ حاشا وکلا ہرگز نہیں۔[۳]

بریلویوں نے اس حدیث کو قائداعظم مرحوم پر چسپاں کرنے میں گو غلطی کی ہے لیکن اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اصلاً انہوں نے اس حدیث کو صحیح تسلیم کیا ہے کہ اصحاب بدعت آخرت

۱؎ جامع صغیر جلد اصفحہ ۲؎ فتاویٰ افریقہ صفحہ ۱۰۲ ۳؎ مسلم لیگ کی زریں بخیہ دری صفحہ مطبوعہ ۱۹۳۹ء

میں دوزخ کے کتے بنائے جائیں گے اور جس طرح یہ آج کل اہل حق کو بھونکتے ہیں آخرت میں اپنے آپ پر بھونکنا ان کا نصیب ہو گا۔ وہاں اُن کی بھونک قائدِ اعظم تک ہرگز نہ جاسکے گی۔

سو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک سے معلوم ہوا کہ جنہوں نے دین میں زیادتیاں کی ہیں شریعتِ مطہرہ کا منور چہرہ مسخ کرنے کی سازش کی، دینِ حنیف میں بدعات کو جگہ دی سنت پر عمل کرنے کی بجائے خواہشاتِ نفسانی کی پیروی کی اور اس کو دین کا نام دیا۔ تو چونکہ انہوں نے یہ ہی گمان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (معاذ اللہ) پورا پورا دین نہیں پہنچایا اور انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس انداز میں توہین و گستاخی کی سو ان کو جہنمیوں کے کتے سے تشبیہ دینا بالکل صحیح ہے۔

قرآن کریم نے بھی ایک مقام پر ان لوگوں کو کتے سے تشبیہ دی ہے جو خواہشاتِ نفسانی کا اتباع کرتے ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے :-

ولو شئنا لرفعنٰہ بھا ولکنہ اخلد الی الارض واتبع ھوٰیہ فمثلہ کمثل الکلب ان تحمل علیہ یلھث او تترکہ یلھث ذٰلک مثل القوم الّذین کذّبوا بایٰتنا۔ (پ ۹ : الاعراف)

ترجمہ۔ اور اگر ہم چاہتے تو بلند کرتے اس کا رتبہ ان آیتوں کی بدولت لیکن وہ تو ہو رہا زمین کا اور اتباع کیا اس نے اپنی خواہش کا تو اس کا حال ایسا ہے جیسے کتا۔ اس پر تو بوجھ لادے تو ہانپے اور چھوڑ دے تو ہانپے۔ یہ مثال ہے ان لوگوں کی جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا۔

غور فرمایئے اسلام کی نظر میں بدعت کتنا بُرا عمل اور اہلِ بدعت کتنے بدنصیب و بے مراد لوگ ہیں۔ ان کے ایجاد کا وبال کہاں کہاں آپڑتا ہے۔ کس کس طرح ان پر لعنت آتی ہے۔ اس لیے ہمیں چاہیئے کہ ہمیشہ بدعات سے اجتناب کریں اور اہلِ بدعت سے دور رہیں اور ہمیشہ سنتِ مطہرہ کا دامن تھامیں۔ اسی میں خیر و برکت، فلاح و سعادت ہے اور اسی سے دونوں

جہاں کی کامیابی نصیب ہوگی ؎

محال است کہ سعدی راہ صفا　　　توان رفت جز بر پئے مصطفےٰ

⑨ بدعت ایک فتنہ ہے

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں رسول اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔

سیکون فی امتی دجالون کذابون یاتونکم ببدع من الاحادیث لم تسمعوہ انتم ولا اٰباءکم فایاکم وایاہم لایضلونکم لا یفتنونکم۔[1]

ترجمہ. آخری زمانہ میں کچھ ایسے دجّال وکذاب ہوں گے جو تمہارے سامنے ایسی نئی نئی باتیں پیش کریں گے جن کو نہ تم نے سُنا ہوگا نہ تمہارے آباء واجداد نے پس تم ان سے بچنا. ان کو اپنے قریب نہ آنے دینا. کہیں وہ تمہیں گمراہ نہ کردیں اور فتنے میں نہ ڈال دیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی کہ بدعات تمہیں کہیں فتنہ میں نہ ڈال دیں، بتلاتا ہے کہ بدعت فتنوں کا دروازہ کھول دیتی ہے. آج کل مسلمانوں میں جو جھگڑے اور مسجدوں میں جو سر پھٹول ہو رہی ہے. آپ اگر ان کی تہہ میں جائیں تو بدعت کی چنگاریوں کے سوا وہاں کچھ نظر نہ آئے گا مسلمانوں نے پہلے اپنی مسجدوں میں بدعتیں گوارا کیں. پھر بدعتی امام رکھے. اس کے نتیجہ میں زوالِ امت شروع ہوا. فتنوں کی یہ ایسی سیاہ رات ہے جس کی تہہ میں بدعات کے اندھیروں کے سوا کچھ نہیں. سو بدعت کا دوسرا نام فتنہ ہے اور حدیث کی رُو سے اہلِ فتن کا مقابلہ کرنا نہایت ضروری ہے. اور اس فتنہ کا مقابلہ کرنے والے بہت زیادہ اجر و ثواب کے مستحق ہوں گے. حضرت عبدالرحمٰن بن علاء الحضرمیؓ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :۔

---

[1] صحیح مسلم جلد ا صنلا

انه سیکون فی آخر هذه الامة قوم لهم مثل اجر اولهم یأمرون بالمعروف وینهون عن المنکر ویقاتلون اهل الفتن[۱]

ترجمہ۔ اس امت کے آخری دور میں کچھ ایسے لوگ ہوں گے جن کا نیکیوں کا اجر پہلے لوگوں کے اجر کی مثل ہوگا۔ وہ لوگ ہوں گے جو معروف کا حکم کریں گے، منکرات سے روکیں گے اور اہلِ فتن سے ٹکرلیں گے (ان کا مقابلہ کریں گے)۔

اس حدیث پاک میں اہلِ فتن کن کو کہا گیا ہے؟ انہی اہلِ بدعت کو جن میں اسلامی خلافت کے باغی، خارجی، شیعہ اور بدعتیوں کے تمام گروہ شامل ہیں۔ حضرت ملا علی قاری علیہ رحمۃ ربہ الباری لکھتے ہیں :۔

اهل الفتن ای من البغاة والخوارج والروافض وسائر اهل البدع[۲]

ترجمہ۔ اہلِ فتن سے مراد باغی، خارجی، رافضی اور تمام بدعتی گروہ ہیں۔

سو چاہیئے کہ اہلِ بدعت سے شدید نفرت کا اظہار کیا جائے اور آدمی اہلِ سنت و الجماعت کا دامن پکڑے رکھے۔

(۱۰) سوئے خاتمہ کا اندیشہ

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین پر ایک لمبی لکیر کھینچی، پھر فرمایا :۔

هٰذا سبیل اللّٰه ثم خط خطوطاً عن یمینه و عن شماله وقال هٰذه سبل علی کل سبیل منها شیطان یدعوا الیه و قرأ و ان هٰذا صراطی مستقیماً فاتبعوه الایة[۳]

ترجمہ۔ یہ اللہ کی راہ ہے پھر آپ نے اس کے دائیں اور بائیں خطوط کھینچے اور

---

[۱] مشکوٰۃ صفحہ ۵۸۴ [۲] مرقات جلد ۱۱ صفحہ [۳] مشکوٰۃ صفحہ ۳۰ والآیۃ پ

فرمایا یہ غلط راہیں ہیں۔ ان میں سے ہر ایک راہ پر ایک شیطان بیٹھا ہے جو لوگوں
کو اس راہ کی طرف بُلا رہا ہے۔ اور آپ نے اس پر یہ آیت پڑھی (اللہ تعالیٰ
نے فرمایا ہے) اور یہ میری سیدھی راہ ہے (صراطِ مستقیم ہے) تم اس پر
چلتے رہو۔

دائیں بائیں کے ان خطوط سے مجتہدین کے مختلف اجتہادات مراد نہیں۔ یہ سب ائمہ مجتہدین
اہلِ حق میں سے ہیں۔ یہ شیطان نہیں شیاطین کی راہوں سے مراد بدعتی فرقوں کی راہیں ہیں جیسے معتزلہ،
قدریہ۔ خوارج۔ روافض اور دیگر اہلِ بدعت وغیرہا۔

اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ انسان کو گمراہی کے راستے پر لے جانے کے لیے شیطانی
وطاغوتی قوتیں پُوری طرح سرگرمِ عمل ہیں۔ اس پر چہار جانب سے حملہ آور ہیں۔ لیکن جب انسان
قریب المرگ ہو جاتا ہے اور اس پر عالمِ آخرت کے بعض اُمور کھلنے لگ جاتے ہیں تو شیطان اپنی
پُوری شیطانیت کے ساتھ اس کے پاس آ بیٹھتا ہے۔ یہ ایک مومن کے ایمان و اعمال کی کڑی
آزمائش کی گھڑی ہے۔ اہل اللہ اور سنّتِ مبارکہ کی پابندی کرنے والے سنّت کی برکت سے شیطان
کی شیطانیت سے بچ جاتے ہیں۔ لیکن وہ لوگ جو سنّت کے مقابلے میں بدعات کو محبوبِ جان
بنائے ہوئے تھے اور راسخ یقین پر تھے کہ ان اعمال میں نُورانیت ہے۔ عین اس لمحے ان کو وہ
اعمال انتہائی سیاہ نظر آنے لگتے ہیں۔ اس پر اس کے ذہن کو عجیب جھٹکا لگتا ہے کہ اوہ۔ میں
تو ان اعمال کو نیکیاں سمجھ کر کرتا رہا اور دوسروں کو اس کی تلقین و تائید کرتا رہا مگر یہاں تو معاملہ
اس کے اُلٹ نکلا۔ اس وقت شیطان آگے بڑھ کر کہتا ہے کہ ابھی تو یہاں (اس دُنیا میں)
ہے مرا نہیں۔ ابھی مرنے پر تجھ کو پتہ چل جائے گا کہ اسلام جس کو تو سچا دین سمجھ رہا تھا اور
اور اسے اپنائے ہوئے تھا وہ بھی صحیح نہیں ہے۔ قرآن اللہ کی کتاب نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ
وسلم) اللہ کے رسول نہیں۔ (استغفر اللہ)

پہلے ناکامی اور بدعات کے اندھیرے تو اس کے سامنے آ چکے ہوں گے۔ لیکن اب وہ

بنیادِ اسلام میں بھی شک میں پڑ جائے گا۔ ادھر شکوک وشبہات کا اظہار ہوا ـــــ اُدھر روح اس کے بدن سے کھینچ لی گئی اور شیطان اپنی کامیابی کے نعرے اس تیزی سے لگانے لگا جس طرح یہ بدعتی اپنے بدعتی پیروں اور مولویوں کے گرد حلقہ بنا کر زور زور سے نعرے لگایا کرتا تھا ـــــ یہ ہے بدعت کی ظلمت جو اس کے ایمان تک کو لے گئی۔ اور شیطان اب بھاگ گیا۔ قرآن کریم میں ہے :۔

کمثل الشیطان اذ قال للانسان اکفر فلما کفر قال انی برئٓ منك.

(پ ۲۸ ، الحشر ع ۲)

ترجمہ۔ ان لوگوں کی مثال شیطان کی سی ہے کہ جب اس نے انسان سے کہا، کہ کفر کر۔ جب انسان نے کفر کر لیا تو شیطان کہنے لگا میں تو تجھ سے بری ہوں۔

شیطان اور شیطانی طاقتیں چاہتی ہیں کہ ہر شخص کی موت کفر و شرک پر ہو اور وہ اس کے لیے ہر حربہ آزماتے ہیں۔ فروعی مسائل کو قطعیت کا درجہ دینے والا بھی بالآخر اس خطرے میں ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بزرگانِ دین فروعی مسائل میں زیادہ شدّت اختیار کرنے سے ہمیشہ اجتناب کی تلقین کرتے ہیں۔ کہ ان میں ایسی شدّت اختیار نہ کرو کہ اُسے اس یقین تک لے جاؤ جو یقین ایک مومن کو خدا اور اس کے رسولِ خاتمؐ کے بارے میں حاصل ہوتا ہے ـــــ فقہی مسائل کے بارے میں بھی یہ نصیحت مدِنظر رکھنی چاہیئے کہ :

مذهبنا صواب و یحتمل الخطاء

ومذهب مخالفنا خطأ و یحتمل الصواب

یہ تو فقہی مسائل کی بات تھی جن کی اصل کسی نہ کسی درجے میں شریعت میں موجود ہوتی ہے جب ان میں احتیاط کا یہ حال ہے تو بدعت جن کی سرے سے اصل ہی نہیں اس پر عمل اور اصرار کتنا خطرناک ہوگا۔ اور پھر اس کو قطعیت اور کفر و اسلام کا فاصلہ ٹھہرا دینا جیسا کہ آج کل اہلِ بدعت نے کر رکھا ہے کس قدر خطرناک ہوگا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

بہرحال بدعت ایک ایسا خبیث عمل ہے کہ اس کا مرتکب عین موت کے وقت شیطان کی آخری واردات کا شکار ہو جاتا ہے اور بسا اوقات معاملہ یہاں تک بڑھ جاتا ہے کہ اس کی موت کفر پر ہوتی ہے۔

علامہ شاطبیؒ (۷۹۰ھ) ایک مقام پر لکھتے ہیں :۔

واما انہ یخاف علیٰ صاحبہا سوء الخاتمۃ والعیاذ باللہ فلان صاحبہا مرتکب اثما وعاص للہ تعالیٰ حتما ولا نقول الآن ۔ ھو عاص بالکبائر أو بالصغائر بل نقول ھو مصر علیٰ ما نھی اللہ عنہ ۔ والاصرار یعظم الصغیرۃ إن کانت صغیرۃ حتی تصیر کبیرۃ وان کانت کبیرۃ فاعظم ۔ ومن مات مصرا علی المعصیۃ فیخاف علیہ ۔ فربما اذا کشف الغطاء وعاین علامات الآخرۃ استفزہ الشیطان و غلبہ علیٰ قلبہ ۔ حتیٰ یموت علی التغییر والتبدیل۔[1]

ترجمہ ۔ اور بہرحال بے شک بدعتی کے سوئے خاتمہ کا اندیشہ ہے ۔ اللہ تعالیٰ اس سے بچائے ۔ اس لیے کہ بدعتی ایک گناہ کا ارتکاب کرتا ہے اور وہ حتمی طور پر اللہ کی نافرمانی کر رہا ہوتا ہے ۔ ہم اس وقت یہ نہیں کہتے کہ وہ صغیرہ گناہ کے ذریعہ نافرمانی کر رہا ہے یا صغیرہ کے ذریعہ ۔ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ اللہ نے جس چیز سے منع کیا ہے اس پہ بدعتی اصرار کرتا ہے اور صغیرہ گناہ پہ اصرار اس گناہ کو کبیرہ بنا دیتا ہے اور جو شخص کسی معصیت پر اصرار کرے تو اس کے لیے سوئے خاتمہ کا اندیشہ ہے ۔ جب حقیقت کا پردہ کھُلے گا اور عالم آخرت کے اُمور اس کے سامنے آئیں گے تو شیطان بھی آ دھمکے گا اور (وسوسہ دے کر) اس کے قلب پر اپنا غلبہ حاصل کرلے گا ۔ یہاں تک وہ اپنے دین سے اس تبدیلی پر آ کر مرجائے ۔

---

[1] کتاب الاعتصام جلد ا صہ

علامہ موصوفؒ آگے جاکر لکھتے ہیں:۔

لان المبتدع مع کونہ مصراً علی ما نہی عنہ یزید علی المصر بانہ معارض للشریعۃ بعقلہ. غیر مسلم لہا فی تحصیل أمرہ. معتقداً فی المعصیۃ أنہا طاعۃ. حیث حسن ما قبحہ الشارع. وفی الطاعۃ انہا لا تکون طاعۃ الا بضمیمۃ نظرہ. فہو قد قبح ما حسنہ الشارع ومن کان ہکذا فحقیق بالقرب من سوء الخاتمۃ الا ما شاء اللہ. وقد قال تعالیٰ فی جملۃ من ذم أفأمنوا مکر اللہ فلا یأمن مکر اللہ الا القوم الخاسرون (الاعراف) والمکر جلب السوء من حیث لا یفطن لہ وسوء الخاتمۃ من مکر اللہ اذ یاتی الانسان من حیث لا یشعر بہ. اللہم انا نسألک العفو والعافیۃ۔[۱]

ترجمہ۔ بدعتی باوجودیکہ اُس بات پر مصر ہے جس سے اللہ نے روکا ہے۔ اس شخص سے آگے ہے جو گناہوں پر اپنی عقل سے عمل پیرا ہے اور تحصیل اَمر میں اس کا قائل نہیں۔ لیکن وہ بدعتی گناہ کو طاعت سمجھ کر عمل میں لا رہا ہے جس چیز کو شارع علیہ السلام نے بُرا جانا اُسے اچھا کہہ رہا ہے اور اپنی بات کو نیکی سمجھنے والا ہے (اور نیکی سمجھنا تو محض اس کی اپنی اختراع ہے) اس چیز کو قبیح سمجھ رہا ہے جسے شارع نے اچھا کہا ہے اور جس شخص کا یہ حال ہو تو وہ سُوئے خاتمہ کے واقعی بہت قریب ہے مگر یہ کہ اللہ کسی کو بچالے ـــــ اور اللہ تعالیٰ نے اس کی مذمت میں اجمالاً یہ کہا ہے ,, کیا بے ڈر ہو گئے اللہ کے داؤ سے، سو بے ڈر نہیں ہوتے اللہ کے داؤ سے مگر وہی لوگ جو خسارے میں پڑنے والے ہیں،، یہ مکر (تدبیر) بُرائی کو اس طرح لانے میں ہے کہ وہ سمجھ

---

[۱] کتاب الاعتصام للشاطبی جلد ۱ صہ ۹۴

بھی نہ پائے اور خاتمہ تدبیر الٰہی سے بُرا ہونا یہ ہے کہ انسان پر یہ اس طرح آئے کہ وہ اسے جان نہ سکے۔ اے اللہ! ہم آپ سے اس میں معافی اور عافیت چاہتے ہیں۔

حضرت علامہ شاطبیؒ کی اس عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ بدعتی کے سوئے خاتمہ کا اندیشہ ہے۔ اگر کوئی بدعتی سوئے خاتمہ سے بچ جائے تو یہ محض ایک استثناء ہے۔ ورنہ عام طور پر بدعتی سوئے خاتمہ کا شکار ہو جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو سنتِ مطہرہ کی اتباع کی توفیق دے اور بدعت اور اہلِ بدعت سے بچائے۔ آمین۔

تردّد کے فتنے سے بچنا

بدعتی بدعت پر عمل تو کئے جاتا ہے لیکن تحت الشعور میں وہ تردّد کے فتنے میں بُری طرح گھرا ہوتا ہے علم اور سمجھ کی رُو سے وہ اس میں کوئی روشنی نہیں دیکھتا لیکن جذبات اور ماحول کے زیرِ اثر وہ اپنی بدعات پر نہایت اکڑ کر عمل پیرا ہوتا ہے۔ اس کے اندر ایک فکری جنگ ہوتی ہے جس سے وہ پوری عمر نکل نہیں پاتا۔ سچائی پر آنے میں وہ سوچتا ہے کہ لوگ کیا کہیں گے۔ اور بدعات پر عمل پیرا ہونے میں اسے آخرت کی کوئی چمک دکھائی نہیں دیتی۔ وہ ساری عمر اس تردّد کا شکار رہتا ہے اور اسی تردّد میں اس کا آخری وقت آجاتا ہے۔ یہ وہ وقت ہے جس کے انتظار میں شیطان لعین مدت سے گھات لگائے ہوئے تھا۔

اب یہ تردّد بڑھ کر قطعیاتِ اسلام کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے اور جونہی وہ اسلام کی صداقت میں شک میں پڑتا ہے روح قفسِ عنصری سے پرواز کر جاتی ہے۔

؎ حسرت ہے اس مسافرِ بے بس کے حال پہ
جو تھک کے رہ جائے ہے منزل کے سامنے

چند شبہات کا اِزالہ

اس راہ میں اُٹھنے والے چند شبہات کا اصولی جواب ہم پہلے دے آئے ہیں. یہاں اس سلسلے میں کچھ اور وضاحت کی جاتی ہے۔

کیا اقامت تراویح بدعت ہے؟

① —— اہل بدعت کی جانب سے اکثر یہ بات سُنی جاتی ہے کہ حضرت عمرؓ نے تراویح کی نماز جو با جماعت مقرر کی اس کے لیے وہ خود فرماتے ہیں کہ ان کانت ھٰذہ بدعۃ فنعمۃ البدعۃ. اگر یہ نیا طریقہ ہے تو اچھا طریقہ ہے

الجواب

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ بدعت کی شرعی حد صحابہ کرامؓ کے بعد سے شروع ہوتی ہے. رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء راشدینؓ کا عمل تو ہمارے لیے خود حجت ہے. جس کی تفصیل گزر چکی اور خود سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:۔

اصحابی کالنجوم فبایّھم اقتدیتم اھتدیتم. (الحدیث)

مہ می گوید کہ اصحابی نجوم للسری قدوۃ وللطاغی رجوم

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا:۔

انی لا ادری ما قدر بقائی فیکم فاقتدوا بالّذین من بعدی ابی بکرؓ و عمرؓ۔[1]

---

[1] ترمذی جلد ۲ صـ۲۰۷ مسند احمد جلد ۵ صـ۲۸۵

ترجمہ: میں نہیں جانتا کہ میں کب تک تمہارے اندر زندہ رہوں گا اس لیے میں تمہیں اپنے بعد ابو بکرؓ اور عمرؓ کی اقتداء کرنے کی تلقین اور تاکید کرتا ہوں۔

(۲) —— جب صحابی اپنے کسی عمل کو بدعت کہے تو اس سے مراد بدعتِ شرعی نہیں بلکہ بدعت لغوی ہے۔ علامہ حافظ ابن رجب حنبلیؒ (۷۹۵ھ) لکھتے ہیں:۔

واما ما وقع فی کلام السلف من استحسان بعض البدع فانما ذلك فی البدع اللغویة لا الشرعیة فمن ذلك قول عمر رضی الله عنه لما جمع الناس فی قیام رمضان علیٰ امام واحد فی المسجد وخرج ورأهم یصلون كذلك فقال نعمة البدعة هٰذه۔

ترجمہ: بزرگوں کے کلام میں جو بدعت کے استحسان کا ذکر آیا ہے اس سے مراد بدعت لغوی ہے بدعت شرعی نہیں۔ اسی میں سیدنا حضرت عمرؓ کا یہ ارشاد ہے جب انہوں نے لوگوں کو رمضان میں باجماعت نمازِ تراویح پہ جمع کیا اور دیکھا تو فرمایا کہ یہ اچھا طریقہ ہے۔"

علامہ موصوفؒ اس پہ لکھتے ہیں:۔

ومراده ان هٰذا الفعل لم یکن علیٰ هٰذا الوجه قبل هٰذا الوقت ولکن له اصل فی الشریعة یرجع الیها۔[1]

ترجمہ: حضرت عمرؓ کی اس قول سے مراد یہ ہے کہ ایسا کرنا اس کیفیت سے پہلے تو نہ تھا لیکن اس کی اصل شریعت میں ضرور موجود تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تراویح کی مسجد میں اقامت کر کے اس کی راہ خود بنا چکے تھے۔

علامہ موصوفؒ نے اس کی چند مثالیں ذکر فرمائی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات گرامی کا یہ عمل دراصل سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے مستفاد تھا اور ہم بتا چکے ہیں کہ ان

---

[1] جامع العلوم والحکم ص۲۳۴

حضرات کے کام بھی سنت ہیں جس کی تائید سیدنا حضرت علی المرتضیٰؓ کے ارشاد سے بھی تبلادی گئی ہے۔ اس لیے ان پر بدعت کا اطلاق ہرگز نہیں کیا جا سکتا۔

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ (۷۲۸ھ) بھی لکھتے ہیں:۔

ھٰذا الذی فعلہ سنۃ لکنہ قال نعمۃ البدعۃ ھٰذہ من حیث المعنی اللغوی لکونھم لم یفعلونہ فی حیاۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم یعنی من الاجتماع علی مثل ھٰذہ وھی سنۃ من الشریعۃ۔[1]

ترجمہ: یہ جو آپ نے کیا وہ سنت تھا لیکن اس نے اسے نعمۃ البدعۃ کہا۔ ایسا کیا لغوی اعتبار سے تھا کیونکہ صحابہؓ اس طرح (ایک جماعت سے تراویح) حضورؐ کے زمانے میں نہ پڑھتے تھے یعنی اس طرح کا اجتماع نہ ہوتا تھا اور تراویح پڑھنا شرعاً سنت ہے بدعت نہیں۔

حضرت امام ابو یوسفؒ (۱۸۲ھ) کہتے ہیں:۔

سألت اباحنیفۃ رحمۃ اللہ عن التراویح ومافعلہ عمر رضی اللہ عنہ فقال التراویح سنۃ مؤکدۃ ولم یخترعہ عمر من تلقاء نفسہ ولم یکن فیہ مبتدعا ولم یأمر بہ الا عن اصل لدیہ و عھد من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔[2]

ترجمہ: میں نے امام ابو حنیفہؒ سے حضرت عمرؓ اور تراویح کے فعل کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ تراویح سنتِ مؤکدہ ہے اور حضرت عمرؓ نے اس کو اپنی طرف سے اختراع نہیں کیا اور نہ وہ کوئی بدعت ایجاد کرنے والے تھے انہوں نے جو کچھ حکم دیا وہ کسی اصل کی بناء پر تھا جو ان کے پاس موجود تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی عہد پر مبنی تھا۔

---

[1] فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ جلد ۲۲ ص ۲۳۴ [2] الاختیار لتعلیل المختار جلد ۱ ص ۶۱ للشیخ موصلی الحنفیؒ ۶۸۲ھ۔

مشکوٰۃ شریف کے شارح حضرت مولانا نواب قطب الدین صاحبؒ لکھتے ہیں:۔

حق یہ ہے کہ جو کچھ کہ خلفائے راشدینؓ نے کیا سنت ہے۔ پس معنی بدعت کے یہاں باعتبار لغت کے ہیں نہ اصطلاح فقہاء کے۔[1]

خلاصہ کلام یہ کہ جو حضرات سیدنا حضرت عمرؓ کے اس ارشاد کو سامنے رکھ کر اپنے مروجہ بدعات (جس کی شرع میں کوئی اصل نہیں) کی ترویج و تشہیر چاہتے ہیں وہ درحقیقت ان حضرات گرامی قدر پر بہت بڑا بہتان باندھتے اور یہ کہتے نہیں ڈرتے کہ معاذ اللہ صحابہؓ بھی بدعتی تھے۔ (معاذ اللہ)

اس کی مزید تفصیل علامہ حافظ ابن رجب حنبلیؒ کی جامع العلوم والحکم ص۲۳۳، علامہ ابن تیمیہؒ کی تصنیف اقتضاء الصراط المستقیم میں، صلوٰۃ التراویح لیست بدعۃ شرعیۃ ص۲۷۵ پر اور علامہ ابن حجر مکیؒ کی فتح المبین بشرح الاربعین ص۱۹۱ پہ ملاحظہ فرمائیں۔

محمد بن نصر مروزی کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک سوال کے جواب میں الزاماً یہ بات کہی تھی کہ اگر یہ بدعت ہے تو اچھی بدعت ہی اور اچھی بدعت وہ ہے جس کی اصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہو اور اسے آپ نے وقتی طور پر چھوڑا ہو وہ متروک عن اصلہ نہ ہو۔ اس پر نئے سرے سے عمل کرنا نعمت البدعۃ ہے یہ شرعی بدعت نہیں ہے۔[2]

جس چیز کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ بدعت نہیں؟

اہل بدعت کا ایک استدلال یہ بھی ہے کہ حدیث پاک میں آیا ہے:۔

ما راٰہ المسلمون حسناً فھو عند اللہ حسن۔

ترجمہ: جس چیز کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہے۔

اس سے استدلال کرتے ہوئے اہل بدعت کا کہنا ہے کہ ہمارے اکثر اعمال کو مسلمان

---

[1] مظاہر حق جلد ا ص۲۳ [2] دیکھئے فتح الملہم جلد ۲ ص

اچھا سمجھتے ہیں اور ان پر عمل کرتے ہیں، سو یہ اعمال بدعات کے زمرے میں نہیں آتے۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ تمام مسلمان جس چیز کو اچھا سمجھیں وہ بدعت نہیں ہو سکتی۔

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ اہل بدعت کو حدیث پاک کے مفہوم و مطلب کے سمجھنے میں بڑی غلطی لگی ہے۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہماری بدعات میں چونکہ بہت سے مسلمان شامل ہو جاتے ہیں اور ان کو اچھا سمجھتے ہیں، اسی لیے یہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہونگی۔ حاشا حدیث پاک کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ جسے عام مسلمان اچھا سمجھ لیں وہ اچھی بن کر دین بن جائے ـــــ علماء اسلام نے اس کا مطلب واضح کر دیا ہے جس سے یہ شبہ دفع ہو جائے گا۔ صاحب مجالس الابرار لکھتے ہیں:۔

اگر کوئی یہ کہے کہ اکثر لوگ ان بدعتوں کے جواز میں جن کے وہ عادی ہیں اس حدیث سے سند لاتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ جس بات کو مسلمان اچھا سمجھیں ..... الخ تو کیا ان کا یہ استدلال صحیح ہے؟ ـــــ (جواب یہ ہے کہ) ان کا یہ استدلال جیسا کہ بعض فضلاء نے کہا ہے ٹھیک نہیں ہے اور یہ روایت ان کو مفید نہیں، بلکہ مضر ہے، کیونکہ یہ اس حدیث کا ٹکڑا ہے جو عبداللہ بن مسعودؓ پر موقوف ہے اور اس کو احمد اور بزاز، طبرانی، طیالسی، ابونعیم نے اس طرح روایت کیا ہے[1]:۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں کو دیکھا تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو منتخب کیا، پھر آپ کو رسول بنا کر مبعوث فرمایا، پھر اس نے اپنے بندوں کے دلوں کی طرف دیکھا تو ان میں سے آپ کے لیے اصحاب منتخب کیے اور ان کو دین اسلام کا مددگار اور نبی علیہ السلام کا وزیر بنایا۔ پس جس چیز کو یہ مومنین اچھا سمجھیں، وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی اور جس چیز کو یہ مؤمنین بُرا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی بُری ہے۔

---

[1] علامہ جمال الدین زیلعی نے نصب الرایہ جلد ۲ صفحہ ۱۳۳ پر اور علامہ صلاح الدین علائی نے بھی اس کو ابن مسعودؓ پر موقوف بتلایا ہے۔

① اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ المسلمون میں الف لام مطلق جنس کے لیے نہیں ہے (اگر مطلق جنس کے لیے ہو تو) اس صورت میں یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے خلاف پڑے گی کہ میری امت میں تہتر فرقے ہوں گے جن میں سوائے ایک کے سب دوزخی ہوں گے. سو امت کا ہر فرقہ اپنے ہی مذہب کو اچھا اور سچا سمجھتا ہے. تو لازم آئے گا کہ کوئی فرقہ دوزخی نہ ہو حالانکہ ایسا نہیں ہے).

② اسی طرح چند مسلمان ایک بات کو اچھا سمجھتے ہیں اور چند مسلمان بُرا تو لازم آتا ہے کہ حُسن و قبح میں کوئی تمیز نہ رہے.

③ یا تو الف لام عہد کے لیے ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ معہود وہی لوگ ہیں جن کا ذکر افتخار صحابہؓ میں ہے. پس المسلمون سے مراد فقط صحابہؓ ہیں.

④ یا خصائص جنس کے استغراق کے لیے ہے. پس المسلمون سے مراد وہ لوگ ہیں جو مجتہد ہیں اور اسلام کی صفت میں کامل ہیں. تو اب معنی یہ ہوں گے کہ جس بات کو صحابہ کرامؓ یا اہل اجتہاد اچھا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی عمدہ ہے اور جس کو صحابہ کرامؓ یا اہل اجتہاد قبیح سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی قبیح ہے.

⑤ اور ممکن ہے کہ لام استغراقِ حقیقی کے لیے ہو. اس صورت میں معنی ہو گا کہ جس بات کو تمام مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی اور جس بات کو تمام مسلمان بُرا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی بُری ہے اور جس بات میں اُن کا اختلاف ہو جائے تو اب اس میں قرونِ ثلاثہ کا اعتبار ہو گا جس کی نسبت خیر کی شہادت ہے. مجالس الابرار مترجم ص۱۰

اہلسنت وہی ہیں جو اپنا دین پہلوں سے لیں صحابہ کرامؓ اور قرونِ ثلثہ مشہود لہا بالخیر کی پیروی کریں. نہ وہ لوگ کہ اپنی پسند کو صحابہؓ کی پسند کے درجہ میں رکھیں اور اپنے آپ کو ان کے برابر سمجھیں.

نوٹ

○ مجالس الابرار کتاب کی امام ہمام حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ نے تعریف و توصیف فرمائی ہے اور اس کے مصنف کو عالم، متدین، متورع اور علوم شرعیہ کے فنون مختلفہ پہ حاوی بتایا ہے۔ اسی طرح "کشف الظنون" اور "اتحاف النبلاء" میں بھی اس کی تعریف کی گئی ہے[1]

مندرجہ بالا تفصیلی عبارت سے واضح ہو گیا کہ یہ روایت جسے اہل بدعت بار بار بطور دلیل کے پیش کرتے ہیں درحقیقت صحابہ کرامؓ ہی کے بارے میں ہے۔ لہذا صحابہ کرامؓ جس چیز کو اچھی سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی اور جس کو وہ بُرا سمجھیں اس کی قباحت کا انکار ممکن نہیں اب آپ ہی سوچیں کہ وہ تمام بدعات جن پر اہل بدعت کو بڑا ناز ہے (اور نہ کرنے والوں کو طعن و تشنیع کرتے ہیں) صحابہ کرامؓ سے ثابت ہیں یا نہیں؟ ائمہ مجتہدین سے ثابت ہیں یا نہیں؟ اگر اس میں خیر کا کوئی پہلو ہوتا تو ہرگز ہرگز صحابہ کرامؓ اسے ترک نہ کرتے۔ اس لیے کہ ان کا علم بھی وسیع تھا اور عمل بھی بے نظیر، عشق بھی درجۂ کمال تک پہنچا ہوا تھا اور جذبۂ اطاعت بھی کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، نیکی اور بھلائی کے حریص بھی تھے اور ہر نیکی و بھلائی کو حاصل کر کے اس پر عمل بھی فرمایا کرتے تھے۔ مگر آپ دیکھتے ہیں کہ (ان تمام بدعات پر) نہ تو ان مبارک ہستیوں نے عمل کیا نہ انہوں نے اس کی تاکید کی، لہذا یہ روایت اہل بدعت کے لیے دلیل نہیں بلکہ ان کی مخالفت و تردید پہ صریح ہے۔ اسی لیے صاحب "مجالس الابرار" نے فرمایا کہ "ان کو مفید نہیں بلکہ مُضر ہے۔"

ــــ چمن میں تھیں ڈالیاں ہزاروں مگر مقدر کا کھیل دیکھو
گری اسی شاخ پہ ہے بجلی بنایا تھا جس پہ آشیانہ

---

[1] دیکھئے مقدمہ کتاب صفحہ ۳۶ مجالس الابرار

(۲) حضرت امام عبداللہ الحاکم (ہ ۴۰۵ھ) سند صحیح کے ساتھ اس روایت کو اس طرح نقل کرتے ہیں۔

ماراہ المسلمون حسناً فھو عند اللہ حسن و ماراہ المسلمون سیئاً فھو عند اللہ سیئ وقد رای الصحابۃ جمیعاً ان یستخلفوا ابابکر[1]

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ روایت درحقیقت صحابہ کرامؓ ہی کے بارے میں ہے اور انہی کے قول و عمل پر حسن کا دار و مدار ہے

(۳) احناف کی مشہور کتاب "شامی" میں ہے:۔

لاشک ان فعل الصحابۃ حجۃ وماراہ المسلمون حسناً فھو عند اللہ حسن[2]

ان عبارات کا حاصل یہ کہ صحابہ کرامؓ جس چیز کو اچھا سمجھیں وہی اچھی اور جس کو بُرا سمجھیں وہ بُری ہوگی، آج کل کے عوام کا کسی چیز کو اچھا سمجھ لینا دین و شریعت نہیں بن سکتا — کہ جس کو اہلِ بدعت تائید میں پیش کریں، وہ شریعت بن جائے۔

عامۃ النّاس کے عمل سے سند

اہلِ بدعت کی جانب سے یہ دلیل اکثر و بیشتر پیش کی جاتی ہے کہ اس میں بہت لوگوں کا تعاون ہے اور ان بدعات میں لوگوں کی رغبت ہے۔ اس لیے لوگوں کا تعامل و تعاون اس بات کی دلیل ہے کہ یہ چیز اللہ کے نزدیک مستحسن ہوگی اور بدعت نہیں کہلا سکتی، اتنے مسلمانوں کی بات کو اللہ تعالیٰ کیسے رد کرے گا۔

جواب

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ بدعت بدعت ہی ہے۔ مخلوق کا تعامل یا ان کا تعاون بدعت کو سنت نہیں بنا سکتا اور نہ یہ کہہ سکتا ہے کہ اب یہ بدعت نہیں رہی۔ امام غزالیؒ (ہ ۵۰۵ھ) سیدنا حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں:۔

---

[1] المستدرک للحاکم جلد ۳ ص۷۸ [2] شامی جلد ۱ ص۲۰۲

بے شک ابن عباسؓ نے سچ کہا ہے کیونکہ جو شخص اس زمانہ میں دین پر قائم نہ رہے بلکہ مخلوقات کے ساتھ جس میں وہ لگے ہوں لگ جائے اور جس میں وہ مصروف ہوں یہ بھی مصروف ہو جائے، جس میں وہ ڈوبے ہوئے ہوں یہ بھی ڈوب جائے تو وہ بھی ان کی طرح ہی ہلاک ہوگا۔[1]

صاحب مجالس الابرار بھی لکھتے ہیں :۔

حق کو اختیار کرو اور اس پر عمل کرو اگرچہ اس پر عمل کرنے والے کم ہوں اور مخالف زیادہ ہوں۔ اس لیے کہ وہ حق ہے جس پر پہلی جماعت یعنی صحابہ کرامؓ ہوں اور بعد صحابہؓ کے انبوہ باطل کا کچھ اعتبار نہیں۔[2]

حضرت فضیل بن عیاضؒ بھی فرماتے ہیں :۔

ہدایت کی راہ مضبوطی سے اختیار کرو۔ اس پر چلنے والوں کی کمی کا کچھ ضرر نہیں اور گمراہی کے راستے سے بچتے رہو۔ اس میں مبتلا ہونے والوں کی کثرت سے دھوکا نہ کھاؤ۔

بعض سلفؒ کا مقولہ ہے :۔

جب تم شریعت کے مطابق ہو جاؤ اور حقیقت کو سمجھ لو تو کچھ پرواہ نہ کرو اگرچہ ساری خلقت تمہاری رائے کے خلاف ہو جائے۔[3]

ان عبارات کا حاصل یہ ہے کہ مخلوق کی کثرت کا کوئی اعتبار نہیں۔ اصل اعتبار کتاب و سنت کا ہے۔ سیدنا مجدد الف ثانی الشیخ احمد سرہندیؒ نے بھی بہت خوب لکھا ہے :۔

اس زمانے کے اکثر علماء بدعتوں کو رواج دیتے ہیں اور سنتوں کو محو کرتے ہیں، شائع اور پھیلی ہوئی بدعات کو تعامل جان کر جواز بلکہ استحسان کا فتویٰ دیتے ہیں اور لوگوں کو بدعت کی طرف راہنمائی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر

---

[1] مجالس الابرار ص۱۷۳ [2] ایضاً ص۱۷۲ [3] ایضاً ص۱۷۳

گمراہی شائع ہو جائے اور باطل متعارف و مشہور ہو جائے تو تعامل ہو جاتا ہے مگر یہ نہیں جانتے کہ یہ تعامل استحسان کی دلیل نہیں، تعامل جو معتبر ہے وہ وہی ہے جو صدر اول سے آیا ہے یا تمام لوگوں کے اجماع سے حاصل ہوا ہے جیسا کہ فتاوے غیاثیہ میں مذکور ہے۔

شیخ الاسلام شہیدؒ کا ارشاد نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

ایک شہر کا تعامل جواز پہ دلالت نہیں کرتا، وہ تعامل جواز پہ دلالت کرتا ہے جو صدر اول سے استمرار کے طور پہ ہوتا چلا آیا ہو۔ تاکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر پہ دلیل ہو اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے اس کا مشروع ہونا ثابت ہو اور اگر اس قسم کا تعامل نہ ہو تو لوگوں کا فعل حجت نہیں ہو سکتا۔[1]

حضرت مجدد صاحب کے ارشاد سے معلوم ہو گیا کہ مخلوق کا تعامل جواز کی دلیل و حجت نہیں وہی بات حجت اور معتبر ہے جو صدر اول یعنی کتاب و سنت، صحابہ کرامؓ اور اسلاف عظام سے ثابت و واضح ہو۔ فافہم

صُوفیہ کے عمل سے کیا بدعات کو سند مل سکتی ہے ؟

اہل بدعت بدعات کے جواز میں حضرات صوفیہ کرام و مجذوبین کا قول و عمل پیش کر کے کہتے ہیں کہ ان کا قول و عمل اس بات کی دلیل ہے کہ یہ بدعت نہیں اور بنظر غائر دیکھا جائے تو اکثر و بیشتر ایسے ہی اقوال و اعمال پہ بدعات کی عمارت استوار کی جاتی ہے، لوگ اپنے پیر خانوں کے نام سے چلنے لگتے ہیں۔

جواب

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ حضرات صُوفیہ بے شک بزرگوں میں سے ہیں لیکن اُن کا

---

[1] مکتوبات دفتر دوم مکتوب ۵۴

قول و عمل جب تک کتاب و سنت کے ترازو پر نہ تولا جائے گا معتبر نہ ہو گا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ صوفیہ کرام و مجذوبین سے بعض اوقات حالت وجد میں یا حال کے وارد ہونے پر ایسے اعمال واقوال سرزد ہو جاتے ہیں جن کا تعلق صرف ان کے اس حال سے مخصوص ہوتا ہے اور ان کے اس حال کو خدا کے سپرد کر دیا جاتا ہے لیکن ان کے اس قول و عمل کو شریعت نہیں قرار دیا جاسکتا سیدنا مجدد الف ثانیؒ تحریر فرماتے ہیں :-

صوفیاء کا عمل حلت و حرمت میں سند نہیں ہے۔ ہمیں اتنا کافی ہے کہ ہم ان کو معذور سمجھیں اور ملامت نہ کریں اور ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیں۔ اس معاملہ (یعنی حلت و حرمت) میں۔ امام ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا قول معتبر ہے نہ کہ ابو بکر شبلیؒ، ابوالحسن نوریؒ کا عمل۔ اس زمانہ کے صوفیاء عظامؒ نے اپنے پیروں کے عمل کو بہانہ بنا کر سرود و رقص کو اپنے دین و ملت کے طور پر اختیار کیا ہے اور اس کو طاعت و عبادت بنا لیا ہے۔ اتخذوا دینھم لھوًا ولعبًا (انہوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنا رکھا ہے)[1]

ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :-

احکام شرعیہ کے ثابت کرنے میں معتبر کتاب و سنت ہے اور مجتہدوں کا قیاس اور اجماع امت بھی حقیقت میں احکام کے مثبت ہیں۔ ان چار شرعی دلیلوں کے سوا اور کوئی ایسی دلیل نہیں جو احکام شرعیہ کو ثابت کر سکے۔ الہام حلت و حرمت کو ثابت نہیں کرتا اور باطن والوں کا کشف فرض و سنت کو ثابت نہیں کرتا۔ ولایت خاصہ والے لوگ اور عام مومنین مجتہدوں کی تقلید میں برابر ہیں[2]

سیدنا مجدد الف ثانیؒ کی خدمت میں کسی نے ایسے ہی کسی بزرگ کا عمل پیش کر کے حجت بنانا چاہا تو آپ اس کی تاب نہ لا سکے اور آپ کے قلم سے بے اختیار یہ فقرے نکل گئے :-

---

[1] مکتوبات شریف دفتر اول ص۲۰۲ [2] ایضاً دفتر دوم ص۱۲۱

مخدوما! فقیر کو ایسی باتوں کے سننے کی تاب نہیں۔ بے اختیار میری رگ فاروقی حرکت میں آجاتی ہے اور تاویل و توجیہ کا موقع نہیں دیتی، ایسی باتوں کے قائل خواہ شیخ کبیر یمنی ہوں یا شیخ اکبر، ہمیں کلام محمد عربی علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام درکار ہے نہ کہ کلام محی الدین ابن عربیؒ و صدر الدین قونویؒ و شیخ عبدالرزاق کاشیؒ، ہم کو نص سے کام ہے نہ کہ فص سے، فتوحاتِ مدنیہ نے فتوحاتِ مکیہ سے مستغنی بنا دیا ہے۔[1]

مطلب یہ ہے کہ دینی معاملات میں ائمہ مجتہدین کا قول تو معتبر ہو سکتا ہے صوفیہ کرام کا نہیں (اگر کتاب و سنت سے ثابت ہو تو پھر اور بات ہے) اس لیے کہ وہ محض صوفیہ ہیں، اہل اجتہاد میں سے نہیں۔ حضرت امام ترمذی (۲۷۹ھ) ایک حدیث کی تحقیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

وکذلک قال الفقہاء وھو اعلم بمعانی الحدیث[2]

ترجمہ۔ اور اسی طرح فقہاء نے فرمایا ہے اور وہ حدیث کے معانی کو زیادہ بہتر سمجھتے ہیں۔

حضرت امام وکیعؒ (۱۹۷ھ) بھی فرماتے ہیں:۔

وحدیث یتداولہ الفقہاء خیر من ان یتداولہ الشیوخ[3]

ترجمہ۔ اور وہ حدیث جس کو فقہاء روایت کرتے ہیں اس سے زیادہ بہتر ہے جس کو صرف شیوخ بیان کرتے ہوں۔

علامہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (۸۵۲ھ) ایک مقام پر لکھتے ہیں:۔

فان علم الحلال والحرام انما یتلقی من الفقہاء[4]

ترجمہ۔ حلال و حرام کا علم (اور مسائل) تو فقہاء ہی سے اخذ کیے جا سکتے ہیں۔

پتہ چلا کہ دینی معاملات میں یا کسی چیز کی حلت و حرمت میں نرے صوفیہ و شیوخ کے اقوال

---

[1] مکتوبات شریف دفتر اول ص۲۳۵ [2] ترمذی جلد ۱ ص۱۸۱ [3] معرفۃ علوم الحدیث ص۱۱ [4] فتح الباری ص۳۱ بحوالہ مقام ابی حنیفہ

و اعمال کو بطور حجت پیش کرنا درست نہیں، اعتبار و اعتماد فقہاء کرام کا ہے اس لیے کہ وہ دین کے مسائل پر گہری نظر رکھتے ہیں اور دین کی لم سے واقف ہے اور بات اصل سے کہتے ہیں مجد سے نہیں۔

صاحب مجالس الابرار بھی تحریر فرماتے ہیں:۔

دلیل مخصص وہی دلیل ہوتی ہے جو شرعی ہو اور قرآن وحدیث اور ان لوگوں کے اجماع سے جو اہلِ اجتہاد ہیں ماخوذ ہو ـــــ اور جو عابد زاہد اہلِ اجتہاد نہیں ہیں وہ عوام میں داخل ہیں ان کی بات کا اعتبار نہیں۔ ہاں اگر ان کی بات اصول اور معتبر کتابوں کے مطابق ہو تو پھر اس وقت معتبر ہوگی۔ خلاف قرآن وحدیث کسی عابد وزاہد کی بات نہ ماننا خود حدیث و اجماع امت سے ثابت ہے اور ساتھ ہی قرآن میں بھی اس کا اشارہ پایا جاتا ہے۔[1]

مشائخ اور صوفیہ سے کوئی ایسی بات دیکھیں جو بظاہر قرون ثلثہ (اسلام کے بہترین زمانوں) میں نہ پائی گئی تو یہی بس ہے کہ ہم اس پہ انہیں ملامت نہ کریں اور اسے منکرات میں نہ سمجھیں لیکن یہ نہیں کہ اس کی سند پکڑیں اور اسے نیکی کا کام سمجھ کر آگے عمل میں لائیں۔ فقہاء جو بات کہیں گے وہ کتاب وسنت سے ماخوذ ہوگی اور اجتہاداً انہوں نے دریافت کی ہوگی اور مشائخ اگر کوئی ایسی بات کریں یا کہیں تو ہو سکتا ہے کہ ان پہ کوئی حال وارد ہو یا وہ یہ بات فقط علاجًا کہہ رہے ہوں ـــــ پیرانِ کرام کے عمل سے نہ کسی اصل شرع کی تخصیص جائز ہے نہ اس میں امت کے لیے کوئی راہ عمل ہے۔ اپنے پیروں کے عمل کے بہانے سے کسی عمل کو مسجد میں سند بنانا جائز نہیں۔

صحابہؓ خود بدعت کا موضوع نہیں

صحابہؓ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تاثیر صحبت سے اس درجہ تزکیہ قلب ہو چکا تھا کہ ان کے سینوں میں رضاء الٰہی کے خلاف کسی نفسانی خواہش کی دھڑکن تک نہ سنی جاتی تھی۔ بدعت کا سرچشمہ ذہنی

---

[1] مجالس الابرار ص ۱۶۶

درماندگی اور نفسانی خواہشات ہوتی ہیں یہیں سے بدعات کے سوتے پھوٹتے ہیں جب یہ ان حضرات میں منتفی ہوئیں تو یہ ناممکن ہوا کہ کوئی صحابی اپنے طور پہ دین میں کوئی نیا کام پیدا کرے اور دین میں وہ دین میں وہ چیز لے آئے جو دین میں سے نہ ہو۔

اُدھر حضورؐ نے فرمایا کہ میرے صحابہؓ ستاروں کی مانند ہیں جس کی پیروی کرو تم راہِ ہدایت پا لو گے اب ظاہر ہے کہ ستاروں سے روشنی ہی ملے گی ــــ روشنی تیز ہو مدھم ــ لیکن ملے گی روشنی ہی۔ اندھیرا کسی سے نہ ملے گا۔ سو صحابہؓ دین کا کوئی کام گو وہ نصاً اور صراحۃً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ بھی منقول ہو، وہ بدعت نہ سمجھا جائے گا۔ ہم یقین رکھیں گے کہ اس صحابی کے پاس اس باب میں حضورؐ سے کوئی اصل ضرور پہنچی ہوگی۔

صحابہؓ کا یہ مقام کسی بڑے سے بڑے شیخ طریقت کو حاصل نہیں۔ شیخ طریقت اپنے متوسلین کو کسی ایسی چیز کا پابند کرے جو پابندی شریعت نے نہیں لگائی یا جو چیز شرعاً لازم نہیں اس کا التزام کرے اسے اگر کسی درجے میں گوارا کیا جا سکتا ہے تو صرف اس تاویل سے کہ ایسا کرنا عقیدت مندوں کے لیے صرف علاجاً تجویز کیا جا رہا ہے۔ یہ صرف صحابہ کا مقام ہے کہ ان کی دین کی بتلائی ہر بات شریعت سمجھ کر قبول کی جائے۔ اگر کوئی بات ان کی اجتہاداً درست نہ بھی ہو تو بھی اس پہ بدعت کا اطلاق ہرگز نہ ہوگا۔ بدعت کی حد یہ ہے کہ صحابہؓ کے عمل میں اس کی کوئی اصل موجود نہ ہو ــــ بدعت کا دور ان کے بعد شروع ہوا ہے۔ حضرت حذیفہؓ (۳۶ھ) کہتے ہیں:۔

کل عبادۃ لم یتعبدھا اصحاب رسول اللہ فلا تعبدوھا۔

ترجمہ۔ رضاء الٰہی کے ارادے سے کی جانے والی ہر نیکی جسے صحابہؓ نے دین کی بات نہیں سمجھا تم ہرگز اسے دین نہ سمجھنا۔

بدعت اور اہلِ بدعت

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی نظر میں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شمع رسالت کے پروانے، محبوب رب العالمین کے ستارے حضرات صحابہ کرامؓ ہیں۔ ان نفوسِ قدسیہ کو جس قدر سنتِ مطہرہ سے پیار اور لگاؤ تھا اسی قدر بدعت اور اہلِ بدعت سے بغض وعناد تھا۔ انہیں یہ بات حد درجہ گراں گزرتی تھی کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک شریعت میں کوئی رخنہ اندازی کرے۔ سیّدنا حضرت عبداللہ بن مغفلؓ حضرات صحابہ کرامؓ کی بدعت اور اہلِ بدعت سے نفرت کا جو نقشہ کھینچتے ہیں اسے ملاحظہ کیجئے:۔

لم ار احداً من اصحاب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان ابغض الیہ من الحدث۔[1]

ترجمہ۔ صحابہ کرامؓ بدعت کو بہت ہی زیادہ مبغوض رکھتے تھے۔

ظاہر ہے کہ یہ بغض اسی بناء پر تھا کہ بدعت کا ایجاد کرنا گویا اس بات کا اقرار کرنا ہے کہ الیوم اکملت لکم دینکم غلط ہے اور یہ کہ دینِ قیم ابھی نامکمل ہے۔ ہمارا یہ قول وعمل بھی دین میں داخل کیا جانا چاہیئے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رسالت کی ادائیگی میں خیانت اور کوتاہی فرمائی۔ اور یہ اقرار و دعوے حضرات، صحابہ کرامؓ کیسے برداشت کر سکتے ہیں۔ جنہوں نے حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رُوبرو اس بات کی شہادت دی تھی کہ دین کی تمام باتیں جو رب ذو الجلال نے

---

[1] ترمذی شریف جلد ۲

آپ کو بتلائی تھیں وہ ساری کی ساری آپ نے ہمیں بتلادی ہیں ذرہ بھر کتمان نہیں کیا۔ حضرت، ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضؓ فرماتی ہیں:۔

ومن حدثك انه كتم فقد كذب ثم قرأت یا ایها الرسول بلغ ما انزل الیك من ربك. الاٰیه[1]

ترجمہ۔ جو شخص یہ کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی بات چھپائی تو اس نے جھوٹ کہا۔ پھر (ام المومنینؓ) نے آیت کریمہ پڑھی (ترجمہ) اے رسولؐ! پہنچا دیجیے جو آپ پر اترا آپ کے پروردگار کی طرف سے۔ الآیۃ

یُوں تو حضراتِ صحابہ کرامؓ کی زندگی کا ایک ایک گوشہ پکار پکار کر جہاں سنتِ مطہرہ سے عشق ومحبت کی داستانیں سُنا رہا ہے وہیں بدعات واہل بدعات سے بغض وعناد کا درس دے رہا ہے۔ یہاں ان میں سے چند اقوال ونصائح درج کیے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سمجھنے کی اور اس پر عمل کرنے کی توفیق دے۔ آمین

حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کا ارشاد

(۱) اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ قرآن کریم کی آیت کریمہ من الذین فرقوا دینهم وکانوا شیعا كل حزب بما لدیهم فرحون. (پ ۲۱: روم) ترجمہ: جنہوں نے اپنے دین میں تفرقہ ڈالا اور ان میں بہت فرقے ہو گئے، ہر فرقہ جو اس کے پاس ہے اس پر خوش ہے" کی تفسیر میں ارشاد فرماتی ہیں:۔

اس سے مراد اہلِ بدعت کی جماعتیں ہیں[1]

بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کی یہی تفسیر فرمائی ہے[2]

(۲) حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کے بڑے بھائی حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضؓ کے یہاں

---

[1] الاعتصام جلد ا ص ۶۵ [2] دیکھیے البدایہ والنہایہ جلد ۹ ص ۲۵

اولاد نہ ہوتی تھی۔ ان کے گھر میں کسی عورت نے کہا کہ اگر عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے یہاں بچہ ہوا تو ہم عقیقہ میں اونٹ ذبح کریں گے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے سُنا تو فرمایا کہ نہیں بلکہ سنت افضل ہے۔ لڑکے کی جانب سے دو بکریاں کافی ہیں اور لڑکی کی جانب سے ایک[1]

اس سے پتہ چلتا ہے کہ سنتِ رسول کو چھوڑ کر کوئی دوسرا طریقہ اختیار کرنا ان دنوں بھی کوئی اچھی بات نہ سمجھا جاتا تھا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ارشاد

(۱) سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔

تم اصحابِ رائے سے بچو کیونکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کے دشمن ہیں وہ احادیث کی حفاظت سے عاجز رہے۔ اس کے بجائے انہوں نے اپنے قیاس سے کام لیا۔ سو وہ خود بھی گمراہ ہوئے اور لوگوں کو بھی گمراہ کر دیا[2]

(۲) حضرت مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ایک مؤذن نے اذان کے بعد الصلوٰۃ الصلوٰۃ پکار کر لوگوں کو نماز کے لیے بلانا شروع کیا۔ سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سُن کر فرمایا کہ کیا تو پاگل ہے؟ تیری اذان میں جو دعوت دی تھی وہ لوگوں کو بلانے کے لیے کافی نہ تھی[3] الصلوٰۃ الصلوٰۃ کہہ کر لوگوں کو نماز کی دعوت دینا کوئی بُرا کام نہ تھا مگر چونکہ اس سے دین میں زیادتی منہوم ہو رہی تھی۔ اس لیے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس سے روک دیا کہ دین میں نہ تو زیادتی قابلِ برداشت ہے ـــــ نہ کمی۔

(۳) ایک مرتبہ ارشاد فرمایا:۔

---

[1] مستدرک حاکم جلد ۲ صـ۲۳۸ [2] الدارقطنی جلد ۲ صـ۱۴۶ [3] المصنف لابن ابی شیبہ جلد صـ

خبردار! میں کوئی بدعتی نہیں، میں تو متبع ہوں[1]

حضرت علی المرتضیٰؓ کا ارشاد

(۱) ایک مرتبہ ایک شخص نے نماز عید سے قبل نماز نفل پڑھنا چاہی تو حضرت علی المرتضیٰؓ نے اسے منع فرما دیا۔ اس نے کہا کہ امیر المومنینؓ! میں تو سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے نماز پڑھنے پر سزا نہ دے گا۔ حضرت علی المرتضیٰؓ نے فرمایا کہ ہاں۔ اور میں بالیقین جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کسی فعل پر ثواب نہ دے گا جب تک کہ اس فعل کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہو یا اس کی ترغیب نہ دی ہو، پس تیری یہ نماز فعل عبث ہوگی اور فعل عبث حرام ہے اور شاید کہ اللہ تعالیٰ تجھے اپنے رسول کی مخالفت کی وجہ سے سزا دے[2]

(۲) ایک مرتبہ سیدنا حضرت علی المرتضیٰؓ نے ایک مؤذن کو عشاء کی نماز کے لیے تثویب کرتے دیکھا تو فرمایا کہ اس بدعتی کو مسجد سے نکال دو[3]

تثویب کا مطلب یہ ہے کہ مؤذن اذان کے بعد " الصلوٰۃ الصلوٰۃ " کہہ کر لوگوں کو بلاتا پھرے۔ چونکہ ایسا کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔ اس لیے اس پر بدعت ہونے کا فتوےٰ دیا ہے[4]

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کا ارشاد گرامی

سیدنا حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کا گذر ایک جماعت پر ہوا۔ آپ نے دیکھا کہ ایک شخص کہتا تھا ۱۰۰ سو مرتبہ اللہ اکبر پڑھو تو حلقہ نشین لوگ کنکریوں پر ۱۰۰ سو مرتبہ تکبیر کہتے تھے۔ پھر وہ کہتا کہ

---

[1] الاعتصام جلد ۱ ص ۱۰۱ [2] شرح مجمع البحرین کذا فی الجنۃ ص ۱۲۵ نظم البیان ص ۴۳ [3] بحر الرائق ص ۲۶۱ بیان تثویب [4] دیکھئے الاعتصام للشاطبی جلد ۲ ص ۱۱۴

سو بار لا الٰہ الا اللہ پڑھو تو وہ سو مرتبہ لا الٰہ الا اللہ پڑھتے، پھر وہ کہتا کہ سو مرتبہ سبحان اللہ کہو تو وہ سنگریزوں پر سو مرتبہ تسبیح پڑھتے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے یہ دیکھ کر فرمایا کہ تم ان کنکریوں پہ کیا پڑھتے رہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم تکبیر و تہلیل و تسبیح پڑھتے رہے۔ آپؓ نے اس کے جواب میں فرمایا:-

> تم ان کنکریوں پر اپنے گناہ شمار کیا کرو۔ میں اس کا ضامن ہوں کہ تمہاری نیکیوں میں سے کچھ بھی ضائع نہ ہوگا۔ تعجب ہے تم پر اے امتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہی جلدی تم ہلاکت میں پڑ گئے ہو۔ ابھی تک صحابہ کرامؓ تم میں بکثرت موجود ہیں اور اب تک حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے پرانے نہیں ہوئے اور ابھی تک آپ کے برتن نہیں ٹوٹے ...... اندریں حالات تم بدعت اور گمراہی کا دروازہ کھولتے ہو۔[1]

ملاحظہ فرمائیے تکبیر و تہلیل و تسبیح کا پڑھنا کوئی گناہ کی بات نہ تھی اور نہ ہی کوئی بُری حرکت تھی۔ مگر سیدنا حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے انہیں منع فرمادیا اور اس پر شدید تنقید کی۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ تکبیر و تہلیل و تسبیح کا پڑھنا اپنی جگہ ہزار برکتوں اور رحمتوں کا حامل ہے مگر اس خاص ہیئت و کیفیت کی وجہ سے یہ اعمال بھی بدعت بن جاتے ہیں۔ اس لیے کہ اس کا کوئی خاص طرز و طریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں بتلایا تھا اور صحابہ کرامؓ سے ایسا کرنا ثابت نہ تھا۔ اگر اس پر کوئی عمل کرتا اور اصرار کرتا ہے تو اس کا مطلب یہی ہے کہ وہ اپنے آپ کو ان اکابرین سے زیادہ عالم سمجھتا ہے۔ جب کہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے فرمایا:-

> میں عبد اللہ بن مسعودؓ ہوں خدائے وحدہٗ لا شریک لہٗ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم نے یہ نہایت تاریک اور سیاہ بدعت ایجاد کی ہے یا کیا تم علم میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ سے بڑھ گئے ہو۔[2]

---

[1] مسند دارمی ص ۳۸ [2] مجالس الابرار ص ۲۲ تلبیس ابلیس ص ۱۷

شیخ الاسلام ابن دقیق العیدؒ (۷۰۲ھ) نقل کرتے ہیں :-

عبداللہ بن مسعودؓ اس موقع پر پہنچے اور آپ سر پر کپڑا اوڑھے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ جو مجھ کو جانتا ہے سو جانتا ہے اور جو مجھ کو نہیں جانتا تو میں بتائے دیتا ہوں کہ میں عبداللہ بن مسعودؓ ہوں۔ تم جانتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرامؓ سے زیادہ تم ہدایت پر ہو ؟ (معاذ اللہ یعنی نہیں) پھر فرمایا کہ تم نے ایک بہت بڑی بدعت ایجاد کی ہے یا تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ پر علم میں فضیلت حاصل کر چکے ہو ؟

اس پر علامہ ابن دقیق العیدؒ فرماتے ہیں کہ :-

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے مخصوص ہیئت اور کیفیت کے ساتھ اس فعل کا انکار کیا ہے۔ حالانکہ فضیلتِ ذکر کے عام دلائل کے تحت اس کا ادراج ممکن تھا۔[۱]

درود شریف پڑھنا ایک بہت بڑی فضیلت اور موجب برکات و رحمت ہے مگر انفرادی طور پر اور آہستہ ۔ زور سے پڑھنا اور اس کے لیے وقت اور ایک مخصوص کیفیت بنانا مخصوص صورت بنانا شریعت کی نظر میں جائز نہیں۔ علامہ محمد بن محمد الخوارزمی المشہور بالبزازی الحنفیؒ (۸۲۷ھ) ذکر بالجہر کا مسئلہ نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

قاضی صاحب کے فتاویٰ سے نقل کیا ہے کہ جہر سے ذکر کرنا حرام ہے کیونکہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے صحیح روایت کے ساتھ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ انہوں نے ایک جماعت کو مسجد سے محض اس لیے نکال دیا تھا کہ وہ بلند آواز سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ پڑھتے تھے اور فرمایا کہ میں تمہیں بدعتی خیال کرتا ہوں۔[۲]

مولانا احمد رضا خاں صاحب کے ممدوح مولانا عبدالسمیع صاحب رامپوری اس روایت کو صحیح سمجھتے ہیں اور "قد صح عن ابن مسعودؓ" کے الفاظ نقل کرتے ہیں۔[۳]

---

[۱] احکام الاحکام جلد ۱ صفحہ ۵۲ المنہاج الواضح صفحہ ۲۲۱ [۲] شامی جلد ۲ صفحہ ۳۵۰ فتاویٰ بزازیہ جلد ۲ صفحہ ۳۷۵ [۳] دیکھئے انوار ساطعہ صفحہ ۲۹

وجہ وہی ہے تکبیر وتہلیل وتسبیح یا درود شریف کے لیے اس طرح کی مخصوص حالت اور کیفیت کا اپنانا چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں نہ تھا۔ اس لیے آپ نے حلقہ باندھنے والے لوگوں کو دین میں ایک چیز کا موجد قرار دے کر بدعتی کے لفظ سے خطاب کیا۔ ورنہ یہ اذکار تو بہت ہی بابرکت اور دین و دُنیا کے لیے سرمایہ ہیں۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا سرفراز خاں صاحب صفدر فرماتے ہیں :۔

انقلابِ زمانہ دیکھیے کہ آج جو شخص بلند آواز سے جماعت کے ساتھ مل کر درود شریف نہیں پڑھتا، اہلِ بدعت اس کو مسجد سے نکال دیتے ہیں مگر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے بلند آواز کے ساتھ مسجد میں جہر کے ساتھ درود شریف پڑھنے والوں کو مسجد سے نکال دیا اور فرمایا میرے نزدیک تم بدعتی ہو۔ اہلِ بدعت کو اس صحیح روایت سے عبرت حاصل کرنی چاہیے۔[۱]

(۳) سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بار بار اپنے خطبہ میں اور اپنی مجلسوں میں اسوۂ مبارکہ اور طریقہ صحابہؓ اپنانے کی تلقین وترغیب دیتے اور ان کے فضائل بیان فرما کر اس کی طرف راغب ہونے کی تاکید کرتے اور بدعات سے اجتناب کی وصیت کرتے۔ ایک مرتبہ ارشاد فرمایا :۔

تم ہمارے نقشِ قدم پر چلا کرو اور نئی نئی بدعات مت ایجاد کرو کیونکہ تم کفایت کیے گئے ہو[۲] (یعنی یہی دینِ موروث تمہیں کافی ہے)۔

(۴) ایک مرتبہ ارشاد فرمایا :۔

سنّت میں میانہ روی اختیار کرنا بدعت میں کوشش کرنے سے بہتر ہے۔[۳]

(۵) ایک مرتبہ فرمایا :۔

جو شخص سنّت پر چلنا چاہے تو وہ ان بزرگوں کے قدم پر چلے جو وفات پا چکے ہیں کیونکہ زندہ کبھی فتنہ سے مامون نہیں ہو سکتا۔ وہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

---

[۱] المنہاج الواضح صد ۱۲۷ [۲] الاعتصام جلد ۱ صد ۵۹ [۳] مستدرک حاکم جلد ۱ صد ۱۰۳

کے صحابہؓ ہیں جو اس زمانہ کے نہایت افضل لوگ اور نہایت بھلے قلوب والے اور نہایت گہرے علم والے اور نہایت کم تکلف اور کم بناوٹ والے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے نبی کی رفاقت اور اپنے دین کے قائم کرنے کے لیے انتخاب کیا تھا، ان کی فضیلتوں کو پہچانو اور ان کے نقشِ قدم پر چلو اور جس قدر ہو سکے اُن کے اخلاق اور ان کی سیرتوں کو مشعلِ راہ بناؤ کیونکہ وہ لوگ ہدایتِ مستقیم پر تھے۔[۱]

(۶) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اپنے خطبہ میں یہ بھی فرمایا کرتے تھے :-

تم بھی نئے نئے کام نکالو گے اور لوگ تمہارے لیے نئی نئی صورت عبادت کی نکالیں گے خوب سمجھ لو کہ ہر نیا طریقہ گمراہی ہے اور ہر گمراہی کا ٹھکانا جہنم ہے۔[۲]

ایک مرتبہ یہی بات بیان کر کے فرمایا کہ جب تم پر ایسے حالات آجائیں تو تم پر عہدِ اوّل (یعنی صحابہ کرامؓ) کی پیروی لازمی ہے۔[۳]

(۷) آپؓ فرماتے ہیں :-

اے لوگو! بدعت اختیار نہ کرو اور عبادت میں مبالغہ اور تعمق نہ کرو، پرانے طریقوں کو لازم پکڑو اور اس چیز کو اختیار کرو جو از روئے سنت تم جانتے ہو اور جس کو اس طرح نہیں جانتے اُس کو ترک کردو۔[۴]

(۸) آپؓ فرماتے ہیں :-

نئی نئی بدعات سے بچو کیونکہ ایمان یکبارگی دل سے نہیں جاتا لیکن شیطان تمہارے لیے ہر روز نئی نئی بدعات پیدا کرتا ہے حتیٰ کہ (تم اس میں ملوث ہو جاتے ہو اور اس طرح) تمہارے دل سے ایمان نکل جاتا ہے۔[۵]

---

[۱] مشکوٰۃ شریف جلد ۱ ص۳۲ [۲] الاعتصام جلد ۱ ص۶۷ [۳] جامع العلوم والحکم ص۲۳۵ [۴] سنت و بدعت ص۲۱
[۵] مجالس الابرار ص۱۴۲، ص۱۸۴، ص۱۴۵

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا ارشاد

(۱) حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس ایک شخص کسی کا سلام لایا تو آپ نے اُس کے جواب میں یہ ارشاد فرمایا :-

مجھے سلام بھیجنے والے کی یہ شکایت پہنچی ہے کہ اس نے کوئی بدعت ایجاد کی ہے اگر واقعی اس نے کوئی بدعت ایجاد کی ہو تو میرا سلام اس کو نہ دینا۔[1]

(۲) دُعا کے وقت ہاتھ کہاں تک اُٹھانا چاہیئے۔ اس کا طریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں موجود ہے۔ اگر اس کے برخلاف کوئی دُعا میں ہاتھ اُٹھائے گا تو وہ بدعت ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ غلط طریقہ پر ہاتھ اُٹھا رہا ہے تو آپ نے فرمایا :-

(تمہارے اس طرح) ہاتھ اُٹھانے بدعت ہیں۔ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سینہ مبارک سے اُوپر ہاتھ نہیں اُٹھائے تھے۔[2]

(۳) حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ میں اور حضرت عروہ بن زبیرؓ مسجد میں آئے تو دیکھا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حجرہ شریفہ کے پاس تشریف رکھتے ہیں اور کچھ لوگ مسجد میں چاشت کی نماز پڑھ رہے ہیں ہم نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ان لوگوں کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ بدعت ہے۔[3]

شیخ الحدیث حضرت مولانا سرفراز خاں صاحب صفدر اس کی تشریح میں فرماتے ہیں :-

چاشت کی نماز صحیح اسانید کے ساتھ متعدد صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے، لیکن چونکہ آپ کے زمانہ مبارک میں اجتماعی حیثیت کے ساتھ خاص اہتمام اس کے لیے نہیں ہوا کرتا تھا کہ بلکہ کیف ما اتفق جہاں جہاں بھی کوئی ہوتا تھا وہاں ہی وہ نماز چاشت پڑھ لیتا تھا اور یہ نفلی نماز ہے اور نفلی نماز کو بجائے مسجد کے گھر میں پڑھنے کی فضیلت حدیث میں

---

[1] ترمذی جلد ۲ ص ۳۸ ابوداؤد جلد ۲ ص ۲۷۸ مشکوٰۃ ص ۲۲ ابن ماجہ ص ۳۰۲ [2] مسند احمد جلد ۲ ص ۶۱ [3] بخاری جلد ۱ ص ۲۳۸ مسلم جلد ۱ ص ۴۰۹

زیادہ وارد ہوئی ہے حضرت ابن عمرؓ نے جب لوگوں کو اس نماز کے لیے مسجدوں میں اس خاص اجتماع سے دیکھا تو ان کے اس فعل کو انہوں نے بدعت قرار دیا۔

چنانچہ اس روایت کی شرح میں شارح مسلم علامہ نوویؒ (۶۷۶ھ) لکھتے ہیں :۔

حضرت ابن عمرؓ کی مراد یہ ہے کہ چاشت کی نماز کو مسجد میں ظاہر کرکے پڑھنا اور اس کے لیے اجتماع و اہتمام کرنا بدعت ہے۔ حضرت ابن عمرؓ کی یہ مراد ہرگز نہیں کہ اصل سے چاشت کی نماز ہی بدعت ہے۔[۱]

(۴) حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے ساتھ ایک شخص مسجد میں نماز پڑھنے کی غرض سے داخل ہوا اور اذان ہو چکی تھی۔ ایک شخص نے تثویب شروع کردی۔ یہ صورت دیکھ کر حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے فرمایا کہ (اے مجاہدؒ) مجھے یہاں سے لے چل۔ اس لیے کہ یہ بدعت ہے۔[۲]

حضرت عبداللہ بن عمرؓ مسجد سے روانہ ہو گئے اور وہاں نماز تک ادا نہ کی۔ دوسری روایت میں ہے کہ :۔

مجھے اس بدعتی کے ہاں سے لے چل اور اس مسجد میں نماز نہ پڑھی۔[۳]

نوٹ

سیدنا حضرت علی المرتضیٰؓ کا ارشاد بھی پہلے گزر چکا ہے کہ آپؓ نے بھی ایسے شخص کو مسجد سے نکال دینے کا حکم فرمایا تھا۔

غور فرمایئے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو بدعت اور اہلِ بدعت سے کتنی نفرت تھی۔ اگر آج کل کا دور ہوتا تو نامعلوم کتنے فتوے لگتے؟ کتنے گستاخ کہلاتے؟ اور کس کس طرح انہیں تختۂ مشق بنایا جاتا۔ مگر یہاں تو صحابہ کرامؓ تھے۔ جن کی نظر ہمیشہ سنّت اور اہلِ سنّت کی طرف ہوتی تھی کہ سنّت

---

[۱] نووی شرح مسلم جلد ۱ ص ۴۰۹ [۲] ابوداؤد جلد ۱ ص ۷۹، المصنف لعبد الرزاق جلد ۱ ص ۴۷۵ [۳] ترمذی شریف جلد ۱ ص ۵۰

میں بدعت غلط ملط نہ ہونے پائے اور بدعت کی جڑ کو سختی سے کچل کر رکھ دیا جائے۔

⑤ حضرت نافعؒ (۱۱۷ھ) روایت کرتے ہیں :-

ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پہلو میں چھینک ماری اور اس شخص نے خود ہی کہا۔ الحمد للہ والسلام علیٰ رسول اللہ (یہ سن کر) حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ اس کا تو میں بھی قائل ہوں کہ الحمد للہ والسلام علیٰ رسول اللہ لیکن ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تعلیم نہیں دی (بلکہ) ہمیں اس موقع پر اس کی تعلیم دی ہے کہ ہم الحمد للہ علیٰ کل حال کہا کریں[1]

⑥ آپ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ ہر بدعت گمراہی ہے خواہ اسے لوگ اچھا (حسنہ) سمجھیں[2]

غور فرمایئے۔ سنتِ مطہرہ کا کس قدر خیال تھا۔ اگر دورِ حاضر کا نام نہاد عاشق ہوتا تو فوراً فتوے جاری کر دیتا کہ یہ گستاخ ہے، وہابی ہے، منکر ہے۔ اس لیے کہ اس نے والسلام علیٰ رسول اللہ سے روک دیا ہے۔ لیکن حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے پوچھیے کہ درود وسلام کیوں منع فرمایا؟ کیا آپ عاشقِ رسول نہ تھے؟ کیا آپ کے قلب میں حُبِ رسول نہ تھی؟ کیا ایسا کرنا جائز نہ تھا؟

یاد رکھیے درود وسلام کا کوئی مسلمان منکر نہیں۔ اس کے باوجود جلیل القدر صحابیؓ کا منع کرنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ایسے وقت ہی سلام پڑھنا چاہیے جو سنت و شریعت سے ثابت ہو۔ اگر اس کے برخلاف کسی نے کچھ کہا خواہ درود وسلام و دعا ہی کیوں نہ ہو۔ وہ سنت اور شریعت کی خلاف ورزی ہوگی اور اس کا نام "بدعت" ہوگا۔ اور اسی سے بچنے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید فرمائی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا ارشاد

① ایک شخص نے سیدنا حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے کہا کہ مجھے وصیت فرمایئے۔ آپؓ

---

[1] ترمذی شریف جلد ۲ صفحہ ۹۸ [2] دارمی مد معرکہ سنت و بدعت

نے ارشاد فرمایا کہ :۔

تقویٰ کرو اور استقامت کو لازم پکڑو اور سنت کی اتباع کرو اور بدعت نہ نکالو[1]

(۲) حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں :۔

واللہ میں نہیں جانتا کہ آج سطح زمین پہ کوئی دوسرا ایسا ہو کہ جس کا مرنا شیطان کو میرے مرنے سے زیادہ پسند ہو۔ عرض کیا گیا کیوں ؟ فرمایا کہ شیطان مشرق یا مغرب میں کوئی بدعت نکالتا ہے جس کا حکم پوچھنے کے لیے لوگ میرے سامنے آتے ہیں تو میں ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پہ لگا دیتا ہوں۔ پس شیطان کی ناکامی ہوئی، بدعت اسی پہ مار دی جاتی ہے۔

آپ کا یہ بھی ارشاد ہے :۔

آئندہ لوگوں پہ کوئی نیا سال نہ آئے گا جس میں وہ کوئی بدعت ایجاد نہ کریں گے اور کسی سنت کو مُردہ نہ کردیں گے یہاں تک کہ بدعتیں زندہ اور سنّتیں مُردہ ہو جائیں گی۔[2]

آپ کا یہ ارشاد بھی ہے :۔

جو کوئی طریقہ سنت پہ ہو اور بدعت سے منع کرتا ہو اور طریقۂ رسالت کی وصیت کرتا ہو تو ایسے شخص کو دیکھنا عبادت ہے۔[3]

(۳) سیدنا عبداللہ بن عباسؓ آیت کریمہ :۔

وقد نزل علیکم فی الکتٰب ان اذا سمعتم اٰیٰت اللہ یکفر بھا ویستھزء بھا فلا تقعدوا معھم حتّٰی یخوضوا فی حدیث غیرہٖ انکم اذا مثلھم ان اللہ جامع المنٰفقین والکٰفرین فی جھنم جمیعا (پ ۵ : النساء ع ۲۰)

ترجمہ۔ اور حکم اُتار چکا تم پر قرآن میں کہ جب سُنو اللہ کی آیتوں پہ انکار اور ہنسی ہوتے

---

[1] شرح السنۃ للبغوی جلد ۱ ص۲۱۴ [2] الاعتصام جلد ۱ ص۲۱ البدع والنہی عنہا ص۳۹ [3] تلبیس ابلیس لابن جوزی ص۸

تو نہ بیٹھو ان کے ساتھ یہاں تک کہ مشغول ہوں کسی اور بات میں۔ نہیں تو تم بھی انہی جیسے ہو گئے۔ اللہ اکٹھا کرے گا منافقوں کو اور کافروں کو دوزخ میں ایک جگہ۔

کے ذیل میں ارشاد فرماتے ہیں:۔

اس آیت میں ہر وہ بدعت جو دین میں نکالی جائے اور تمام بدعتی جو قیامت تک پیدا ہوتے رہیں گے داخل ہیں۔[۱]

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ایک شخص کو عصر کی نماز کے بعد نماز پڑھتے دیکھا تو آپؓ نے منع فرمایا۔ اس شخص نے ان احادیث کی تاویل پیش کی جن میں عصر کے بعد نماز پڑھنے کی مخالفت آئی ہوئی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ارشاد فرمایا کہ میں نہیں جانتا کہ اسے عذاب دیا جائے گا یا اجر دیا جائے گا کیونکہ اللہ کا فرمان ہے:

ترجمہ۔ اور کسی ایماندار مرد اور ایماندار عورت کا کام نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کوئی فیصلہ کر دے (تو پھر) اسے کسی کام کا کوئی اختیار رہے۔[۲]

اس روایت سے بھی پتہ چلتا ہے کہ کوئی عمل بظاہر کتنا ہی خوش کن کیوں نہ ہو اگر خلاف سنت ہے تو پھر اس پر خدا کی پکڑ ہوتی ہے۔

سیدنا حضرت عبداللہ بن عباسؓ آیت کریمہ:۔

یوم تبیض وجوہ و تسود وجوہ ۔الآیہ (پ ۴: آل عمران ع ۱۱)

ترجمہ جس دن کہ بعض چہرے سفید اور بعض سیاہ ہوں گے۔

کے ذیل میں فرماتے ہیں:۔

یوم تبیض وجوہ اہل السنۃ والجماعۃ وتسود وجوہ اہل البدعۃ والضلال۔[۳]

ترجمہ۔ جس دن اہل سنت والجماعت کے چہرے سفید روشن ہوں گے اور اہل بدعت وضلالت کے چہرے سیاہ ہوں گے۔

---

[۱] تفسیر خازن جلد ۱ صفحہ ۵۰۰ و معالم بر خازن جلد ۱ صفحہ ۵۰۹ [۲] مستدرک حاکم جلد ۱ صفحہ [۳] البدور السافرہ فی الامور الآخرہ صفحہ ۱۲۳ للسیوطی

حضرت حذیفہؓ کا ارشاد

(۱) حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ:۔

خدا کی قسم آئندہ زمانے میں بدعت اس طرح پھیل جائے گی کہ اگر کوئی شخص اس بدعت کو ترک کرے گا تو اس کو کہیں گے کہ اس نے سنت ترک کر دی ہے۔[۱]

(۲) آپؓ فرماتے ہیں:۔

ہر وہ عبادت جو صحابہ کرامؓ نے نہیں کی تم بھی وہ عبادت نہ کرو۔ کیونکہ پہلے لوگوں نے پچھلوں کے لیے کوئی کسر نہیں چھوڑی جس کو یہ پورا کریں۔ اے مسلمانو! اللہ سے ڈرو اور پہلے لوگوں (صحابہ کرامؓ) کے طریقے کو اختیار کرو۔[۲]

حضرت عبداللہ بن مغفلؓ کا ارشاد

بسم اللہ الرحمن الرحیم کا پڑھنا برکت اور ثواب کا عمل ہے لیکن اس کو ایک مخصوص کیفیت اور حالت میں کرتے رہنا بدعت ہو جائے گا۔ علامہ ابن دقیق العیدؒ حضرت عبداللہ بن مغفلؓ سے نقل کرتے ہیں:۔

امام ترمذیؒ نے حضرت عبداللہ بن مغفلؓ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹے سے فرمایا کہ جہر سے بسم اللہ پڑھنے کی بدعت سے گریز کرنا (علامہ فرماتے ہیں) کہ اس کو عام دلیل کے تحت انہوں نے درج نہ کیا۔[۳]

حضرت ابو الدرداءؓ کا ارشاد

سیدنا حضرت حضرت ابو الدرداءؓ فرمایا کرتے تھے:۔

عالم بنو یا متعلم معلم بنو یا متبع مگر ضرور۔ پانچویں نہ بننا ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔[۴]

---

[۱] الاعتصام جلد۱ صفحہ۹۰ [۲] ایضاً صفحہ۳۱۱ [۳] احکام الاحکام جلد۱ صفحہ۵۳ [۴] جامع بیان العلم صفحہ۲۵

معلوم ہوتا ہے پانچواں سوار بننے کی ممانعت یہیں سے چلی ہے۔

حضرت حسن بصریؒ سے پانچویں کی تشریح پوچھی گئی تو آپ نے جواب دیا کہ بدعتی۔[1]

حضرت عثمان بن العاصؓ کا ارشاد

حضرت عثمان بن العاصؓ (۵۵ھ) کو ایک مرتبہ کسی نے ختنہ کی دعوت میں بلایا تو آپؓ نے انکار کردیا۔ وجہ پوچھی گئی تو صاف صاف فرمادیا۔

ہم لوگ زمانۂ رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام میں ختنوں میں نہیں جایا کرتے تھے اور نہ ہمیں اس کے لیے دعوت دی جاتی تھی۔[2]

یعنی جو داعیہ اس وقت ہے وہ اس وقت بھی موجود تھا لیکن اس کے باوجود نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا امر فرمایا اور نہ ہی صحابہ کرامؓ ایسے مواقع کے لیے دعوت کا انتظام کرتے تھے۔ معلوم ہوا کہ داعیہ کی موجودگی کے باوجود جب ایک کام نہ ہو اور لوگ اس پر عمل کرنے پر اصرار کریں تو وہ سنت نہیں بلکہ بدعت ہوگا۔

حضرت عمارۃؓ بن رویبہ کا ارشاد (عورتیں بھی بدعت سے پوری طرح بچیں)

دعا اپنے مقام پر ایک بہت بڑی عبادت ہے اور اس کا طریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ صحابہ کرامؓ نے اس پر عمل کیا اور بتلایا۔ اب اس کو چھوڑ کر دعا میں ایک مخصوص طرح پر ہاتھ اٹھانا چونکہ سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور طریقۂ صحابہؓ سے ثابت نہیں، اس لیے صحابہ کرامؓ اسے بدعت کہتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے تذکرہ میں ایک حوالہ گزر چکا ہے۔ یہاں حضرت عمارۃؓ کی تنقید پڑھیے۔ آپ نے بشر بن مروان کو منبر پر دونوں ہاتھ اٹھاتے ہوئے دیکھا تو فرمایا۔

اللہ تعالیٰ ان دونوں چھوٹے چھوٹے ہاتھوں کا ناس کرے ہیں تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اشارہ کی انگلی سے زیادہ اٹھاتے ہوئے نہیں دیکھا (اور یہ دونوں ہاتھ اٹھا رہا ہے)[3]

---

[1] جامع بیان العلم ص۲۵ [2] مسند احمد جلد ۴ ص۲۱۷ [3] صحیح مسلم جلد ۱ ص۲۸۷ ابوداؤد جلد ۱ ص۱۶۳

اہلِ بدعت اکابر تابعین کی نظر میں

حضرت سعید بن المسیبؒ کا ارشاد

نماز پڑھنا کوئی گناہ کی بات نہیں لیکن شریعت نے اس کے کچھ حدود مقرر کئے ہیں۔ ان حدود سے تجاوز کرنا شریعت کی مخالفت کرنا ہے اور سنت کی مخالفت پر اللہ تعالیٰ کی پکڑ ہے۔ ایک شخص عصر کی نماز کے بعد دو رکعت پڑھا کرتا تھا۔ اس نے حضرت سعید بن المسیبؒ (۹۴ھ) سے دریافت کیا۔

اے ابو محمد! کیا اللہ تعالیٰ مجھے نماز پڑھنے کی وجہ سے سزا دے گا؟ حضرت سعید بن المسیبؒ نے فرمایا کہ نہیں لیکن خدا تعالیٰ تجھے مخالفت سنت کی وجہ سے ضرور سزا دے گا۔[1]

حضرت حسان بن عطیہؒ کا ارشاد

سیدنا حضرت حسان تابعیؒ (۱۳۰ھ) کا ارشاد ہے۔

کوئی قوم دین میں بدعت نہیں نکالے گی مگر اللہ تعالیٰ اتنی ہی مقدار میں ان سے سنت اٹھا لے گا اور پھر قیامت تک ان کو وہ سنت واپس نہیں دے گا۔[2]

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کا ارشاد

سیدنا حضرت عمر بن عبد العزیزؒ (۱۰۱ھ) ارشاد فرماتے ہیں:-

میں تجھے اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور اس کے حکم میں میانہ روی اختیار کرنے اور اس

---

[1] مسند دارمی ص۶۲ [2] دارمی ص۲۶ مشکوٰۃ ص۳۱

کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے اتباع کرنے کی وصیت کرتا ہوں کہ اہل بدعت نے جو بدعات ایجاد کی ہیں ان کو چھوڑ دینا کیونکہ سنت اس سے قبل جاری ہے اور اسے کافی سمجھو۔ بدعت کے ایجاد کی کیا ضرورت؟ تم سنت کو مضبوطی سے تھامے رکھنا کیونکہ خدا تعالیٰ کے حکم سے تیرے لیے اس میں حفاظت ہے۔ جان لو کہ جو بدعت ایجاد ہوئی ہے اس سے قبل وہ سنت گذر چکی ہے جو اس پر دلیل ہو سکتی تھی یا اس میں عبرت ہو سکتی ہے کیونکہ سنت ان پاک نفوس کی طرف سے آتی ہے جنہوں نے اس کے خلاف خطا، لغزش، حماقت اور تعمق کو بغور دیکھ لیا تھا اور اس کو اختیار نہ کرو۔ (لہذا) تو بھی صرف اس چیز پر راضی رہ جس پر وہ قوم (یعنی صحابہ کرامؓ) راضی ہو چکی ہے۔ کیونکہ انہوں نے علم پر اطلاع پائی ہے اور دوررس نگاہوں سے دیکھ کر بدعت سے اجتناب کیا ہے اور وہ معاملات کی گہرائی تک پہنچنے پر قوی تر تھے اور جس حالات پر وہ تھے وہ افضل تر حالت تھی سو اگر ہدایت وہ ہے جس پر تم گامزن ہو تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم ان سے فضیلت میں بڑھ گئے (حالانکہ ایسا سمجھنا باطل و مردود ہے)۔[1]

آپ سنتِ مطہرہ کے بیان میں ارشاد فرماتے ہیں:۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ سنتیں جاری فرمائیں اور آپ کے بعد خلفائے راشدینؓ نے کچھ سنتیں جاری فرمائیں ان کا اعتبار کرنا کتاب اللہ کی تصدیق اور اطاعت الٰہی کی تکمیل اور اللہ کے دین میں قوت کا حاصل کرنا ہے کسی طرح بھی ان میں تغیر و تبدل کرنا جائز نہیں۔ اور نہ اس کے خلاف کسی چیز پر نظر کرنا جائز ہے۔ جو شخص ان (سنتوں) پر عمل کرے گا ہدایت پائے گا اور جو ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل کرنا چاہے گا اس کی مدد ہوگی اور جو ان سنتوں کی خلاف ورزی کرے

---

[1] ابوداؤد شریف جلد ۲ صفحہ ۲۷۵

گا۔ اس نے مسلمانوں کے راستہ سے الگ راستہ اختیار کر لیا۔ اللہ تعالیٰ اس کو اس کی تجویز و اختیار پر چھوڑ دے گا اور پھر جہنم میں جلائے گا اور جہنم بُرا ٹھکانا ہے۔[۱]

ایک مرتبہ فرمایا:۔

الا وانی لست بمبتدع ولکنی متبع۔[۲]

ترجمہ۔ خبردار میں مبتدع (بدعتی) نہیں ہوں بلکہ میں تو سنت کا تابع ہوں۔

آپ نے یہ فرمان بھی جاری فرمایا:۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں کسی کی رائے کو دخل نہیں ہو سکتا۔ لوگو! میں جدید احکام نہیں دوں گا۔ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا اتباع کروں گا۔[۳]

حضرت شریحؒ کا ارشاد

سیدنا شریحؒ فرماتے ہیں کہ:۔

سنت تمہارے خیالات سے پہلے آچکی ہے اس لیے تم سنت کا اتباع کرو بدعت اختیار نہ کرو۔ اگر تم نے سنت کا دامن پکڑے رکھا تو کبھی گمراہ نہ ہوگے۔[۴]

حضرت حسن بصریؒ کا ارشاد

(۱) سیدنا حضرت حسن بصریؒ (۱۱۰ھ) سے منقول ہے:۔

اگر تم چاہتے ہو کہ پُل صراط پر تمہیں دیر نہ لگے اور سیدھے جنت میں چلے جاؤ تو اللہ کے دین میں اپنی رائے سے کوئی طریقہ مت پیدا کرو۔[۵]

(۲) آپؒ کا یہ بھی ارشاد ہے:۔

---

[۱] بحوالہ کتاب سنت و بدعت ص۲۸ [۲] الاعتصام جلد ۱ ص۶۵ [۳] سنن دارمی ص۱۱۴
[۴] شرح السنۃ للبغوی جلد ۱ ص۲۱۶ مرقات جلد ۱ ص۲۴۹ [۵] الاعتصام جلد ۱ ص۵۶

بدعتی جتنا زیادہ روزہ، نماز میں مجاہدہ کرتا ہے اتنا ہی اللہ سے دور ہو جاتا ہے[1]

آپؒ یہ بھی فرماتے ہیں:۔

بدعتی کے پاس نہ بیٹھو کہ وہ تمہارے دل کو بیمار کر دے گا۔[2]

حضرت سالم بن عبیدؒ کا طرزِ عمل

حضرت سالم بن عبیدؒ کے پاس ایک شخص بیٹھا ہوا تھا اُسے چھینک آئی تو اس نے کہا کہ السلام علیکم۔ حضرت سالمؒ نے فرمایا۔ وعلیک وعلیٰ امک (تجھ پر بھی سلام ہو اور تیری ماں پہ بھی) اس شخص کو یہ بات ناگوار گزری۔ حضرت سالمؒ نے اس کے جواب میں فرمایا:۔

میں نے صرف وہی بات کہی ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے کہ آپ کے پاس ایک شخص کو چھینک آئی تھی تو اس نے کہا السلام علیکم۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں فرمایا۔ علیک وعلیٰ امک۔ (یاد رکھو) جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے تو کہو۔ الحمد للہ رب العالمین۔[3]

حضرت امام ابوحنیفہؒ کا ارشاد

حضرت امام ابوحنیفہؒ (۱۵۰ھ) کا ارشاد ہے:۔

آثار اور طریقہ صالحین پر جم جاؤ، ہر ایک نئی بات سے بچو کہ وہ بدعت ہے۔[4]

حضرت امام اوزاعیؒ کا ارشاد

حضرت امام اوزاعیؒ (۱۵۷ھ) فرماتے ہیں:۔

---

[1] الاعتصام جلد ۱ ص ۸۶ [2] ایضاً ص ۵۶ [3] ترمذی شریف جلد ۲ ص ۹۸ [4] میزان للشعرانی ص ۴۹ ماخوذ از معرکہ سنت و بدعت ص ۲۲۳

صاحب بدعت سے بات چیت مت کرو۔ نہ اس سے بحث و مباحثہ کرو۔ اندیشہ ہے وہ تمہارے دل میں فتنہ کا بیج ڈال دے گا۔[1] حضرت امام شعبی تابعیؒ (۱۰۳ھ) کا ارشاد ہے۔

عنقریب ایسے لوگ ہونے والے ہیں جو ہر ایک بات اپنی اٹکل اور گمان سے کہیں گے تو (اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ) اسلام ڈھ جائے اور ٹوٹ جائے گا۔[2]

یہ تابعین کرام کی بدعت اور اہل بدعت سے نفرتیں ہیں۔ ان تابعین میں ہم نے حضرت امام اعظمؒ کا حوالہ بھی دیا ہے۔

الہلال مانچسٹر میں جب یہ مضمون پہلی دفعہ چھپا تو بعض احباب نے اکیڈمی آکر پوچھا کہ کیا امام ابوحنیفہؒ تابعین میں سے ہیں۔ ہم نے کہا ہاں۔ اس میں تعجب کی کون سی بات ہے۔ انہوں نے کہا پھر کئی علماء امام صاحب پر یہ اعتراض کیوں کرتے ہیں کہ ان کا عمل صحیح بخاری پر نہ تھا۔ امام بخاریؒ ۲۵۶ھ میں فوت ہوئے تو ان کے بعد آنے والا کوئی شخص تابعی کیسے ہو سکتا ہے۔ ہم نے کہا حضرت امام ابوحنیفہؒ ۱۵۰ھ میں امام بخاریؒ سے بہت پہلے فوت ہوئے۔ نہ اس وقت صحیح بخاری تھی اور نہ اس کی کوئی مخالفت ــــ روایات تھیں تو وہ ہر طرح کی اور ہر طرف کی موجود تھیں۔

حضرت امام تابعی تھے اور آپ نے صحابی رسول حضرت انسؓ (۹۳ھ) کی زیارت کی تھی علامہ ذہبی (۷۴۸ھ) لکھتے ہیں:-

مولده سنة ثمانين راى انس بن مالك غير مرة لما قدم عليهم الكوفة۔[3]

ترجمہ۔ آپ کی پیدائش ۸۰ھ کی ہے آپ نے حضرت انسؓ کو جب وہ کوفہ آئے تھے کئی بار دیکھا تھا۔

حضرت عبداللہ بن ابی اوفیؓ (۸۷ھ) تو رہتے ہی کوفہ میں تھے بچپن میں ان کی زیارت کی ہوگی حضرت سہل بن سعد ساعدیؓ (۹۱ھ) حضرت عبداللہ بن بُسر المازنیؓ (۹۶ھ) اور حضرت عامر بن واثلہ الاسقعؓ (۱۰۲ھ) بھی اس وقت موجود تھے۔

---

[1] الاعتصام جلد ۱ ص ۸۶ [2] میزان للشعرانی جلد ۱ ص ۴۸

اہلِ بدعت ائمہ مجتہدین کی نظر میں

حضرت امام مالکؒ کا ارشاد

سیدنا حضرت امام مالکؒ (۱۷۹ھ) فرماتے ہیں کہ:
جو شخص بدعت ایجاد کرتا ہے اور اس کو اچھا سمجھتا ہے تو وہ گویا یہ دعوے کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (معاذ اللہ) رسالت (کی ادائیگی) میں خیانت کی اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ الیوم اکملت لکم دینکم۔ آج تم پر اپنا دین مکمل کر لیا (پھر فرماتے ہیں) جو کام اس زمانہ میں دین نہیں تھا وہ آج بھی دین نہیں بن سکتا۔[1]

حضرت امام ابو یوسفؒ کا ارشاد

حضرت امام ابو یوسفؒ (۱۸۲ھ) کا ارشاد ہے:
دین کے بارے میں شک۔ لڑائی۔ کج بحثی اور جدال چھوڑ دو۔ اس لیے کہ دین بالکل واضح ہے۔ خدا نے اس کے فرائض بھی مقرر کر دیئے ہیں اور اس کے سنتیں بھی اور اس کی تمام حدود بھی مقرر کر دیئے ہیں اور حلال کو حلال اور حرام کو حرام کر دیا ہے جیسا کہ اس نے خود فرمایا ہے۔ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا تم اس کے حلال کو حلال سمجھو اور اس کے حرام کو حرام سمجھو۔ قرآن کی محکم یعنی واضح آیات پر عمل کرو اور جو متشابہ آیات ہیں ان پر ایمان و یقین رکھو۔ اس کے اندر جو مثالیں ہیں ان سے عبرت حاصل کرو۔ صحابہ کرامؓ نے انما بنیات

---

[1] الاعتصام جلد ا صـ ۴۷ و جلد ۲ صـ ۱۵

میں کبھی قیل و قال نہیں کیا۔ انہوں نے خدا کے تقاضے اور اس کی اطاعت پر بس کیا۔ انہوں نے سنتِ متواترہ کو مضبوط پکڑ لیا تھا اور جو ان مبتدعین نے نئے نئے مسائل پیدا کر دیئے ہیں ان کو کبھی ہاتھ نہیں لگایا۔[۱]

حضرت سفیان ثوریؒ کا ارشاد

(۱) سیدنا حضرت سفیان ثوریؒ (۱۶۱ھ) فرماتے ہیں:۔
جس نے بدعتی سے علم سنا۔ اللہ تعالیٰ اس کے (علم میں) نفع نہ دے گا اور جس نے بدعتی سے مصافحہ کیا۔ اس نے اسلام کو صدمہ پہنچایا۔[۲]

(۲) آپؒ کا ارشاد ہے:۔
تم سنت کی اتباع کرتے رہو اور بدعات کو ترک کر دو۔[۳]

(۳) آپؒ یہ بھی فرماتے ہیں:۔
ابلیس کو گناہ کی نسبت بدعت زیادہ پسند ہے۔ کیونکہ گناہ سے تو گناہ سمجھنے کی وجہ سے توبہ کی جاتی ہے مگر بدعت ایسی گمراہی ہے کہ اس سے توبہ ہی نہیں کی جاتی۔ کیونکہ اس کو گناہ ہی نہیں سمجھا جاتا۔[۴]

(۴) آپؒ کا یہ ارشاد ہے:۔
کوئی قول بغیر عمل کے مستقیم نہیں اور کوئی قول و عمل و نیت اس وقت تک مستقیم نہیں جب تک کہ وہ سنت کے مطابق نہ ہو۔[۵]

(۵) آپؒ فرماتے ہیں:۔
جو شخص کسی بدعتی کو سنے اس کو چاہیئے کہ اپنے دوستوں سے نہ کہے (کیونکہ اس کا کہنا ہی خطرناک ہے)[۶]

---

[۱] بحوالہ تبع تابعین ص۵۸ [۲] تلبیس ابلیس ص۱۵ [۳] شرح السنۃ جلد۱ ص۲۱۷ [۴] ایضاً ص۲۱۶ تلبیس ابلیس ص۱۴۱
[۵] تلبیس ابلیس ص۹ [۶] شرح السنۃ جلد۱ ص۲۲۷

حضرت امام شافعیؒ کا ارشاد

سیدنا حضرت امام شافعیؒ (۲۰۴ھ) فرماتے ہیں۔

اگر میں کسی بدعتی کو ہوا میں اُڑتا ہوا بھی دیکھ لوں تو بھی اس کو ہرگز قبول نہ کروں[۱]

آپ کا یہ بھی ارشاد ہے۔

جس نے کوئی نئی بات ایجاد کی اور وہ کتاب و سنت یا قول و فعل صحابہؓ یا اجماع کے مخالف ہو وہ ضلالت ہے ـــــ اور جو ایسی نہیں ہے تو وہ بُری نہیں۔

حضرت امام احمدؒ کا ارشاد

سیدنا حضرت امام احمد بن حنبلؒ (۲۴۱ھ) کا ارشاد ہے۔

اہل بدعت کو سلام کرنے والا گویا اُن سے دوستی رکھتا ہے اس لیے انہیں سلام بھی نہ کرو[۲]

حضرت لیث بن سعدؒ کا ارشاد

سیدنا حضرت لیث بن سعدؒ (۱۷۵ھ) فرماتے ہیں۔

اگر میں کسی بدعتی کو دیکھوں کہ پانی پر چلتا ہے تب بھی اس کو قبول نہ کروں گا۔

امام شافعیؒ نے جب امام لیثؒ کا یہ کلام سنا تو فرمایا کہ آپ نے پھر بھی کم کہا ہے میں تو ہوا پر اُڑتا ہوا دیکھوں تو بھی اسے قبول نہ کروں[۳]

---

[۱] تلبیس ابلیس صـ۱۶ [۲] غنیۃ الطالبین صـ۱۸۵ [۳] تلبیس صـ۱۶

اہلِ بدعت حضراتِ مجدّدین کی نظر میں

سیّدنا ملّا علی قاریؒ کا ارشاد

حضرت مولانا ملّا علی قاری الحنفیؒ (۱۰۱۴ھ) ایک حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

بدعت اور منکر کام پر اصرار کرنا تو کجا رہا۔ اگر کوئی شخص امرِ مندوب اور مستحب پر یا رخصت پر بھی اصرار کرے گا تو وہ شیطان کا پیرو ہوگا۔[1]

ایک جگہ لکھتے ہیں:۔

والمتابعة كما تكون فی الفعل يكون فی الترك ايضا فمن واظب علىٰ فعل لم يفعله الشارع فهو مبتدع۔[2]

ترجمہ: متابعت جیسے فعل میں ہوتی ہے اسی طرح ترک میں بھی متابعت ہوتی ہے جس نے کسی کام پر مواظبت کی جو شارع نے نہیں کیا تو وہ بدعتی ہے۔

ایک حدیث پاک کی شرح میں فرماتے ہیں:۔

من شامة ارتكاب البدعة يحرمون من بركات السنة۔[3]

ترجمہ: بدعت کے ارتکاب کی شامت یہ ہے کہ سنّت کی برکات سے محرومی ہو جاتی ہے۔

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:۔

وان سنة من حيث انها سنة افضل من بدعة ولو كانت مستحسنة مع قطع النظر عن كونها متعدية او قاصرة او دائمة او منقطعة۔ الا ترىٰ

---

[1] مرقات جلد ۲ ص — [2] ایضاً جلد ۱ ص ۴۱ [3] ایضاً ص ۲۵۷

ان ترك سنة ای سنة تكاسلا يوجب اللوم والعتاب وتركها استخفافا يثبت العصيان والعقاب. وانكارها يجعل صاحبه مبتدعا بلا ارتياب. والبدعة ولو كانت مستحسنة لا يترتب على تركها شئ من ذلك [۱]

ترجمہ۔ بے شک سنّت اس اعتبار سے کہ وہ سنّت ہے بدعت سے گو وہ حسنہ ہی کیوں نہ ہو افضل ہے. قطع نظر اس سے وہ بدعت متعدی ہو یا قاصرہ، مسلسل ہو یا کبھی کبھار کی۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ سنت کو سستی کے باعث عملاً چھوڑنا کوئی سنت کیوں نہ ہو ملامت اور عتاب لاتا ہے لیکن اسے استخفافاً ترک کرنا (اہمیت نہ دیتے ہوئے عمل میں نہ لانا) عصیان وعقاب لازم کرتا ہے اور اس کا انکار بلاشبہ اس کے مرتکب کو بدعتی بناتا ہے اور بدعت حسنہ ہی کیوں نہ ہو اس کے ترک پہ ان میں سے کوئی بات مرتب نہیں ہوتی،

سیدنا مجدد الف ثانیؒ کا ارشاد

حضرت سیدنا مجدد الف ثانی الشیخ احمد السرہندیؒ (۱۰۳۵ھ) کے مکتوبات میں سنّت کی اتباع اور بدعت سے اجتناب پر بہت زور دیا گیا ہے، ایک مکتوب گرامی میں تحریر فرماتے ہیں:۔

فقیر کے خیال میں سنّت سنیہ کی متابعت اور بدعت کے اسم ورسم سے اجتناب کیا جائے جب تک بدعت حسنہ سے بھی بدعت سیئہ کی طرح پرہیز نہ کریں تب تک اس دولت کی بو جان کے دماغ میں نہیں پہنچتی، آج یہ بات مشکل معلوم ہوتی ہے کیونکہ تمام دنیا بدعت میں ڈوبی ہوئی ہے اور بدعت کی ظلمتوں نے جہان کو آغوش میں لے لیا ہے کس کی مجال ہے کہ بدعت کو دور کرنے کا دم مارے اور سنّت کے زندہ کرنے کا دعوے کرے [۲]

---

[۱] مرقات جلد ۱ صفحہ ۱۵۶ [۲] مکتوبات دفتر دوم صفحہ ۱۵۴

ایک مکتوب گرامی میں تحریر فرماتے ہیں :۔

یہ فقیر حق سبحانہ وتعالیٰ سے نہایت تضرع وعاجزی کے ساتھ دُعا کرتا ہے کہ دین میں جو نئی باتیں پیدا کی گئی ہیں اور بدعات ایجاد کی گئیں ہیں جو خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدینؓ کے زمانہ میں موجود نہ تھیں۔ اگرچہ وہ روشنی میں صبح کی طرح سفید ہوں پھر بھی خدا تعالیٰ اس فقیر کو ان سے محفوظ رکھے اور ان میں مبتلا نہ کرے :

جو لوگ بدعات میں حسن کے قائل ہیں اس کی تردید کرتے ہوئے حضرت الشیخؒ فرماتے ہیں :۔

یہ فقیر ان بدعات میں کسی بدعت میں حسن اور نُورانیت نہیں دیکھتا۔ ان میں ظلمت و کدورت کے سوا کچھ محسوس نہیں کرتا۔ اگرچہ آج بدعتی کے عمل کو ضعف بصارت کے باعث طراوت و تازگی میں دیکھیں لیکن کل جب کہ بصیرت تیز ہوگی تو دیکھ لیں گے اس کا نتیجہ خسارت و ندامت کے سوا کچھ نہ ہوگا ؎

بوقت صبح شود ہمچو روز معلومت که باکہ باختہ عشق درشب دیجور

"صبح کے وقت تجھے معلوم ہوجائے گا کہ کس کے عشق میں ساری رات گزاری ہے"

حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو رد۔ جب وہ مردود ہے تو اس میں حسن و نُورانیت کہاں ؟

پس جب محدث بدعت ہے اور ہر بدعت ضلالت، تو پھر بدعت میں حسن کے کیا معنی ہوئے۔ نیز جو کچھ احادیث سے معلوم ہوتا ہے وہ یہ کہ ہر بدعت سنت کو اُٹھانے والی ہے بعض کی کوئی خصوصیت نہیں پس ہر بدعت سیئہ ہے۔[1]

ایک مکتوب گرامی میں فرماتے ہیں :۔

سب سے اعلیٰ نصیحت جو فرزند عزیز سلمہ اللہ تعالیٰ کو اور تمام دوستوں کو کی جاتی ہے وہ یہی ہے سنت سنیہ کی تابعداری کریں اور بدعت سے بچیں ... سعادتمند ہے

---

[1] مکتوبات دفتر اول ص۲۱۰

وہ شخص جو اس دور میں سنتوں میں سے کسی سنت کو زندہ کرے اور رائج بدعتوں میں سے کسی بدعت کو ختم کرے۔ اب ایک ایسے جوانمرد کی ضرورت ہے جو سنت کی مدد کرے اور بدعت کو شکست دے۔ بدعت کا جاری کرنا دین کی بربادی کا موجب ہے اور بدعتی کی تعظیم کرنا اسلام کے گرانے کا باعث ہے۔ من وقر صاحب بدعة فقد اعان علی ھدم الاسلام آپ نے سنا ہوگا۔ سو پورے ارادہ اور کامل ہمت سے اس طرف متوجہ ہونا چاہیئے کہ سنتوں میں سے کوئی سنت جاری ہو جائے اور بدعات میں سے کوئی بدعت دور ہو جائے۔ خصوصاً ان دنوں میں اسلام ضعیف ہو رہا ہے۔ اسلام کی رسمیں جبھی قائم رہ سکتی ہیں کہ سنت کو زیادہ سے زیادہ عام کیا جائے اور بدعت کو ختم کیا جائے۔ گذشتہ لوگوں نے شاید بدعت میں کچھ حسن دیکھا ہوگا جو بدعت کے بعض افراد کو مستحسن اور پسندیدہ خیال کیا۔ لیکن یہ فقیر اس مسئلہ میں ان سے اتفاق نہیں کرتا اور بدعت کے کسی فرد کو حسنہ نہیں جانتا۔ بلکہ سوائے ظلمت و کدورت کے اس میں کچھ محسوس نہیں کرتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کل بدعة ضلالة۔

اسلام کے اس ضعف و غربت کے زمانے میں کہ سلامتی سنت کے بجا لانے پر موقوف ہے اور خرابی بدعت کے حاصل کرنے پر وابستہ ہے۔ (فقیر) ہر بدعت کو کلہاڑی کی طرح جانتا ہے جو بنیاد اسلام کو گرا رہی ہے اور سنت کو چمکنے والے ستارہ کی طرح دیکھتا ہے جو گمراہی کی سیاہ رات میں ہدایت فرما رہا ہے۔ حق تعالیٰ علمائے وقت کو توفیق دے کہ کسی بدعت کو حسن کہنے کی جرأت نہ کریں۔ اور کسی بدعت پر عمل کرنے کا فتوے نہ دیں۔ خواہ وہ بدعت ان کی نظروں میں صبح کی سفیدی کی طرح روشن ہو کیونکہ سنت کے ماسوا میں شیطان کے مکر کو بڑا دخل ہے۔

گذشتہ زمانہ میں چونکہ اسلام قوی تھا اس لیے بدعت کے اندھیروں ظلمات کو اٹھا سکتا تھا اور ہو سکتا ہے کہ بعض بدعتوں کے ظلمات نور اسلام کی چمک میں نورانی معلوم ہوتے ہوں گے اور حسن کا حکم پا لیتے ہوں گے۔ اگرچہ درحقیقت ان میں کسی قسم کا حسن اور نورانیت نہ تھی مگر اس وقت کہ اسلام ضعیف ہے یہ بدعات کی ظلمت کو نہیں اٹھا سکتا۔ اس وقت متقدمین و متاخرین کا فتوے جاری نہ کرنا چاہیئے۔ کیونکہ ہر وقت کے احکام جدا ہیں۔ اس وقت تمام جہاں بدعت کے بکثرت ظاہر ہونے کے باعث دریائے ظلمات کی طرح نظر آ رہا ہے اور سنت کا نور باوجود غربت اور ندرت کے اس دریائے ظلمانی میں کرم شب افروز یعنی جگنو کی طرح محسوس ہو رہا ہے اور بدعت کا عمل اس ظلمت کو اور بھی زیادہ کر جاتا ہے۔ سنت پر عمل کرنا اس ظلمت کے کم ہونے اور اس نور کے زیادہ ہونے کا باعث ہے۔

اب اختیار ہے کہ خواہ کوئی بدعات کی ظلمت کو زیادہ کرے یا سنت کے نور کو بڑھائے اور اللہ تعالیٰ کا گروہ زیادہ کرے یا شیطان کا گروہ۔ الا ان حزب اللہ هم المفلحون۔ الا ان حزب الشیطان هم الخاسرون۔

صوفیہ وقت بھی اگر کچھ انصاف کریں اور اسلام کے ضعف اور جھوٹ کی کثرت کا اندازہ کریں تو چاہیئے کہ سنت کے ماسوا میں اپنے پیروں کی تقلید نہ کریں اور اپنے شیوخ کا بہانہ کر کے امور مخترعہ پر عمل نہ کریں۔ اتباع سنت بے شک نجات دینے والی ہے اور خیرات و برکات کے بخشنے والی ہے اور غیر سنت کی اتباع میں خطرہ ہی ہے۔ وما علی الرسول الا البلاغ۔ قاصد پر حکم کا پہنچا دینا ہے۔ ہمارے مشائخ کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے کہ انہوں نے اپنے تابعداروں کو امور مبتدعہ کے بجا لانے کی ہدایت نہ کی اور سنت کی متابعت کے سوا اور کوئی راستہ نہیں بتایا اور صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اتباع و عزیمت پر عمل کرنے کے سوا

کچھ ہدایت نہ فرمائی۔ اس واسطے ان بزرگوں کا کارخانہ بلند ہوگیا۔ اور ان کے وصول کا ایوان سب سے اعلیٰ بن گیا۔[1]

ایک اور مکتوب میں فرماتے ہیں:۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کے نور کو بدعات کے اندھیروں نے چھپا دیا ہے اور ملت مصطفوی کی رونق کو ان نو ایجاد باتوں کی کدورتوں نے برباد کر دیا ہے۔ کتنے تعجب کی بات ہے کہ ایک جماعت، ان بدعات کو مستحسن جانتی ہے اور ان کو نیکیاں سمجھتی ہے اور ان کے ذریعہ سے دین وملت کی تکمیل کرنا چاہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو سیدھے راستہ کی ہدایت دے، یہ لوگ نہیں جانتے کہ دین ان بدعات سے پہلے مکمل ہوچکا ہے۔ جیساکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینًا۔ پس دین کا کمال ان بدعات میں سمجھنا درحقیقت اس آیتِ کریمہ کے مضمون سے انکار کرنے کے مترادف ہے۔[2]

اس قسم کے بیسیوں نہیں بلکہ سیکڑوں مکتوبات ہیں جن میں سنت کی اتباع اور بدعات و ہوا کی نفسانیت سے اجتناب کرنے کی تلقین و ترغیب دی گئی ہے۔ مگر وہ لوگ جو حضرت مجدد الف ثانیؒ کو بھی وہابی سمجھتے ہیں، ان کے لیے سوائے دعائے ہدایت کے اور کیا کہا جاسکتا ہے۔

حضرت امام شاہ ولی اللہؒ کا ارشاد

حکیم الامت حضرت، امام شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ (۱۱۷۶ھ) تحریر فرماتے ہیں:۔

اقول الفرقة الناجیة هم الآخذون فی العقیدة والعمل جمیعا بما ظهر من الکتاب والسنة وجری علیه جمهور الصحابة والتابعین .....

---

[1] مکتوبات دفتر دوم ص۶۵ تا ص۶۷ [2] ایضاً دفتر اول ص۲۰۳

وغير الناجية كل فرقة انتحل عقيدة خلاف عقيدة السلف او عملا دون اعمالهم[1]

ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ فرقہ ناجیہ صرف وہی ہے جو عقیدہ اور عمل دونوں میں کتاب اور سنت کی اور جس پر جمہور صحابہ کرامؓ اور تابعین کاربند تھے کی پیروی کرے..... اور غیر ناجی ہر وہ فرقہ ہے جس نے سلف کے عقیدہ کے خلاف کوئی اور عقیدہ یا ان کے عمل کے خلاف کوئی اور عمل اختیار کرلیا۔

حضرت سیّد احمد شہیدؒ کا ارشاد

داعی کبیر حضرت شیخ سید احمد شہیدؒ (۱۲۴۶ھ) کا ارشاد ہے:۔

قرآن مجید اور حدیث شریف کی متابعت کو لازم پکڑے۔ کیونکہ یہ دونوں چیزیں حل مشکلات کے لیے کلید ہیں..... قرآن مجید جو نجات کے لیے بہترین ذریعہ ہے ہر جگہ موجود ہے اور اسی طرح حدیث ہر وقت میسر ہے۔ پس اس کا اتباع بڑی غنیمت جانے اور اسی کو اعلیٰ غنیمت سمجھے اور حقیقت میں ہے بھی ایسا ہی۔ اس لیے کہ قرآن و حدیث کی پوری متابعت ولایت ہے۔[2]

ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں:۔

اصل یہ ہے کہ اپنے فاسد گمانوں کی متابعت مسلمان آدمی کے لیے زہر قاتل ہے اسے چاہیئے کہ شریعت کے حکم کو لازم الاتباع جان کر اس کو نہ چھوڑے۔[3]

بطور خلاصہ کے فرماتے ہیں:۔

تمام اخلاق میں حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلق پیشوا اور محبوب مان کر اور دل و جان سے اس پر راضی ہو کر ہند اور سندھ اور فارس و روم کی ان تمام

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ جلد ا صد ۱۲۹ [2] صراط مستقیم صد ۹۰ [3] ایضاً صد ۱۰۱

رسموں کو جو آپ کے برخلاف ہوں یا صحابہ کرامؓ کے طریقہ پر ان سے زیادتی لازم آئے ترک کر دے اور ان پر کراہت ظاہر کرے۔[1]

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا ارشاد

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ اپنی مشہور زمانہ کتاب بہشتی زیور میں تحریر فرماتے ہیں :-

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص ہمارے دین میں کوئی نئی بات پیدا کرے جس کا اس دین سے کوئی تعلق نہیں تو وہ بات مردود ہے (یعنی اس بات کا کچھ اعتبار نہیں) اور نئی بات سے مراد یہ ہے کہ وہ شریعت کی کسی دلیل سے ثابت نہ ہو اور ایسی باتوں کا دین میں داخل کرنا شریعت کی اصطلاح میں بدعت کہلاتا ہے اور یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ کیونکہ جو شخص ایسا کام کرتا ہے۔ وہ گویا حق تعالیٰ کا مقابلہ کرتا ہے۔ اس لیے کہ شریعت حق تعالیٰ کی بھیجی ہوئی ہے۔ اس میں کمی بیشی کا کسی کو حق نہیں۔ پس جس نے اس شریعت میں کسی ایسی بات کو شامل کیا جو اس دین سے خارج ہے تو اس نے اس شریعت کو ناکافی سمجھا پس اول تو یہی بہت بڑا جرم ہے کہ حق تعالیٰ کی تجویز کی ہوئی شریعت کو ناکافی سمجھا پھر اور باتیں جو داخل کیں تو ایک نئی شریعت خود گھڑی۔ یہ دوسرا جرم ہوا۔ سو حاصل یہ ہوا کہ بدعتی حق تعالیٰ کا مقابلہ کرتا ہے اور اس کی برابری کا مدعی ہے۔ لہٰذا سخت گمراہ ہے۔ اگرچہ بظاہر اپنا مطیع اور فرمانبردار ہونا ظاہر کرتا ہے۔ پھر چونکہ بدعت عبادت کا رنگ لیے ہوئے ہے یعنی بدعت کا مرتکب اس کو عبادت سمجھتا ہے اور ذریعہ قرب خداوندی خیال کرتا ہے اس لیے ایسے شخص کو توبہ بھی نصیب نہیں ہوتی۔ کیونکہ توبہ گناہ گار کیا کرتا ہے اور

---

[1] صراطِ مستقیم صـ۱۰

بدعتی اپنے آپ کو گنہگار نہیں سمجھتا بلکہ وہ اپنے کو تابعدار سمجھتا ہے، پھر وہ توبہ کیوں کرے۔ پس یہ گناہ نہایت پیچیدار ہے۔ حق تعالیٰ پناہ اور سیدھی راہ دکھاوے[1]۔

یہ دسویں گیارہویں بارہویں تیرہویں اور چودہویں صدی کے مجدّدین کی بدعات سے نفرتیں آپ کے سامنے ہیں۔ ہم نے ایک صدی کے صرف ایک ایک مجدّد کی عبارات آپ کے سامنے پیش کی ہیں اور قافلۂ امت سے تسلسل قائم رکھنے کے لیے یہ کافی ہے۔

ایک صدی میں ایک سے زائد مجدد بھی ہو سکتے ہیں جو اپنے اپنے حلقے میں دین میں داخل کی گئی بدعات سے دین کی تطہیر کرے اور اسلام کو اس کے اصل روپ میں آفاقی نقطۂ نظر سے نکھاریں سنت ہی آفاقی قبولیت ہوتی ہے اور بدعت میں صرف علاقائی رونق۔

حدیث مجدد کے الفاظ من یجدّد لہا دینہا میں لفظ من واحد اور جمع دونوں کو شامل ہے جیسے و من النّاس من یقول میں لفظ معنی جمع کے لیے وارد ہے۔

مجدّد کے لیے دعوے ضروری نہیں ہوتا۔ مجدد اپنے تجدیدی کاموں سے پہچانے جاتے ہیں۔ نہایت اعلیٰ روحانیت کے حامل ہوتے ہیں اور دین کی راہ میں یہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہیں کرتے۔ لا یخافون لومۃ لائم ان کی شان عمل ہوتی ہے۔ ان کی محنت وقتی نہیں ہوتی۔ جوں جوں زمانہ گزرتا ہے ان کے فکر و عمل میں اور نکھار آتا جاتا ہے۔ ابدال و اقطاب اپنی لائن میں اپنا کام کرتے ہیں اور مجدّدین اپنی لائن میں —— دعوے کرنا نہ ان کے لئے ضروری ہے نہ ان کے لیے —— اپنی بات کتاب و سنت کے جذب سے منوانا اور ہے اور اپنے دعوے کے زور سے منوانا اور ہے۔ ثانی الذکر میں چھپی کمزوری ہوتی ہے جو اسے دعوے کی سٹیج پر لے جاتی ہے۔

چودھویں صدی کے مجدّدین میں حضرت تھانویؒ کے علاوہ مولانا محمد الیاس دہلویؒ وہ بزرگ ہیں جن سے حضرت رب العزت نے تجدیدی کام لیا اور آج انکی تبلیغ کی محنت آفاقی پھیلاؤ میں آ چکی ہے۔

---

[1] بہشتی زیور حصہ ششم صد ۲۳

اہل بدعت اکابر علماء اُمّت کی نظر میں

حضرت ہشام بن عروہؒ کا ارشاد

سیّدنا حضرت ہشام بن عروہؒ (۱۴۶ھ) فرماتے ہیں :-
لوگوں سے یہ نہ پوچھو کہ تم نے یہ کیا بدعات ایجاد کیں کیوں کہ انہوں نے اس کے لیے ایک جواب تیار کر لیا ہے لیکن ان سے یہ پوچھو کہ سنت کیا ہے ؟ کیونکہ وہ سنت نہیں جانتے ہیں[1]

حضرت سفیان بن عیینہؒ کا ارشاد

سیّدنا حضرت سفیان بن عیینہؒ (۱۹۸ھ) فرماتے ہیں :-
جو شخص بدعتی کے جنازے کے ساتھ جائے جب تک واپس نہ آجائے اللہ تعالیٰ کا غضب اس پر نازل ہوتا رہتا ہے . اللہ تعالیٰ نے بدعتی پر لعنت کی ہے[2]

حضرت ایوب سختیانیؒ کا ارشاد

حضرت ایوب سختیانیؒ سے ایک بدعتی نے کہا :-
اے ابو بکر ! میں آپ سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں . آپ نے اُس سے منہ موڑ لیا اور فرمایا کہ میں آدھی بات بھی نہیں کرنا چاہتا[3]
آپ کا ارشاد ہے :-

---

[1] مجالس الابرار صد ۱۸۴ [2] غنیۃ الطالبین صد ۱۸۶ [3] شرح السنۃ جلد ا صد ۲۲۷

بدعتی جس قدر جد وجہد زیادہ کرتا ہے اسی قدر اللہ تعالیٰ سے زیادہ دُور ہوجاتا ہے۔[1]

حضرت امام غزالیؒ کا ارشاد

حضرت امام غزالیؒ (۵۰۵ھ) بدعت اور اہل بدعت کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:۔

وہ بدعتی جو اپنی بدعت کی طرف دوسروں کا طالب ہو، اس کا حکم یہ ہے کہ اگر بدعت ایسی ہے کہ اس سے کافر ہوجاتا ہو تو اس کا معاملہ ذمّی سے بڑھ کر ہے اس لیے کہ وہ نہ اقرار جزیہ کا کرے اور نہ عقد ذمہ اسکے لیے مانع۔ اور اگر ایسی بدعت ہو کہ اس سے کفر لازم نہ آتا ہو تو اس کا معاملہ جو اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہے کافر کی نسبت زیادہ خفیف ہے۔

مگر اہل اسلام کو کافر کی بہ نسبت اس طرف انکار زیادہ کرنا چاہیئے۔ اس لیے کہ کافر کی برائی مسلمانوں پر متعدی نہیں کہ وہ اس کے کفر کے معتقد ہیں اور نہ وہ دعوٰی اپنے مسلمان ہونے اور اعتقادِ حق کا کرتا ہے۔ اس کے برعکس بدعتی کہ جو طالب اپنی بدعت کی طرف ہو تو وہ یہی کہتا ہے کہ جس چیز کی طرف میں بُلاتا ہوں وہی حق ہے پس وہ مخلوق کی گمراہی کا باعث ہے اور اس کی بُرائی دوسروں کو لگتی ہے (اس وقت حکم یہ ہے کہ) اس کو بُرا کہنا اور لوگوں کو اس کے نزدیک آنے سے بچانا نہایت درجہ کو مستحب ہے۔

اگر وہ بدعتی سلام مجمع میں کرے تو سلام کا ترک کرنا اولیٰ ہے کہ لوگ اس سے نفرت کریں اور اس کی بدعت کو بُرا سمجھیں اور اسی طرح اس سے حُسنِ سلوک نہ کرنا خصوصًا ان کاموں میں جو لوگوں پر ظاہر ہو بہتر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص بدعتی کو جھڑکے اور اس کے قول وفعل کو نہ مانے اللہ تعالیٰ

---

[1] تلبیس ابلیس صفحہ ۱۴ الاعتصام جلد ۱ صفحہ ۸

اس کے دل کو امن و امان سے بھر دے گا اور جو شخص بدعتی کی اہانت کرے گا اللہ اس کو قیامت کے دن امن و امان نہ دے گا (جیسا کہ شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہ نے بھی فرمایا ہے) اور جو اس سے نرمی کرے گا یا تعظیم کرے گا یا اس سے کشادہ پیشانی کے ساتھ ملے گا (تو اس کا مطلب یہ ہے) کہ وہ اس بات کو خفیف جانتا ہے جو اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا۔

اگر وہ بدعتی تنہائی میں سلام کرے تو جواب دینے میں کوئی مضائقہ نہیں اور اگر یہ معلوم ہو جائے کہ اس سے اعراض کرنا اور جواب نہ دینا اس کے دل میں بدعت کو برا کر دے گا اور اس کی زجر و توبیخ میں اثر کرے گا تو اس صورت میں جواب کا نہ دینا بہتر ہے۔ اس لیے کہ جواب سلام اگرچہ واجب ہے مگر ادنیٰ اغراض مصلحت آمیز کے باعث ساقط ہو جاتا ہے۔ مثلاً آدمی اگر حمام میں ہو یا قضائے حاجت میں ہو۔ (تو اس مصلحت سے جواب سلام اس سے ساقط ہو گا)۔

بدعتی سے احتراز کرنے کی ضرورت اس لیے کہ اس کی صحبت میں یہ خوف ہے کہ کہیں اس کی بدعت اپنے اندر اثر نہ کرے اور اس کی نحوست دوسرے میں متعدی نہ ہو جائے اور بدعتی کہ قابل ترک ملاقات اور جُدا رہنے کے ہے تو اس کی صحبت لیسے اختیار کی جائے گی[1]

حضرت امام محمد بن سہل بخاریؒ فرماتے ہیں کہ:۔

ہم لوگ امام غزالیؒ کی خدمت میں حاضر تھے۔ آپ نے بدعتیوں کی مذمت شروع کی تو ہم نے عرض کیا کہ اگر آپ یہ ذکر چھوڑ کر حدیث کا درس شروع کر دیں تو زیادہ بہتر ہے۔ حضرت امام غزالیؒ یہ سن کر جوش میں آگئے اور فرمایا:۔

بدعتیوں کی تردید میں میرا کلام کرنا مجھے ساٹھ سال کی عبادت سے زیادہ پسند ہے[2]

---

[1] احیاء العلوم جلد ۲ [2] تلبیس ابلیس ص۱۶

امام ابن امیر الحاجؒ کا ارشاد

حضرت ابن امیر الحاجؒ (۷۳۷ھ) فرماتے ہیں۔

جس کام کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی صحابی نے نہ کیا ہو۔ بلاشبہ اس کا نہ کرنا ہی افضل ہوگا اور اس کا کرنا بدعت مانا جائے گا۔[1]

ایک اور مقام پہ ایک بدعت کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

تمہارے اسلاف کا یہ طریقہ نہ تھا۔ حالانکہ وہی سبقت کرنے والے پیشوا ہیں جن کی پیروی کی جاتی ہے۔ ہم تو محض ان کی متابعت کرنے والے ہیں، ہمارے لیے اسی حد تک کسی فعل کی گنجائش ہے جہاں تک ان کے لیے تھی اور خیر و برکت اور رحمت انہی کے اتباع میں ہے۔[2]

علامہ ابن کثیرؒ کا ارشاد

مفسر قرآن علامہ حافظ ابن کثیرؒ (۷۷۴ھ) کا ارشاد ہے۔

اہل سنت والجماعت فرماتے ہیں کہ جو قول و فعل جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ سے ثابت نہ ہو تو اس کا کرنا بدعت ہے۔ کیونکہ اگر وہ کام اچھا ہوتا تو ضرور صحابہ کرامؓ ہم سے پہلے اس کام کو کرتے۔ اس لیے کہ انہوں نے نیکی کے کسی پہلو اور کسی نیک اور عمدہ خصلت کو نہیں چھوڑا بلکہ وہ ہر کام میں گوئے سبقت لے گئے۔[3]

حضرت ابو ادریس خولانیؒ کا ارشاد

حضرت ادریس خولانی (۸۰ھ) کا ارشاد ہے۔

---

[1] المدخل جلد صہ [2] ایضاً صہ [3] الاعتصام صہ ۱۸۸

ما احدثت امة فی دینها بدعة الا رفع الله بها عنهم سنة۔[1]

ترجمہ: جب بھی کسی امت نے اپنے دین میں کوئی نئی بات (بدعت) پیدا کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے ایک سنت (پہلا روشن طریقہ) اٹھالی۔

یعنی بدعت اور سنت ایک ساتھ نہیں چل سکتیں۔ جونہی کوئی بدعت آئی طریق سنت ختم ہوا۔

آپ کا یہ بھی ارشاد ہے:۔

لأن اری فی المسجد نارًا لا استطیع اطفاءها احب الی من أن اری فیه بدعة لا استطیع تغییرها۔[2]

ترجمہ: میں مسجد میں آگ دیکھوں جسے میں بجھا نہ سکوں۔ یہ مجھ پر اتنا گراں نہیں جتنا یہ کہ میں مسجدوں میں بدعات ہوتے دیکھوں اور انہیں بدل نہ سکوں۔

حضرت یحییٰ بن کثیرؒ کا ارشاد

حضرت یحییٰ بن کثیرؒ کا ارشاد ہے:۔

واذا لقیت صاحب بدعة فی طریق فخذ فی طریق اٰخر۔[3]

ترجمہ: جب تو راستے میں کسی بدعتی کو دیکھے تو دوسری طرف ہو جا۔

یہ اس لیے کہ اس سے علیک سلیک نہ کرنی پڑے کیونکہ اس میں اس کی تعظیم ہوگی جس سے شریعت روکتی ہے اور یہ بھی ہے کہ اس سے اظہارِ ناخوشی ہو ـــــ اور وہ بدعتی سمجھنے لگے کہ اہلِ حق مجھ سے نفرت کرتے ہیں۔

حضرت علامہ شاطبیؒ کا ارشاد

حضرت علامہ ابو اسحٰق ابراہیم بن موسےٰ شاطبیؒ (۷۹۰ھ) کی تالیف لطیف "الاعتصام"

---

[1] الاعتصام جلد اصفحہ ۸۵ [2] ایضاً صفحہ ۹۲ [3] ایضاً صفحہ ۹۳

اہل بدعت کے لیے اللہ کی تلوار ہے جس میں آپ نے ہر پہلو سے بدعت کا جائزہ لیا ہے اور اس کی ہر طرح سے تردید فرمائی ہے۔ ایک مقام پر اہل اسلام سے بطور نصیحت مخاطب ہیں:۔

تم جان لو کہ بدعت کے ساتھ نہ نماز قبول ہوتی ہے نہ روزہ اور نہ صدقہ اور نہ کوئی نیکی، صاحب بدعت کے پاس بیٹھنے والے سے اللہ کی حفاظت اُٹھ جاتی ہے اور وہ شخص اپنے نفس کے حوالہ کر دیا جاتا ہے۔ بدعتی کے پاس جانے والا اس کی تعظیم کرنے والا اسلام کو گرانے میں مدد کرنے والا ہے۔ تو صاحب بدعت کے بارے میں کیا گمان ہو گا۔ وہ بدعتی شریعت مطہرہ کی نظر میں ملعون ہے اور جُوں جُوں عبادت کرے اللہ سے دور ہوتا جاتا ہے۔ بدعت عداوت اور بغض پیدا کرنے والی ہے اور ان سنتوں کو اُٹھانے والی ہے جو ان بدعات کے بالمقابل ہوں۔ اور اس کے موجد پر ان کا گناہ بھی ہے جو اس پر عمل پیرا ہوں گے۔ شفاعت محمدیہ سے محروم کرنے والی ہے۔ بدعتی کو توبہ کی توفیق نہیں ملتی۔ بدعتی پر ذلت اور خدا کا غضب نازل ہوتا ہے۔ بدعتی قیامت کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوضِ کوثر سے دور رکھا جائے گا۔ بدعتی پر خطرہ ہے کہ کہیں کفار میں شمار نہ پائے اور ملت سے نہ نکل جائے۔ اور بدعتی کے سوء خاتمہ کا بھی اندیشہ ہے۔ اور ڈر ہے کہ بدعتی کا چہرہ آخرت میں سیاہ ہو جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بدعتی سے برأت ظاہر کر دی ہے اور اس سے اہل اسلام بھی بری ہیں۔ بدعتی پر دُنیا میں فتنہ کا خطرہ ہے اور آخرت میں عذاب کی زیادتی کا ڈر ہے۔ (العیاذ باللہ)[1]

آپؒ کا ارشاد ہے:۔

فان الخیر کله فی الاتباع والشر کله فی الابتداع۔[2]

ترجمہ: بھلائی ساری کی ساری اتباع میں ہے اور برائیوں کی جڑ ابتداع (مسائل گھڑنا) ہے۔

---

[1] الاعتصام جلد ۱ ص۱۰۷ [2] ایضاً ص۱۳۷

شیخ موفق الدینؒ کا ارشاد

حضرت شیخ موفق الدینؒ بدعت اور اہل بدعت کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ :-

اہل بدعت کی کتابوں کو دیکھنا منع ہے۔ اکابرین اہل بدعت کی صحبت سے روکتے اور ان کی کتابوں کو دیکھنے اور ان کی باتوں کو سننے سے منع فرماتے تھے۔[1]

علامہ برکلی الحنفیؒ کا ارشاد

حضرت علامہ برکلی الحنفیؒ (۹۸۱ھ) فرماتے ہیں :-

تم جان لو کہ فعل بدعت ترکِ سنت سے زیادہ نقصان دہ ہے۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ فقہاء فرماتے ہیں کہ جب کوئی حکم سنت اور بدعت کے درمیان وارد ہو تو اس کا ترک کرنا ضروری ہوگا۔[2]

علامہ ابن رجبؒ کا ارشاد

علامہ حافظ ابن رجب حنبلیؒ (۷۹۵ھ) لکھتے ہیں :-

جس نے بھی کوئی چیز ایجاد کی اور اس کو دین کی طرف منسوب کیا جب کہ اس کی دین میں کوئی اصل نہیں ہے جس کی طرف وہ راجع ہو تو وہ گمراہی ہے اور دین اسلام اس سے بری ہے۔ خواہ وہ ایجاد کردہ چیزیں اعتقادات ہوں یا اعمال یا اقوال ظاہرہ و باطنہ رہا سلف کے کلام میں بعض بدعات کے حسن کا ثبوت، تو (یاد رکھو کہ) وہ حسن لغوی بدعات میں ہے نہ کہ شرعی بدعات میں۔[3]

---

[1] الآداب الشرعیہ جلد ۱ ص ۲۶۳ [2] طریقہ محمدیہ ص۔ المنہاج الواضح ص ۱۵۶ [3] جامع العلوم والحکم ص

علامہ سیوطیؒ کا ارشاد

علامہ جلال الدین سیوطیؒ (۹۱۱ھ) لکھتے ہیں :-

اہل بدعت کے مختلف گروہوں نے باطل اعتقادات قائم کر لیے اور قرآن کریم سے اپنی باطل آراء پر استدلال کر کے اپنی مرضی پر اس کو ڈھال لیا۔ حالانکہ حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؒ میں ان کا کوئی بھی پیش رو نہیں۔ نہ رائے میں اور نہ ہی تفسیر میں۔[1]

آگے چل کر لکھتے ہیں :-

حاصل کلام یہ کہ جس نے صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؒ کے مذاہب اور ان کی تفسیر سے اعراض کیا اور اس کے خلاف کو اختیار کیا تو وہ شخص خطا کار بلکہ مبتدع ہو گا، کیونکہ حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعین قرآن کریم کی تفسیر اور اس کے معانی کو زیادہ جانتے تھے جیسا کہ وہ اس حق کو زیادہ جانتے تھے جو اللہ تعالیٰ نے رسول برحق صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ بھیجا تھا۔[2]

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کا ارشاد

علماء کرام لکھتے ہیں کہ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی کام کو کرنا سنت ہے اس طرح کسی کام کو چھوڑنا بھی سنت ہے اور اس کی مخالفت بدعت ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ) ایک حدیث پاک کی تشریح میں فرماتے ہیں :-

اتباع جیسے فعل میں واجب ہے اسی طرح ترک میں بھی اتباع ہو گی۔ سو جس نے کسی ایسے کام پر ہمیشگی کی جو شارع علیہ السلام نے نہیں کی تو وہ بدعتی ہو گا۔ ایسا ہی حضرات محدثین نے فرمایا ہے۔[3]

---

[1] الاتقان جلد ۲ صفحہ ۱۸۱ مصر [2] ایضاً [3] اشعۃ اللمعات جلد ۱ صفحہ ۲

نوٹ

سیدنا ملا علی القاریؒ مرقات شرح مشکوٰۃ جلد ۱ ص۱۷۹ پر علامہ نواب قطب الدینؒ مظاہر حق جلد ۱ ص۲۰ پر اور شرح مسند امام اعظم ابو حنیفہؒ وغیرہ میں بھی ایسا ہی فرمایا ہے[۱]

حاصل یہ کہ باوجود داعیہ اور محرک کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی فعل کو نہ کرنا ایسا ہی سنت ہے جیسا آپ کا کسی کام کو کرنا سنت ہے اور اس کی مخالفت بدعت اور اس پر عمل کو جمہور الاحضرات محدثین و فقہاء اور صوفیاء عظام کی نظر میں بدعتی ہوگا۔

شرح مسند امام میں تلفظ بالنیہ کی بحث میں لکھتے ہیں

والاتباع کما یکون فی الفعل یکون فی الترک

ترجمہ۔ اتباع جیسے کسی کام کے کرنے میں کی جاتی ہے اس کے ترک میں بھی ہوتی ہے۔

یہ اصول بریلویوں کے اس مفروضے کی کھلی تردید کرتا ہے کہ جس کام سے حضور نے منع نہیں فرمایا، وہ بلا تردد نیک سمجھ کر کرتے رہو صحابہ کرامؓ کا میلاد کا اجتماعی طور پر نہ منانا اور اس کا قرون ثلثہ میں نہ ہونا ان کے ہاں کوئی وزن نہیں رکھتا برملا کہتے ہیں آپ نے اس سے منع تو نہیں فرمایا۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے مقدمہ فتح الملہم میں اس پر یہ سرخی قائم کی ہے۔

ترکہ صلی اللہ علیہ وسلم ...... اور اس کے تحت لکھتے ہیں۔ قال الامام الشاطبی الفعل منہ صلی اللہ علیہ وسلم دلیل علی مطلق الاذن فیہ مالم یدل دلیل علی غیرہ من قول او قرینۃ حال او غیرھما واما الترک فمحلہ فی الاصل غیر الماذون فیہ وھو المکروہ والممنوع[۲]

کسی کام کا داعیہ موجود ہو اسباب بھی پائے جائیں اور پھر حضورؐ اور صحابہؓ اسے نہ کریں تو اب یہ ترک بھی اہل سنت کے لیے ان حضرات کی علمی میراث ہے جیسے ان حضرات کا کسی کام کو کرنا اس امت کے لیے علمی میراث ہے

---

[۱] دیکھئے المنہاج الواضح ص۹۲ [۲] فتح الملہم جلد ۱ ص۴۵

اہلِ بدعت اولیاء کرام کی نظر میں

حضرت سہل بن عبداللہ تستری کا ارشاد

حضرت سہل بن عبداللہ تستری کا ارشاد ہے:۔
جس نے راہِ ہدایت کا اتباع کیا اور کتاب و سنت سے وابستہ رہا تو وہ راہِ ہدایت سے کبھی گمراہ نہیں ہوگا اور نہ ہی آخرت میں بدبخت ہوگا۔[1]

حضرت ابراہیم بن ادھم کا ارشاد

سیدنا حضرت ابراہیم ادھم سے کسی نے پوچھا کہ ہماری دعائیں کیوں قبول نہیں ہوتیں. آپ نے دس باتیں تبلائیں. ان میں سے ایک بات یہ بھی ہے:۔
تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا دعوے کیا. مگر آپ کی سنت کو ترک کر بیٹھے۔[2]

حضرت بشر الحافی کا ارشاد

سیدنا بشر الحافی (۲۲۷ھ) فرماتے ہیں:۔
میں نے مریسی (بدعتی پیشوا) کے مرنے کی خبر بیچ بازار میں سنی. اگر وہ مقام شہرت نہ ہوتا تو یہ موقع تھا کہ میں شکر کر کے اللہ تعالیٰ کے لیے سجدہ کرتا کہ الحمد للہ الذی اماتہ یعنی اللہ کا شکر ہے کہ جس نے اس مفسد بدعتی کو موت دیدی تم بھی ایسا ہی کہا کرو۔[3]

---

[1] مرقات جلد اول ص۲۵۸ [2] سنت و بدعت از مفتی محمد شفیع صاحب [3] تلبیس ابلیس ص۱۶

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا ارشاد

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ (۵۶۱ھ) کا ارشاد ہے کہ:۔

(۱) ہوشیار اور عقلمند مومن کے لیے بہتر یہ ہے کہ آیات و احادیث کے ظاہری معنوں کے مطابق عمل کرے اور ان (آیات و احادیث) کا تابعدار رہے نئی باتیں نہ نکالے نہ اپنی طرف سے کمی بیشی کرے نہ تاویلیں کرے۔ ایسا نہ ہو کہ بدعت اور گمراہی میں پڑ کر ہلاک ہو جائے۔

(۲) ہر مومن کو سنت اور جماعت کی پیروی کرنا واجب ہے۔ سنت اس طریقہ کو کہتے ہیں، جس پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چلتے رہے اور جماعت اسے کہتے ہیں جس پر چار وں خلفاءِ راشدینؓ نے اپنی خلافت کے زمانے میں اتفاق کیا۔ یہ لوگ سیدھی راہ دکھانیوالے تھے کیونکہ انہیں سیدھی راہ دکھائی گئی تھی۔

(۳) اہلِ بدعت کے ساتھ میل جول نہ رکھا جائے نہ ہی اُن کے ساتھ بحث میں پڑے نہ انہیں سلام کرے۔

(۴) اہلِ بدعت کے قریب نہ جانا۔ ان کے ساتھ نہ بیٹھنا۔ نہ ان کی کسی خوشی کے موقعہ پر انہیں مبارکباد دینا۔ نہ ان کے جنازہ میں شرکت کرنا۔ اگر کہیں ایسے لوگوں کا ذکر ہوتا ہو تو ان کے بارے میں رحمت کے کلمے بھی نہ کہنا بلکہ ان سے دُور رہ کر ان سے دشمنی کرنا۔ یہ دشمنی محض اللہ کے لیے ہو اور اس نیت سے کہ ان کا مذہب جھوٹا ہے۔ ان (اہلِ بدعت) کی دشمنی سے ہمیں ثواب ملے گا۔

(۵) اس کے برعکس جو شخص بدعتی کے ساتھ ہنسی خوشی ملے جو اس کی خوشی کا باعث ہو اس شخص نے اس چیز کی حقارت کی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔

(۶) جب تو کسی بدعتی کو جاتا دیکھے تو وہ راستہ چھوڑ کر دوسرے راستہ پر چلا جا۔[1]

---

[1] غنیۃ الطالبین صد ۱۸۵، صد ۱۸۶ مترجم

حضرت ابراہیم خواصؒ کا ارشاد

سیدنا حضرت ابراہیم خواصؒ کا ارشاد ہے:۔

علم کثرتِ روایت کا نام نہیں بلکہ عالم وہ ہے جو اپنے علم کا متبع ہو اور اس پر عمل کرے اور سنتِ نبویؐ کی اقتدا کرے اگرچہ اس کا علم تھوڑا ہو۔

کسی نے آپ سے دریافت کیا کہ عافیت کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا:۔

دین بغیر بدعت کے اور عمل بغیر آفت کے (یعنی بدعات مخترعات کی آفات اس میں شامل نہ ہوں) اور قلبِ فارغ جس کو (غیر اللہ کا) شغل نہ ہو اور نفس جس میں شہوت (کا غلبہ) نہ ہو[1]

شیخ ابن عربیؒ کا ارشاد

حضرت شیخ محی الدین ابن عربیؒ آیت تکمیلِ دین کی تشریح میں فرماتے ہیں:۔

الیوم اکملت لکم دینکم کے بعد دین میں زیادتی — دین میں نقص پیدا کرنا ہے۔[2]

شیخ ابوالقاسمؒ کا ارشاد

حضرت شیخ ابوالقاسم النصرابادیؒ کا ارشاد ہے:۔

تصوف کی اصل کتاب و سنت کو لازم پکڑنا۔ بدعات و خواہشات کو ترک کر دینا رخصتوں اور تاویلات کے ارتکاب سے بچنا ہے۔[3]

---

[1] الاعتصام جلد ۱ ص۸ [2] فتوحاتِ مکیہ بحوالہ عبداللہ بن مسعودؓ اور ان کی فقہ [3] الاعتصام جلد ۱ ص۲

حضرت فضیل بن عیاضؒ کا ارشاد

سیدنا حضرت فضیل بن عیاضؒ (د ۱۸۷ھ) فرماتے ہیں:-

جو شخص کسی بدعتی کے پاس بیٹھتا ہے تم اُس سے بچنا۔

آپ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ:-

اہلِ بدعت کے ساتھ دوستی رکھنے والے کے نیک اعمال ضائع کر دیئے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اس کے دل سے ایمان کا نور نکال لیتا ہے اور جو شخص اہلِ بدعت کے ساتھ دشمنی رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اسے بخش دیتا ہے۔ خواہ اس کے نیک اعمال تھوڑے ہوں [۱]

آپ کا ارشاد ہے:-

اے مخاطب! جب تو کسی بدعتی کو ایک راستہ پر چلتا دیکھے تو دوسرا اختیار کرلے [۲]

آپ کا یہ بھی ارشاد ہے:-

بدعتی کا کوئی عمل بھی اللہ کی بارگاہ میں بلند نہیں کیا جاتا اور جس نے بدعتی کی اعانت کی خوب یاد رکھو اس نے اسلام کے ڈھانے میں مدد کی [۳]

کسی نے حضرتؒ سے کہا کہ جس نے اپنی لڑکی کسی بدعتی کے نکاح میں دی تو کیا اس نے قرابتِ پدری کا ناطہ اس سے قطع کر لیا؟ آپؒ نے فرمایا:-

جس نے اپنی لڑکی کی شادی کسی بدعتی سے کی تو اس نے قرابتِ پدری کا ناطہ اس سے قطع کر دیا۔

آپ کا یہ بھی ارشاد ہے:-

جو کوئی بدعتی کی مجلس میں جاتا ہے اسے حکمت (یعنی معرفت) نہیں دی جاتی [۵]

---

۱ غنیۃ الطالبین ص۱۸۶ ۲ تلبیس ابلیس ص۱۵ ۳ مکتوبات معصومیہ ص۹ ۴ تلبیس ابلیس ص۱۵ ۵ الاعتصام جلد ۱ ص۲۷

حضرت ابوحفص حدادؒ کا ارشاد

سیدنا حضرت ابوحفص حدادؒ سے بدعت کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا:
خدا کے احکام میں زیادتی کا ارتکاب، سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سستی و غفلت، اپنی خواہشات کا اتباع۔ اور سلف صالحین کی اقتداء و اتباع کو ترک کر دینے کا نام بدعت ہے[1]

حضرت ذوالنون مصریؒ کا ارشاد

سیدنا حضرت ذوالنون مصریؒ (م ۲۴۵ھ) کا ارشاد
اللہ تعالیٰ کی محبت کی علامت یہ ہے کہ اخلاق و اعمال اور تمام امور اور سنن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کیا جائے[2]
پھر آپ نے فساد کے اسباب بیان کرتے ہوئے فرمایا:
وہ اپنی ایجاد کردہ چیزوں کے تابع ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو ترک کر دیا اور مشائخ سلف اور بزرگانِ سلف اور بزرگانِ متقدمین میں سے اگر کسی سے کوئی لغزش صادر ہو گئی تو ان لوگوں نے اسی کو اپنا مذہب بنا لیا اور ان کے فعل کو اپنے لیے حجت سمجھ لیا اور ان کے باقی تمام فضائل و مناقب کو دفن کر دیا۔
ایک شخص نے آپ سے نصیحت چاہی تو آپ نے فرمایا:
تم پر لازم ہے کہ سب سے زیادہ اہتمام اللہ کے فرائض و واجبات کے سیکھنے اور ان پر عمل کرنے کا کرو اور جس چیز سے اللہ نے منع کر دیا اس کے پاس نہ جاؤ کیونکہ حق تعالیٰ کی عبادت کا وہ طریقہ جو اس نے خود سکھایا اس طریقہ سے بہت

---

[1] الاعتصام جلد ۱ ص۸۲ [2] ایضاً ص۸۱

بہتر ہے جو تم خود اپنے لیے بناتے ہو اور یہ سمجھتے ہو کہ ہمارے لیے اجر میں زیادہ اجر و ثواب ہے جیسے بعض لوگ رہبانیت اختیار کر کے خلاف سنت کرتے ہیں[۱]

شیخ بندار بن حسینؒ کا ارشاد

حضرت شیخ بندار بن حسینؒ کا ارشاد ہے :۔

صحبۃ اھل البدع تورث الاعراض عن الحق[۲]

ترجمہ۔ اہل بدعت کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا حق سے دوری پیدا کر دیتا ہے۔

شیخ نظام الدین اولیاءؒ کا ارشاد

حضرت شیخ نظام الدینؒ (۷۲۱ھ) فرماتے ہیں :۔

بدعت کا درجہ معصیت سے اُوپر ہے اور کفر کا درجہ بدعت سے اوپر (لیکن) بدعت کفر سے نزدیک ہے[۳]

حضرت اسلم باروسیؒ کا ارشاد

سیدنا حضرت اسلم بن الحسین باروسیؒ فرماتے ہیں :۔

جس پر بھی نُورِ ایمان سے کچھ ظاہر ہو اور وہ محض اتباعِ سنت، اور بدعت کی مخالفت و اجتناب سے ہوا اور جس جگہ تم ظاہری مجاہدہ محنت اور کوشش زیادہ دیکھو مگر اس میں نورانیت ظاہر نہ ہو تو سمجھو کہ یہاں کوئی بدعت چھپی ہوئی ہے[۴]

---

[۱] الاعتصام جلد ۱ صفحہ ۲۶۸ [۲] ایضاً صفحہ ۸۳ [۳] فوائد الفواد صفحہ ۱۰۹ [۴] نفحات الانس صفحہ ۱۸۵

حضرت ابُو علی جوازنی کا ارشاد

سیدنا حضرت ابو علی جوازنی رح سے کسی نے سوال کیا کہ اتباعِ سنت کا طریقہ کیا ہے، آپ نے فرمایا۔
بدعات سے اجتناب اور ان عقائد و احکام کا اتباع جن پہ علماء اسلام کے صدر اول کا اجماع ہے۔ ان کی اقتدا کو لازم سمجھنا[1]

حضرت ابُوبکر ترمذی کا ارشاد

سیدنا حضرت ابوبکر ترمذی فرماتے ہیں۔
کمال ہمت اس کے تمام اوصاف کے ساتھ سوائے اہل محبت کسی کو حاصل نہیں ہوئی اور یہ درجہ ان کو محض اتباعِ سنت اور بدعات کے ترک کرنے کی وجہ سے حاصل ہوا ہے[2]

خلاصہ کلام یہ کہ بدعت اور اہل بدعت اسلام، صحابہ کرامؓ اور اکابرین ملت کی نظر میں بہت ہی قابل نفرت ہیں۔ کیونکہ بدعت سے دینِ قیم کا روشن چہرہ داغدار بن جاتا ہے۔ اس لیے تمام اکابرین نے بدعت و اہل بدعت سے بچنے کی تاکید فرمایا ہے۔

دُعا ہے کہ اللہ رب العزت سنت پہ استقامت اور اس کی نشر و اشاعت کی توفیق دے۔

حضرت مولانا اسمٰعیل شہید کی دُعا

جیسا تو نے اپنے فضل سے ہم کو شرک و توحید کے معنی سمجھائے اور لا الٰہ الا اللہ کا مضمون خوب تعلیم کیا اور مشرک لوگوں سے نکال کر موحد پاک مسلمان بنایا اسی طرح اپنے فضل سے بدعت و سنت کے معنی خوب سمجھا اور محمد رسول اللہ کا مضمون خوب تعلیم کر۔ اور بدعتی مذہبوں سے نکال کر سنی پاک متبع سنت کا کر[3]

---

[1] الاعتصام جلد اصـ۹۱ [2] ایضاً [3] تقویۃ الایمان آخر کتاب صـ

وقت کی نبض پر ہاتھ رکھیں

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔ اما بعد:

حضرات صحابہ کرامؓ تابعین عظامؒ مجتہدین کرامؒ علمائے اعلام اور اولیائے کرامؒ کے ان ارشادات کے بعد ہمارے قارئین ہم سے ضرور مطالبہ کریں گے کہ اب جب کہ ہمیں بدعات سے بہت زیادہ نفرت ہوگئی ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ ایک سیاہ سانپ ہمارے نیک اعمال کے گرد بل کھاتے بیٹھا ہے۔ خدارا ہمیں جلد بتائیں کہ اس دور میں اہل بدعت نے کون کون سی بدعات کی دکانیں زیادہ سجا رکھی ہیں۔ تاکہ ہم اہل السنۃ والجماعۃ ان بدعات سے یکسر کنارہ کشی اختیار کرسکیں۔

اگر کوئی بدعت کسی تاویل سے دائرہ بدعات سے نکل سکتی ہو تو خدارا ہمیں وہ تاویل نہ بتائیں۔ سنت کی جرنیلی سڑک کے ہوتے ہوئے ہمیں متشابہات میں پڑنے اور ان سے تمسک کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ احتیاط کا تقاضا ہے کہ جس عمل کا بدعت ہونا متنازعہ فیہ بھی ہو ہم اس سے بچیں اور دین کو تاویل کے سہارے دے دے کر اپنی آخرت کو برباد نہ کریں —— یہ صرف مقام سنت ہے کہ اسے کسی قیمت پر چھوڑا نہیں جاسکتا۔ سنت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہو یا خلفائے راشدینؓ کی —— ہم دونوں سے تمسک کے پابند ہیں۔ اللہ تعالیٰ سنت کی محبت ہمارے قارئین کے دلوں میں موجزن رکھے اور بدعت سے ہمیں کلیۃً بچنے کی توفیق بخشے۔

تعمیل ارشاد میں ہم کس کس بدعت کی نشاندہی کریں۔ ہمارے جاہل عوام سراسر بدعت کے اندھیروں میں ڈوب چکے ہیں۔ تاہم چند بدعات کی ہم کچھ نشاندہی کئے دیتے ہیں۔ بے علم مسلمانوں کی عملی بدعات کا ایک مختصر نقشہ ہے انہیں ہم نے کتاب و سنت کے آئینہ میں اتارا تو اندر ظلمات بعضہا فوق بعض کے سوا کچھ نظر نہیں آیا۔ تاہم اسے موضوع بنانا نہ چاہتے تھے لیکن کانٹوں کو پھولوں سے جدا کرنا بھی اس امت کی بہت بڑی ذمہ داری ہے۔

ما نبودیم بدیں مرتبہ راضی غالب شعر خود خواہش آں کرد کہ گردد فن ما

عبادات بدعات کی زد میں

عبادات وہ عمل ہیں جن سے بندہ اپنے مالک کے قریب ہوتا ہے اور وہ جتنا اس کے آگے جھکتا جاتا ہے اس کے قرب میں بڑھتا جاتا ہے واسجد واقترب میں اسی کی تعلیم دی گئی ہے۔ عبد کا معبود سے یہ رشتہ شیطان کے لیے بہت بھاری ہے۔ وہ پوری کوشش کرتا ہے کہ اس کی اس محنت کو بے ثمر بنا دے اور اس کی اس عبادت کو بدعات کے اندھیروں سے بے نور کر دے۔

پانچ وقت اذان ہوتی ہے شیطان پریشان ہوتا ہے کہ کہیں اذان میں روح بلالی نہ آجائے وہ اپنے دوستوں کے کانوں میں پھونکتا ہے اذان وہاں سے شروع نہ کرو جہاں سے حضرت بلالؓ کرتے تھے۔ تم پہلے پورے زور سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام پڑھو ——— درود و سلام سے تمہیں کوئی روک نہ سکے گا لیکن التزام کی یہ بدعت کم از کم اذان کو بے نور ضرور کر دے گی اور نمازی کبھی نہ بڑھیں گے۔ اگر ایسی اذان کبھی رائے ونڈ میں بھی رواج پاجائے تو وہاں بھی نمازوں کے یہ جلوے کبھی نہ دکھائی دیں جو ان دنوں نظر آرہے ہیں۔ ان الشیاطین لیوحون الی اولیآئھم سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔

اگر کہیں کوئی خوش نصیب مسجد میں آگیا اور اسے نماز باجماعت مل گئی تو اب نماز کے آخر میں (جو قبولیت دعا کا وقت ہوتا ہے) اتنے زور سے ذکر کرو کہ نماز سے حاصل شدہ نور سب جاتا رہے اور یہ نماز وہ نماز نہ رہے جو صحابہ کرامؓ کی ہوتی تھی ——— جس کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے۔

ان الصلوٰۃ تنھیٰ عن الفحشاء والمنکر۔ (پ ۲۱ العنکبوت)

جو لوگ نماز پہ ہوتے ہیں ہے اور وہ اپنی چھٹی رکعتیں پوری کر رہے ہیں انہیں اتنی تکلیف دو کہ وہ یا پڑھنا بھول جائیں یا رکعتیں بھول جائیں۔ اگر کوئی پہلے سے فارغ نمازی کسی کونے میں بیٹھا قرآن پڑھ رہا ہے وہ تمہارے اس شور سے قرآن پڑھنا بھول جائے بس ایسا اودھم مچاؤ کہ نماز اللہ کی

یاد نہ رہے۔ اچھا خاصا میلہ بن جائے۔

اگر کسی مسلمان کو جنازہ پڑھ کر اللہ کے سپرد کرو تو جنازہ کے گرد جو سنت کا نور پھیلنے والا ہے اسے اس عمل سے دور کرو جو صحابہ کرامؓ اور اولیاء اللہ کی نماز جنازہ میں نہ ہوتا تھا ——— وہ عمل کیا ہے؛ نماز جنازہ کے بعد وہیں کھڑے کھڑے دعا کرو ——— اور اگر کوئی اہل السنۃ والجماعۃ یہ کہے کہ نماز جنازہ سنت کے مطابق ادا کی جائے تاکہ سنت کا نور میت کو اپنی لپیٹ میں لے لے تو فوراً سکہ اٹھا دو کہ قرآن و حدیث میں کہیں منع تو نہیں کیا گیا ——— حرج کیا ہے؛ ——— تم منع کی دلیل لاؤ غرض جس طرح بھی ہو سکے ان عبادات کو بدعات کے اندھیروں سے بے نور کر دو۔

عبادات میں بدعات کے کانٹے بچھانے کی یہ وہ راہیں ہیں جن سے علماء اہل السنۃ ہمیشہ منع کرتے آئے ہیں۔ جمعہ کا دن مبارک ہے۔ اس دن ایک بدعت اور بڑھا دو تاکہ جمعہ جتنا مبارک ہے بدعت کی سیاہ کارروائی اس کے برابر عمل میں آ سکے۔ وہ یہ کہ نماز جمعہ کے بعد وہیں کھڑے کھڑے دائرہ باندھو اور کانوں کان کہہ دو کہ حضورؐ آگئے ہیں اور بلند آواز سے صلوٰۃ و سلام پڑھنا شروع کر دو ایسی آواز سے جو تمہارے خیال میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے بھی اونچی ہو۔

بدعات کا نصاب اب یہ ہے

(۱) اذان میں صلوٰۃ و سلام کا اضافہ کرو اور یہ اذان سے پہلے پڑھو۔

(۲) جماعت کے لیے جب تکبیر ہو تو قد قامت الصلوٰۃ سے پہلے کھڑے ہونے کو مکروہ سمجھو۔

(۳) فرض نمازوں کے بعد ایسا ذکر بالجہر کرو کہ مسبوق نمازیوں کے لیے تمہاری آواز اذیتناک ہو۔

(۴) جمعہ کی نماز کے بعد کھڑے ہو کر دائرہ باندھ کر حضور کو بلاؤ اور پھر آپ پر صلوٰۃ و سلام عرض کرو۔

(۵) کسی مسلمان کی نماز جنازہ پڑھو تو سنت کے مطابق نہ پڑھو۔ دعا نماز کے اندر نہیں نماز کے بعد مانگو۔

یہ پانچ امور وہ نصاب بدعات ہے جس کے بغیر آج کسی شخص کو بریلویت کی سند نہیں ملتی۔

اولیاء اللہ کے امت پر احسانات

اولیاء اللہ کے اس امت پر ہزاروں احسانات ہیں۔ انہوں نے اللہ رب العزت کی نعمت ولایت سے لاکھوں مسلمانوں کے دل میں خدا کی محبت کے چراغ روشن کیے۔ اب ان کے ایصالِ ثواب میں قرآن کریم پڑھنا یتیموں اور مسکینوں کو خیرات دینا ان نیکیوں کو کیوں بے ثمر کیا جا سکتا ہے کہ ان اعمالِ خیر پر بدعات کے زیادہ سے زیادہ غلاف چڑھادو اور ان کو بالکل بدعات بنادو۔

① قرآن کریم پڑھا جائے تو حافظوں اور قاریوں کو ہدیہ دینے کے نام سے اجرت دی جائے۔

② کھانا کھلایا جائے تو اچھے خاصے صاحبِ حیثیت رشتہ داروں اور دوستوں کو۔

③ کپڑے خیرات کیے جائیں تو حضرت مولانا کے سائز کے تاکہ وہ انہیں پہن کر خطبہ دے سکیں۔

④ ایصالِ ثواب کی تمام خیرات کو تیجے دسویں اکیسویں اور چالیسویں کی تعیینات سے بے اثر اور بے ثمر کر دیا جائے۔

⑤ پھر ان بزرگوں کی قبروں پر (وہ گھروں میں ہوں تو گھروں کے ان کمروں میں) جمعرات کو چراغ جلاؤ اور جہاں تک خدا کی رحمت کو روک سکو روکو۔

⑥ نیکی کا یہ عمل صرف بدعات سے نہیں شرک سے بھی آلودہ کیا جائے ــــــ وہ اس طرح کہ ان کے مزاروں پر کچھ لوگ ایسے بیٹھے ہوں جو ان کو سجدہ کریں۔ تاکہ آنے والے جاہل زائرین کچھ اس شرک میں حصہ لے سکیں اور پھر یہاں سجدے پر سجدہ ہو۔

⑦ پھر ان مزاروں پر اپنے کاموں کے لیے منتیں اور نذریں مانو۔ لڑکا لینے کی فیس لڑکی سے زیادہ جانو

وفات پر خوشیاں منانے کے مختلف انداز ان اہل بدعت کی تعلیمات ہیں ورنہ خوشیاں تو سرور کے موقعہ پر ہوتی ہیں غموں کے موقع پر نہیں۔ مگر شیطان چونکہ انسان کی آدمی فطرت (حضرت آدم سے دیرینہ دشمنی کے باعث) مسخ کرنا چاہتا ہے۔ اس لیے وہ غموں اور صدموں کو بھی رونقوں سے رنگین کرتا ہے اور اس کے چاہنے والوں کو اہلِ میت کے ہاں دعوتیں اڑانے سے وہ مزہ حاصل ہوتا ہے

جو شادیوں کی دعوتوں میں بھی انہیں نہیں ملتا۔

۲۲، رجب کو کاتب وحی حضرت امیر معاویہؓ فوت ہوئے۔ اس وفات کی خوشی میں ان لوگوں نے حلوے پوری کے کونڈے بھرے اور دوسرا ظلم یہ کیا کہ اپنے اس عمل کو انہوں نے حضرت امام جعفر صادقؒ کی طرف منسوب کیا اور تیسرا ظلم یہ کیا کہ اپنے اس سیاہ عمل کے نیچے انہوں نے اپنی بہت سی مرادات اور تمنائیں لا بچھائیں کہ ظلمات بعضہا فوق بعض کا پورا عملی نقشہ سامنے آگیا۔

پھر ۱۲ ربیع الاول کو یہ لوگ بارہ وفات کی تقریب اس شان سے مناتے ہیں کہ عقل حیران ہوتی ہے۔ بازاروں اور گلیوں کو جھنڈیوں سے آراستہ کیا جاتا ہے۔ رات کو مکانوں اور مسجدوں میں چراغاں کرتے ہیں، جلوس نکالے جاتے ہیں اور خوشی سے پھولے نہ سمانے والے علماء و خطباء اور ان کے نعت خواں بازاروں اور سڑکوں پر بہت فرحاں و شاداں نظر آتے ہیں۔ کہیں مٹھائیاں تقسیم ہو رہی ہیں کہیں پلاؤ زردے کے قاب تقسیم ہو رہے ہیں ــــ کس لیے کہ آج ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا یوم وفات ہے انا للہ وانا الیہ راجعون۔

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبیست

عیسائیوں نے کرسمس منایا تو حضرت عیسیٰ کی پیدائش کی خوشی میں اور یہ ان کا اپنا مذہبی شعار ہے حیرت ان مسلمانوں پہ ہوتی ہے جو ایسی خوشیاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر کرتے ہیں آپ کی ولادت ۹ ربیع الاول کو ہوئی تھی اور وفات ۱۲ ربیع الاول کو ــــ بارہ وفات کی خوشی اور وہ بھی عید میلاد النبی کے نام سے اس کی کوئی تاریخی، تفریحی، تحقیقی یا نفسیاتی وجہ ہمیں آج تک سمجھ میں نہیں آئی۔ عجیب قوم سے پالا پڑا ہے کچھ سمجھائیں تو الٹے فتوے لگاتے ہیں، تم بے ادب اور گستاخ ہو بارہ وفات کی خوشی نہیں مناتے۔ نہ سمجھاؤ تو دیار غیر (انگلستان) میں ہماری پوری قوم دوسری قوموں میں مضحکہ بنتی ہے کہ اپنے نبی کی وفات پہ بہت خوش ہیں۔

ہم نے ان چند صفحات میں اپنے گردو پیش پھیلی بدعات کی کچھ نشاندہی کر دی ہے۔ اگر آپ صحابہ و تابعین ائمہ مجتہدین سلف صالحین اور اولیاء کاملین کی ان آراء سے جو ہم نے آپ کے سامنے

پیش کی ہیں اتفاق کرتے ہیں قران تمام بدعات سے بچیں جن سے آج بریلوی حضرات ، اہل السنۃ و الجماعۃ سے الگ ہوتے ہیں اور اب اس نشہ بدعات میں ان کی اذانیں ہماری اذانوں سے اور ان کی نمازیں ہماری نمازوں سے الگ ہو کر رہ گئی ہیں اور کوئی بھی خواہ ملت ایسا نہیں جو اس تفریق کی کارروائی پر آنسو بہائے بغیر رہ سکے۔

بدعات کا علمی جائزہ

اگر آپ ان پیش آمدہ بدعات کا کچھ علمی جائزہ لینا چاہتے ہیں تو حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ محدث دہلوی، شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالغنی مؤلف الجنۃ لاہل السنۃ ، مناظر اسلام حضرت مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خاں صفدر دامت برکاتہم مؤلف راہ سنت اور متکلم اسلام حضرت مولانا علامہ خالد محمود صاحب دامت برکاتہم کی تالیف مطالعہ بریلویت حصہ ششم کا استیعاباً مطالعہ کریں۔

نامناسب نہ ہوگا کہ اس کتاب کے آخر میں حضرت علامہ صاحب دامت برکاتہم کا ایک فاضلانہ مضمون تبے علم مسلمانوں کی عملی بدعات ، بھی کچھ مختصر کرکے ہدیۂ ناظرین کر دوں تاکہ ہمارے دوست ان مروجہ بدعات کے بارے میں ان کے علمی پس منظر پر بھی مطلع ہو سکیں۔

میرا مقصد اس وقت صرف ان بدعات کی نشاندہی ہے ان کی تفصیل پیش نظر نہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ حضرت علامہ صاحب دامت برکاتہم کے اس مضمون سے اور اس کے بار بار پڑھنے سے بہت سے اہل بدعت پھر اہل سنت کی صفوں میں دوبارہ لوٹ سکیں گے۔

(حافظ) محمد اقبال عفا اللہ عنہ
مدیر ماہنامہ الہلال مانچسٹر
اسلامک اکیڈمی آف مانچسٹر

بے علم مسلمانوں کی عملی بدعات

اور اُن کا علمی جائزہ

دارُ المعارف
الفضل مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

ربع صدی کے بعد پھر منظرِ عام پر
عبقات
مِن بَابِ الاستفسارات
خلفائے راشدین جلد دوم
تنظیم اہل سنت پاکستان کے ہفت روزہ جریدہ دعوت کے تین سالوں کے باب الاستفسارات
کی پانچ سو صفحات میں یکجا پیشکش ہے۔ حضرتِ علامہ خالد محمود صاحب کے فاضلانہ قلم نے خلفائے راشدین
کے خلاف پھیلائی گئی تاریکیوں الجھنوں کو دور کرتے ہوئے سمندروں کو کوزے میں بند کر دیا ہے سینکڑوں عنوانوں
کے گرد گھومتی یہ علمی دستاویز ربع صدی پہلے شائع ہوئی تھی۔ اب اسے نئی کتابت سے دوبارہ شائع کیا جا رہا ہے۔
اسے خلفائے راشدین جلد اول جس میں صدیق اکبر نمبر۔ فاروق اعظم نمبر۔ عثمان غنی نمبر اور علی المرتضیٰ نمبر آگئے ہیں
کی دوسری جلد سمجھئے جن حضرات کے پاس علامہ خالد محمود صاحب کی کتاب خلفائے راشدین موجود ہے وہ عبقات کو خرید کر
اپنی اس کتاب کی تکمیل کریں۔
۶۸ گرام کا اعلیٰ سفید کاغذ ــــ کتابت اور طباعت عمدہ ــــ اعلیٰ ڈائی دار جلد
ہوش ربا گرانی کے باوجود ہدیہ اشتراک صرف سو روپے ہے۔
یورپین ممالک کے اردو خوان مسلمان طلبہ اور طالبات کے اسلامی عقائد کے تحفظ کے لیے مخیر حضرات
سے اپیل ہے کہ اس کتاب کی دو دو جلدیں یو کے اور امریکہ کی تمام بڑی بڑی لائبریریوں
میں رکھوا کر سعادتِ دارین حاصل کریں۔
حافظ محمد اقبال رنگونی عفا اللہ عنہ اسلامک اکیڈمی آف مانچسٹر

بے علم مسلمانوں کی عملی بدعات

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ، امابعد :-

بدعات سنن ثبوت کے گرد کانٹوں کی ایک باڑ ہے اور دین محمدی میں ایک اضافہ ـــ اسلام کی بنیاد پانچ ارکان پر ہے کلمہ. نماز. زکوٰۃ. روزہ اور حج ـ شیطان تحریف دین کے لیے زیادہ انہی کے گرد گھومتا ہے.

۱.کلمہ پڑھنا ایک بڑی عبادت ہے کچھ بدعات اس کے گرد جمع کردیں. ۲. نماز دین کا ستون ہے کچھ بدعات اذان اور نماز میں ڈال دیں. ۳. صدقات وخیرات کو تیجے دسویں اور چالیسویں سے داغدار کیا گیا. ماہانہ گیارھویں اور سالانہ بڑی گیارھویں کو عوام میں زکوٰۃ سے زیادہ اہم بنا دیا گیا. ۴. رمضان کے آخری عشرہ میں ضرورت سے زیادہ چراغاں کرنا اور نفل نمازیں تداعی سے پڑھنا اعمال اسلام قرار دیئے گئے. ۵. حج کے موقعہ پر ائمہ حرمین کے پیچھے نماز نہ پڑھنا اور جمعہ کے دن ظہر پڑھنا اپنا نشان بنا دیا.

عید میلاد کے نام سے ایک تیسری عید کا اضافہ ـ عرسوں کے نام سے قبروں کے میلے ـــ بہشتی دروازوں سے گزرنے کے ریلے اور امام جعفر صادق رح کے نام سے ۲۲ رجب کے کونڈے اور ان جیسی اور کئی بدعات ان کے علاوہ ہیں جنہیں جاہل مسلمان نیکی اور عبادت سمجھ کر بجالاتے ہیں.

اہل سنت مسلمانوں کو چاہیئے کہ ان اعمال کو فقہ حنفی کی روشنی میں دیکھیں. علمائے اہل بدعت اپنے اس نئے مذہب کو فقہ حنفی سے کبھی پیش نہیں کرتے نہ کر سکتے ہیں وہ صرف عمومات قرآن اور تفسیر بالرای سے کام لیتے ہیں. احادیث وہ پیش کرتے ہیں جو سرے سے موجود نہیں ہوتیں یا ضعیف ہوتی ہیں جو عقائد کے باب میں قابل قبول نہیں ہوتیں. اگر یہ لوگ فقہ حنفی کی روشنی میں کتاب وسنت میں اترتے تو یہاں انہیں کسی بدعت کی گنجائش نہ ملتی.

اے مالک حقیقی ان بے علم مسلمانوں کی ان ظالم علماء سے حفاظت فرما. انہیں ہدایت دے یہ جانتے نہیں اور وہ دائماً ان کے درپے ایمان ہیں.

خالد محمود عفا اللہ عنہ

کلمہ پڑھنے میں بدعت کی راہیں

کلمہ شریف نہایت پاک کلمہ ہے جس مسلمان کا آخری کلام یہ کلمہ ہو۔ وہ یقیناً جنتی ہے۔ یہ وہ پاک اقرار ہے جس پر دنیا کے بھی بہت سے احکام مرتب ہوتے ہیں اور آخرت میں انسان اس سے خدا کی بادشاہی میں داخل ہوتا ہے۔

لیکن کلمہ پڑھنے کو کسی خاص وقت یا کسی خاص ہیئت یا کسی خاص عمل سے خاص کر لینا یہ اپنی طرف سے ایجادِ بندہ ہے۔ شرع کے احکام کی حدود و قیود بھی شرع سے ہی ملنی چاہئیں نہ کہ انسان ان اعمال میں سے کسی عمل کو اپنی مرضی سے کسی وقت کے ساتھ خاص کرلے۔ اس تخصیص وقت پر بھی شرعی دلیل درکار ہے۔

① فرض نمازوں کے بعد بلند آواز سے کلمہ پڑھنا

بریلویوں نے فرض نمازوں کے بعد بلند آواز سے کلمہ پڑھنے یا درود پڑھنے کی بدعت اختیار کر رکھی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے صحابہ کرامؓ کبھی فرض نمازوں کے بعد بلند آواز سے کلمہ نہ پڑھتے تھے نہ درود شریف۔ اس خاص ہیئت میں جس طرح آجکل بریلوی مسجدوں میں نماز کے ختم پر باآواز بلند کلمہ پڑھا جاتا ہے۔ یہ عمل خیر القرون میں کہیں نہ تھا۔

البتہ اللہ اکبر کہنا اور وہ بھی بار بار نہیں۔ بعض روایات میں ثابت ہے مگر وہ روایات حنفیہ کے اصول کے مطابق پر لائق احتجاج نہیں۔ ان کے راوی عمرو بن دینار نے خود اس روایت کا جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے اپنے استاد ابو معبد سے انکار نقل کیا ہے۔ حضرت ابو معبد نے عمرو سے کہا کہ میں نے تو اسے روایت نہیں کیا۔ وہ روایت یہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں ہم حضورؐ کی نماز ختم ہونا آپ کے بلند آواز سے اللہ اکبر کہنے سے پہچانتے تھے۔ اس روایت کے بارے میں استاد نے شاگرد سے روایت کرنے کی نفی کی

ہے۔ صحیح مسلم میں ہے :-

قال عمرو فذکرت ذلك لابی معبد فانکرہ وقال لم احدثك بھذا۔[1]

ترجمہ۔ عمرو بن دینار کہتے ہیں میں نے اپنے استاد ابو معبد سے اس روایت کا ذکر کیا اور کہا میں نے تو تمہارے پاس یہ روایت بیان نہیں کی۔

سوال : یہ روایت صحیح مسلم میں ہی نہیں صحیح بخاری میں بھی ہے بریلوی اسے وہاں سے پیش کرتے ہیں؟

جواب : صحیح بخاری میں بھی اسے عمرو بن دینار ابو معبد سے روایت کرتے ہیں تو صحیح مسلم کی اس تفصیل سے صحیح بخاری کی یہ روایت بھی حنفیہ کے اصول پہ لائق احتجاج نہیں رہتی۔

سوال : صحابہؓ کے عہد میں بعض مسجدوں میں یہ اجتماعی صورت میں کلمہ اور درود پڑھنے کا رواج ہو چکا تھا؟

جواب : صحابہؓ اس عمل میں ہرگز شریک نہ ہوتے تھے اور جہاں ان کا بس چلے وہاں وہ ان بدعتیوں کو مسجد سے نکال دیتے تھے۔ حنفیوں کی معتبر کتاب شامی میں ہے :-

صح عن ابن مسعودؓ انہ اخرج جماعۃ من المسجد یھللون ویصلون علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم جھرًا وقال لھم ما اراکم الا مبتدعین۔[2]

ترجمہ۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے صحیح طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ آپ نے کچھ لوگوں کو جو مسجد میں کلمہ شریف اور درود شریف بلند آواز سے پڑھ رہے تھے مسجد سے باہر نکال دیا اور فرمایا تم مجھے بدعتی دکھائی دے رہے ہو۔

سوال : فرض نمازوں کے بعد بلند آواز سے ذکر کرنا کیا کبھی ائمہ اربعہ میں اختلافی مسئلہ رہا ہے آخر یہ عمل کسی امام کے ہاں تو جائز ہوگا۔ سو اسے کر لیا جائے تو حرج کیا ہے؟

جواب : یہ عمل ائمہ اربعہ میں سے کسی کے ہاں بھی پسندیدہ نہیں، چاروں مذاہب کے لوگ اس کے

---

[1] صحیح مسلم جلد ۱ ص ۲۱۷ [2] شامی جلد ۲ ص ۳۵۰

عدم استحباب پر متفق ہیں۔ حافظ ابن کثیرؒ (۷۷۴ھ) نقل کرتے ہیں ۔

المذاهب الاربعه على عدم استحبابه۔[1]

امام نوویؒ بھی لکھتے ہیں ۔

ان اصحاب المذاهب المتبوعة وغيرهم متفقون على عدم رفع الصوت بالذكر والتكبير[2]

ترجمہ۔ بیشک وہ تمام مذاہب جن کی اس امت میں پیروی جاری ہوئی اور ان کے علاوہ اور بھی سب اس پر متفق ہیں کہ ذکر اور تکبیر میں آواز اونچی نہ کرنی چاہیئے۔

اور امام ابوحنیفہؒ تو کھل کر کہتے ہیں کہ اللہ کا ذکر (مسجد میں) بلند آواز سے کرنا بدعت ہے اور قرآن کے خلاف ہے۔

حنفیوں کے جلیل القدر عالم علامہ حلبیؒ لکھتے ہیں ۔

ولابي حنيفة ان رفع الصوت بالذكر بدعة مخالف للامر في قوله تعالى ادعوا ربكم تضرعا وخفية۔[3]

ترجمہ۔ امام ابوحنیفہؒ کا مسئلہ یہ ہے کہ ذکر کے ساتھ آواز اونچی کرنا بدعت ہے اور قرآن کے اس حکم کے خلاف ہے کہ اپنے رب کو زاری سے اور آہستہ آواز سے یاد کرو۔

جو لوگ جماعت میں بعد میں شامل ہوئے اور انہیں مسبوق کی حیثیت سے اپنی نماز پوری کرنی ہے۔ ان کے لیے بریلویوں کا یہ عمل کس قدر تشویشناک ہوتا ہے اس کا احساس انہی لوگوں کو ہو سکتا ہے جن کو یہ شور بار بار نماز بھلا دیتا ہے۔ لیکن یہ بدعتی ہیں کہ لوگوں کو مسجدوں میں پُرامن طور پر نماز پڑھنے ہی نہیں دیتے۔

اگر کوئی شخص کسی سبب سے دیر سے مسجد میں پہنچا اور اب وہ اپنی باقی نماز بطور مسبوق

---

[1] البدایہ جلد ۱۰ صـ۲۷ [2] شرح صحیح مسلم جلد ۱ صـ۲۱۷ [3] کبیری صـ۵۶۶

مکمل کرنا چاہتا ہے تو یہ کیا اس کا حق نہیں کہ وہ اپنی نماز مسجد میں مکمل کر سکے۔ بریلویوں کا اس پر یوں برستا کہ تو دیر سے کیوں آیا ہے۔ اس پورے نظام کو بدلنا ہے جس کے لیے مسجدیں بنائی گئی ہیں۔

مشائخ علی پور کا بریلویوں سے اختلاف

علی پور ضلع سیالکوٹ میں دو بزرگ پیر جماعت علی شاہ نام کے ہوئے ہیں بڑے پیر صاحب کے جانشین مولانا محمد حسین علی پوری ہوئے جنہوں نے دورۂ حدیث حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ محدث دہلویؒ سے پڑھا تھا اور علی پور کے دوسرے پیر جماعت علی شاہ ثانی صاحب کے نام سے معروف ہوئے۔ اب اوّل و ثانی دونوں بزرگوں کے حلقے بریلوی سمجھے جاتے ہیں۔ حالانکہ ان دونوں بزرگوں نے جو حضرت بابا فقیر محمد نقشبندی کے خلیفہ تھے کبھی مولانا احمد رضا خاں کو اپنا امام یا مجدد مائۃ چہاردہم نہ مانا تھا۔ مولانا احمد رضا خاں ذہنی طور پر حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کو اپنا بزرگ نہ مانتے تھے اور یہ حضرات حضرت مجدد الف ثانیؒ پر جان دیتے تھے۔ بڑے پیر جماعت علی شاہ صاحب نے اپنے آخری دنوں میں علمائے دیوبند سے مصالحت کر لی تھی۔ یہ مصالحت لاہور میں کو ہوئی۔ علمائے دیوبند کی طرف سے اس میں سرخیل شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ تھے۔ اس صلح کی شہادت تاریخ میں محفوظ ہے۔[1]

پیر جماعت علی شاہ صاحب مولانا احمد رضا خاں کی طرح مکفر المسلمین نہ تھے۔ نہ وہ اس بات کے حامی تھے کہ ہندوستان میں اہل السنۃ والجماعۃ کو دو دھڑوں میں تقسیم کر کے شیعوں کو قوت فراہم کی جائے۔ ان کا یہ فتوے نہ تھا کہ دیوبندیوں سے السلام علیکم کہنا اور ان سے ہاتھ ملانا حرام ہے۔ اور ان میں سے کوئی مر جائے تو اس کی تعزیت میں جانا بھی حرام ہے۔ آپ مشترکہ امور میں علمائے دیوبند کے ساتھ عام اٹھتے بیٹھتے تھے۔

امرتسر کے مشہور علمائے دیوبند میں حضرت مولانا بہاؤ الحق قاسمی ر ھ) کے نام سے کون واقف نہیں۔ آپ پاکستان کے مشہور صحافی جناب عطاء الحق قاسمی کے والد مرحوم تھے۔ مولانا بہاؤ الحق

---

[1] دیکھئے سیرت امیر ملت ص۲۴۴

قاسمی کے والد مولانا علامہ غلام مصطفےٰ علماء کشمیر میں نہایت جلیل القدر اور عمیق العلم فاضل گزرے ہیں. آپ مخدوم العلماء حضرت مولانا مفتی محمد حسنؒ بانی جامعہ اشرفیہ لاہور کے استاد تھے.

ایک صدی پہلے کی بات ہے حضرت مولانا غلام مصطفےٰ نے ۱۳۱۴ھ میں مسئلہ وسیلہ پر عربی میں ایک رسالہ لکھا. اس کا اردو ترجمہ امرتسر کے مطبع چشمۂ نور نے ۱۹۰۱ء میں شائع کیا. اس کے آخر میں جہاں فاضل جلیل حضرت مولانا نور احمد پسروریؒ کے دستخط ہیں پیر جماعت علی شاہ کے دستخط بھی ساتھ ہیں. اس سے پتہ چلتا ہے کہ پیر جماعت علی شاہ صاحب نے کبھی اپنے آپ کو مولانا احمد رضا خاں کے درجہ میں آنے نہ دیا تھا. آپ پیر مہر علی شاہ صاحبؒ کی طرح تفریق بین المسلمین کے قائل نہ تھے.

علی پور کے پیر جماعت علی شاہ ثانی ان سے بھی زیادہ اعتدال پسند تھے. علی پور سیداں کے ان حضرات نے جب بریلویوں کی اس روش کو دیکھا کہ مسجدوں میں فرض نمازوں کے بعد باوجودیکہ مسبوق حضرات اپنی باقی ماندہ نماز پوری کر رہے ہوتے تھے بلند آواز سے ذکر کرتے ہیں تو انہوں نے اس پر بریلویوں سے کھلے بندوں اختلاف فرمایا. مدرسہ نقشبندیہ علی پور سیداں کے صدر مدرس مولانا غلام رسول نے ۳۰ دسمبر ۱۹۷۸ء کو اس پر فتوے صادر فرمایا. بلکہ آپ نے یہ بھی کہا کہ یہ اس اختراع پر عمل کرنے والے اس میں مولانا احمد رضا خاں کے موقف پر بھی نہیں ہیں. مولانا غلام رسول صاحب نے فتاویٰ رضویہ ص۵۹۶ سے مولانا احمد رضا خاں کی یہ عبارت نقل فرمائی ہے:-

بے شک ایسی صورت میں اس کو جہر سے منع کرنا فقط جائز نہیں بلکہ واجب ہے.

پھر ص۵۹۷ سے نقل کرتے ہیں:-

جہاں کوئی نماز پڑھتا ہو یا سوتا ہو کہ باآواز پڑھنے سے اس کی نیند میں خلل آئے گا وہاں

ؒ آپ مولانا محمد سلیمان (مالک نور کمپنی انار کلی لاہور) سابق خطیب جامع مسجد مدینہ پرانی انار کلی لاہور کے والد مرحوم تھے. آپ نے امرتسر میں امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے مکتوبات شریف پر بہت محنت کی اور انہیں نو حصوں میں بڑی آب و تاب سے شائع فرمایا. آپ بھی بانی مدرسہ حضرت مفتی محمد حسن صاحب خلیفہ حضرت حکیم الامت ؒ کے استاد تھے.

قرآن مجید اور وظیفہ ایسی آواز سے پڑھنا منع ہے۔

اور آخر میں مرقات شرح مشکوٰۃ جلد ۲ ص۲۲۳ طبع قدیم سے یہ عبارت پیش کی ہے۔

وفیه نظر من وجوه منها نسبة نفی مطلق الکراهة الی الامام الاعظم وهو افتراء علیه اذ مذهبه کراهة رفع الصوت فی المسجد ولو بالذکر حیث لم یشوش علی المصلین اولم یکن هناك مصلون۔

ترجمہ۔ اور اس میں کئی وجہ سے اعتراض ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ مطلق کراہت کی نفی کی نسبت امام اعظم کی طرف ہے وہ آپ پر بہتان ہے۔ کیونکہ آپ کا مذہب ہے کہ بلند آواز مسجد میں مکروہ ہے اگرچہ ذکر ہی کیوں نہ ہو خواہ وہاں نمازیوں کو تشویش ہو یا نہ ہو یا نمازی ہوں ہی نہ

مولانا غلام رسول صاحب صدر مدرس مدرسہ نقشبندیہ علی پور سیداں پھر اپنے سارے فتویٰ کی تلخیص ان لفظوں میں پیش کرتے ہیں۔

تلخیص کلام یہ ہے کہ اکثر احناف بلکہ جمیع فقہاء کرام بلند آواز سے ذکر کرنے کو منع کرتے ہیں جب کہ نمازیوں کی نماز اور سونے والوں کی نیند وغیرہ میں خلل پیدا کرے۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی طرف کراہت کی نفی کی جو نسبت کی گئی ہے اس کے متعلق رئیس الحنفیہ ملا علی قاریؒ تردید کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ یہ امام اعظمؒ پر افتراء اور بہتان ہے۔ کیونکہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہی یہ ہے کہ مسجد میں بلند آواز سے ذکر ممنوع اور مکروہ ہے اگرچہ وہاں نمازی نہ ہوں۔ صاحب ہدایہ جو کہ احناف کے عظیم فقیہ ہونے کے علاوہ فقہائے کرام کے پانچویں طبقہ اصحاب ترجیح سے ہیں۔ اصول بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ذکر جہراً بدعت ہے۔ پھر جہاں پر صرف ذکر جہراً مکروہ کہا گیا ہے وہاں مکروہ تحریمی مراد ہے کیونکہ ضابطہ یہ ہے کہ جہاں پر مطلق کراہت ہو وہاں کراہت تحریمی مراد ہے۔ صاحب کبریٰ نے کراہت

تحریمی پر نص کر دی ہے اور کہا ہے کہ یہ ائمہ کرام کا مختار اور مفتٰی بہ قول ہے۔ پھر اس طرح کا ذکر جو کہ صورتِ مسئولہ میں استفسار کیا ہے۔ ایک اختراعی اور وضعی اور جعلی صورت ہے جس کا ثبوت دور تک نہیں ملتا۔ جب کہ طریقۂ نبویہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) اور تشریعی صورت اور سلفِ صالحین کے خلاف ہے۔ پھر فقہاء کرام کا مسئلہ ذکر بالجہر کو مکروہاتِ صلوٰۃ کے عنوان کے تحت ذکر کرنا ہیئت کذائیہ کی ناپسندیدگی کی واضح دلیل ہے کہ ایسا ذکر مکروہ تحریمی اور ناجائز ہے۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نور اللہ مرقدہ نے تو ایسے ذکر (صورتِ مسئولہ) کو نہی عن المنکر کا فرد اور جزئی قرار دے کر ممنوع قرار دیا ہے تاکہ ایسے ذکر کی صورت جواز باقی نہ رہے۔ کیونکہ ایسے ذکر سے منع نہی عن المنکر ہے اور ذکر کی ہیئت کذائیہ مذکورہ مسئولہ منکر ہے اور اس سے مانع امر بالمعروف کا مصداق ہے۔

حررہ : غلام رسول

صدر مدرس مدرسہ نقشبندیہ علی پور شریف ضلع سیالکوٹ

علامہ غلام رسول نے اس میں صریح طور پر اس عمل کو جو آج کل بریلویوں کی مسجدوں میں رائج ہے بدعت کہا ہے اب یہ تو مولانا محمود احمد رضوی ان سے پوچھیں کہ اصل ہر چیز میں اباحت ہے تم منع کی دلیل لاؤ۔ قرآن و حدیث نے کہاں اس سے منع کیا ہے۔ ہم اس وقت اس اختلاف میں نہیں الجھتے کہ علی پور سیداں والوں نے اسے کیوں بدعت قرار دیا اور مولانا احمد رضا خاں نے اس سے منع کیا۔

نوٹ: مولانا غلام رسول صاحب نے پھر فتاوٰے نظامیہ جلد ۲ ص۳۲ کو بھی اپنی تائید میں پیش کیا ہے

ہم یہاں صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ بے علم مسلمانوں میں جو بدعات راہ پا چکی ہیں، ان میں یہ عمل بھی ایک بدعت ہے اور مکروہ تحریمی ہے۔

اب مولانا غلام رسول کے اس فتوے پر سجادہ نشین علی پور سیداں جناب سید اختر حسین شاہ صاحب کی یہ تقریظ بھی ملاحظہ فرمائیں :-

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔

مفتی غلام رسول صاحب صدر مدرس مدرسہ نقشبندیہ علی پور سیداں نے نہایت محققانہ عالمانہ تحقیق کے ساتھ ثابت کر دیا ہے کہ فرض نماز پڑھنے والوں کے پاس کسی قسم کا کوئی ورد وظیفہ، تلاوت قرآن مجید یا ذکر اذکار جو نمازی کی فرض نماز میں خلل انداز ہوں اور اس کو بھلا دیں اور اس کے خیال کو بہکا دیں یا کسی بیمار یا دنیاوی کام کاج میں مشغول یا نائم یعنی سونے والا ہو تو اس کو بیزار کر دیں اور وہ اس کے سننے کے لیے فارغ نہ ہوں۔ ایسے مواقع میں قرآن پاک کا پڑھنا منع ہے بلکہ نہ سننے والے کا گناہ بھی پڑھنے والے کے ذمہ ہے۔ میں نے دیکھا ہے مفتی صاحب مذکور نے نہایت عمدہ طریقہ سے فقہ کے جزئیات بمعہ حوالہ جات نقل کئے ہیں۔

حنفی المذہب ان کا انکار کس طرح کر سکتا ہے۔ فقہ کے تمام دلائل دیکھنے اور سننے کے باوجود اگر کوئی حنفی المذہب انکار کرے تو یہ اس کی دیدہ دلیری ہے اور پھر وہی رٹ لگائے اور اس پر عمل کرے تو وہ حنفی کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔ البتہ اہل حدیث یا وہابی کہلانے کا مستحق ہے کیونکہ وہ تمام فقہ کا انکار کر رہا ہے اور امام کے فرمان اور فقہائے کرام کے جزئیات کو ٹھکرا رہا ہے۔ بلکہ اپنی ضد اور ہٹ دھرمی پر اڑا ہوا ہے اور اپنے پوچ دلائل کو اور من گھڑت باتوں بلکہ قصہ کہانیوں سے اپنے مدعا کو ثابت کر رہا ہے۔ مقلدین کے پاس اپنے امام کے اقوال سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہو سکتی ہے۔

اندریں حالات تمام احناف سے ادب کے ساتھ گذارش ہے کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال پر عمل پیرا ہو جائیں یا پھر حنفی کہلانا چھوڑ دیں۔ خاص طور پر اتنا ضرور کریں کہ خالص حنفی المذہب صحیح مقلدین پر بہتان طرازی سے باز آجائیں۔ وما علینا الا البلاغ

سید اختر حسین جماعتی علی پوری ضلع سیالکوٹ۔

پھر اس پر مولانا محمد اسماعیل صاحب جماعتی علی پوری اور جناب سید افضل حسین شاہ جماعتی علی پوری اور حافظ نواب دین صاحب علی پوری کے بھی تصدیقی دستخط ہیں، مزید تفصیل کے لیے علی پور کے رسالہ انوارِ صوفیہ کے ۱۹۷۰ء کا جنوری فروری کا شمارہ ص۲۸ سے ص۳۲ تک ملاحظہ فرمائیں۔

بریلوی علمائے احناف کے مقابلہ میں حضرت ابن عباسؓ کی جس حدیث کو لیے پھرتے ہیں کہ ہم آنحضرتؐ کی نماز کا اختتام ذکر بالجہر سے پہچانتے تھے۔ وہ حنفیہ کے اصول پر لائق استدلال نہیں ہے معلوم نہیں بریلوی ضرورت کے موقع پر کیوں اہلِ حدیث ہو جاتے ہیں۔

استاد جب انکار کر دے کہ میں نے یہ حدیث روایت نہیں کی تو شاید کتنا ہی ثقہ کیوں نہ ہو اس کی روایت کمزور پڑ جائے گی اور یہی حال حضرت ابن عباسؓ کی اس روایت کا ہے۔ گو اسے امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ دونوں نے روایت کیا ہے۔ امام نوویؒ (۶۷۶ھ) اس حدیث پر لکھتے ہیں:۔

فی احتجاج مسلم بھذا الحدیث دلیل علی ذھابہ الی صحۃ الحدیث الذی یروی علی ھذا الوجہ مع انکار المحدث لہ اذا حدث بہ عنہ ثقۃ ..... وخالفھم الکرخی من اصحاب ابی حنیفۃ رضی اللہ عنھما فقال لا یحتج بہ۔[1]

ترجمہ۔ امام مسلم کا اس حدیث سے حجت پکڑنا بتلاتا ہے کہ آپ اس حدیث کی صحت کے قائل تھے جو اس طرح مروی ہو کہ اُستاد انکار کرے اور اس سے کوئی ثقہ روایت کر رہا ہو..... اور امام ابو حنیفہ کے اصحاب میں امام کرخی نے اللہ ان دونوں سے راضی ہو اس کی مخالفت کی ہے اور کہا ہے کہ اس حدیث سے احتجاج نہ کیا جائے۔

نوٹ: اصولِ حنفیہ پر یہ پچھلا راوی صرف اسی روایت میں ساقط الاعتبار ہو گا نہ کہ ان تمام روایات میں بھی جن میں شیخ روایت کا کہیں انکار نہ ہو۔

لا یقدح ذلک فی باقی احادیث الراوی کما صرح بہ المحدثون۔

مسجدیں اصلاً نمازوں کے لیے ہیں. یہاں کوئی عمل جو مسبوق کی نمازوں کو خراب کرے ہرگز نہ ہونا چاہیئے. افسوس کہ بریلویوں نے اس بدعتِ ظلماء سے اپنی مسجدوں کو وحشت کے مورچے بنا رکھا ہے.

② جنازہ کے ساتھ ساتھ بلند آواز سے کلمہ پڑھنا

مولانا احمد رضا خاں کے خلیفہ مولانا نعیم الدین مرادآبادی کے جانشین مفتی احمد یار خاں لکھتے ہیں:۔

عن ابن عمرؓ قال لم یکن یُسْمع من رسول الله صلی الله علیه وسلم وهو یمشي خلف الجنازة الا قول لا اله الا الله مبدئیا و راجعًا. اگر یہ حدیث ضعیف بھی ہو پھر بھی فضائل اعمال میں معتبر ہے[1]

ترجمہ. حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی جنازہ کے پیچھے چل رہے ہوتے تو جاتے اور آتے کبھی لا الٰہ الا اللہ کے سوا کچھ نہ پڑھتے.

جواب

بریلویوں نے فقہ کی کتابیں چھوڑ کر حدیث سے براہِ راست استدلال کرنے کی غیر مقلدانہ روش تو اپنائی لیکن یہ سمجھ نہ پائے کہ حدیث جاننے کے لیے اس کے راویوں کا علم ہونا بھی ضروری ہے اور یہ بھی کہ اس کی اپنے موضوع پر دلالت واضح ہے یا نہ.

یہ حدیث صرف ضعیف نہیں اس کی سند میں ابراہیم بن ابی حمید ہے جو جعلی حدیثیں وضع کرتا تھا. امام ابو عروبہؒ کہتے ہیں:۔

کان یضع الحدیث.[2]

ثانیاً. اس میں یہ کہاں ہے کہ آپ کلمہ اونچی آواز سے پڑھتے تھے. بہت قریب کا آدمی سُن

---

[1] جاء الحق صفحہ ۳۸۲ [2] لسان المیزان لابن حجر العسقلانی جلد ۱ صفحہ ۲۸

لے تو اس سے جہر کا ثبوت کیسے ہو گیا۔

حضرت امام محمدؒ لکھتے ہیں صحابہ کرامؓ تین موقعوں پر آواز اونچی کرنے کو مکروہ سمجھتے تھے جنازے کے ساتھ۔ جنگ کے وقت اور اللہ کا ذکر کرتے ہوئے۔

کان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یکرھون الصوت عند ثلث الجنائز والقتال والذکر[1]

حضرت زید بن ارقمؓ (۶۶ھ) خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی نقل کرتے ہیں آپؐ نے فرمایا:۔

ان اللہ یحب الصمت عند ثلث عند تلاوۃ القرآن وعند الزحف و عند الجنازۃ۔[2]

ترجمہ۔ بے شک اللہ تعالیٰ تین موقعوں پر خاموشی کو پسند کرتے ہیں۔ ذکرؔ و تلاوت کے وقت۔ جنگؔ کے وقت اور جنازہؔ کے موقع پر۔

فقہائے احناف کا فتوےٰ بھی یہی ہے۔ علامہ ابن نجیمؒ (۹۶۹ھ) لکھتے ہیں:۔

ویکرہ رفع الصوت بالذکر وقرأۃ القرآن وغیرھما فی الجنازۃ والکراھۃ فیھا کراھۃ تحریم۔[3]

ترجمہ۔ جنازہ کے ساتھ آواز بلند کرنا۔ ذکر کے ساتھ ہو یا تلاوتِ قرآن کے ساتھ یا کسی اور کلمہ کے ساتھ یہ سب مکروہ ہے۔ اور مکروہ تحریمی ہے۔

ہاں اگر کوئی شخص جنازہ کے ساتھ آہستہ آواز سے اللہ کا ذکر کرتا ہے تو اس میں حرج نہیں۔ فقہائے کرام نے اس کی اجازت دی ہے۔ فتاوےٰ قاضی خاں میں ہے:۔

ویکرہ رفع الصوت بالذکر فان اراد ان یذکر اللہ یذکر فی نفسہ۔[4]

ترجمہ۔ اونچی آواز سے (جنازہ کے ساتھ) اللہ کا ذکر کرنا مکروہ ہے اگر کوئی ذکر کرے

---

[1] سیر کبیر جلد ۱ صفحہ ۸۹ [2] تفسیر ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۲۱۹ [3] البحر الرائق جلد ۲ صفحہ ۱۹۹ [4] فتاویٰ قاضی خاں جلد ۱ صفحہ ۹۱

تو اپنے جی میں ذکر کرے۔

بریلوی علماء کو بھی معلوم ہے کہ مطلق ذکر سے ذکر بالجہر ثابت نہیں ہوتا. جنازہ کے ساتھ باتیں کرتے جانا درست نہیں ذکر میں مشغول رہنا بہتر ہے. لیکن ان کے پاس ذکر بالجہر کی کوئی دلیل نہیں ہے.

مجبوراً مولوی محمد عمر صاحب اچھروی نے یہ دلیل وضع کی ہے:۔

ذکر جہری بالمیت کرنا اہل سنت کے لیے ضروری ہے کیونکہ مسلمانوں کو وہابی اور حنفی کے جنازے کا علم ہو جائے [۱]

کسی مرحوم کے لیے کوئی شخص مرثیہ کہے اور اس میں اپنے غم کا اظہار کرے یا اس کی منقبت بیان کرے تو اس کی فقہاء نے اجازت دی ہے مگر اس کا جنازے سے کوئی تعلق نہیں۔

مولانا محمد عمر نے اس اجازت کو بھی جنازے کے ساتھ جوڑ دیا ہے. فرماتے ہیں:۔

تم اپنے جنازہ کے ساتھ فقہاء کی اتباع میں مرثیہ خوانی کر لیا کرو۔ [۲]

نماز میں بدعت کی راہیں

اس سے آپ اس بے چارگی کا اندازہ کریں جس میں یہ بریلوی علماء مبتلا ہیں کہ دلیل بنے نہ بنے یہ بہرحال کچھ نہ کچھ کہے جاتے ہیں اور یہی بریلویت کی حقیقت ہے.

(۱) اذان میں صلوٰۃ وسلام کا اضافہ

اسلام میں عبادات سب توقیفی ہیں جن کا صحابہ کرامؓ سے منقول و ماثور ہونا ضروری ہے. راہِ حق کی تعیین حضرت خاتم النبیینؐ نے ما انا علیہ واصحابی سے کر دی ہوئی ہے اور یہ بات اپنی جگہ پختہ ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان میں صلوٰۃ وسلام ہرگز نہ تھا۔ نہ شروع اذان میں

---

[۱] مقیاس الحنفیت ص۵۸۴ [۲] ایضاً ص۵۸۵

نہ آخر اذان میں نہ درمیان میں ـــــ اذان میں اگر کچھ بھی اضافے کی گنجائش ہوتی تو اذان کے آخری جملے لآالٰہ الا اللہ کے ساتھ کلمہ رسالت محمد رسول اللہ ضرور ملالیا جاتا. جب یہ نہیں تو کوئی اور کلمہ یا صلوٰۃ وسلام اس حکم میں نہیں کہ اسے اذان میں داخل کیا جاسکے.

بریلوی مولویوں کا طریقِ واردات

بریلوی مولویوں میں جب دین میں کوئی نئی چیز داخل کرنی ہو تو وہ عام طور پر اسے تخصیص کی راہ سے لاتے ہیں ان کا دعوےٰ خاص ہوتا ہے لیکن اس پر دلیل وہ عام لاتے ہیں. کسی عمل کو کسی خاص وقت سے یا کسی خاص ہیئت سے مخصوص کرنے کا حق صرف شریعت کو ہے اگر اس نے اسے کسی خاص وقت یا کسی خاص ہیئت سے خاص نہیں کیا تو بریلوی اسے کسی خاص وقت سے خاص کر کے ایک بدعت کیوں کھڑی کر دیتے ہیں اور جب ان سے اس کی دلیل پوچھی جائے تو وہ دلیل میں لاتے ہیں ان عمومات کو جن کا اس خاص وقت یا خاص ہیئت سے سرے سے کوئی تعلق نہیں ہوتا ـــــ بات چل رہی ہوتی ہے اذان کے ساتھ صلوٰۃ وسلام پڑھنے کی اور وہ آیت پڑھنی شروع کر دیتے ہیں جس میں مطلق درود وسلام پڑھنے کا حکم ہے. اب یہ لوگوں کو مغالطہ دینا نہیں تو اور کیا ہے. دعوےٰ خاص اور دلیل عام.

عوام کو چاہیئے کہ وہ ان کے اس طریقِ واردات سے آگاہ رہیں. جب وہ اس طرح مغالطہ دیں تو انہیں صاف کہیں آپ کا دعوےٰ خاص ہے. آپ اذان کے ساتھ درود وسلام پڑھتے ہیں اور آپ جو دلیل پیش کر رہے ہیں یہ عام ہے اس میں اذان کا کوئی ذکر نہیں. سو آپ کے دعوے اور دلیل میں کوئی مطابقت نہیں ہے.

افسوس کہ مولانا احمد رضا خاں بھی اسی راہ پر چلے ہیں. بات اذان کی ہو رہی تھی آپ مطلق درود کو لے بیٹھے. دیکھئے کیسی ڈھٹائی سے لکھتے ہیں :

جس امر کا اللہ عزوجل قرآن عظیم میں مطلق حکم دیتا ہو اور خود اپنا اور اپنے ملائکہ کا

کا فعل بتاتا ہوا اسے (اذان کے ساتھ پڑھنے کو) بدعت کہہ کر منع کرنا نہیں وہابیوں کا کام ہے اور وہابیہ گمراہ نہ ہوں گے تو ابلیس بھی گمراہ نہ ہو گا اس کی گمراہی ان سے ہلکی ہے۔[1]

دیکھیئے اعلیٰ حضرت کس دبے انداز میں شیطان کی خیر خواہی کر گئے ہیں۔ بریلویوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ شیطان نماز پڑھتا ہے اور وہ بھی دکھانے کے لیے نہیں۔ بلکہ اس لیے کہ شاید اس کی مغفرت ہو جائے۔[2]

شیعوں کی اذان کا بہانہ

بعض نادان بریلوی کہتے ہیں کہ چونکہ اثنا عشری شیعوں نے اپنی اذان میں خلافت علی بلا فصل کا اضافہ کر رکھا ہے۔ اس لیے ہم اپنی اذان میں اضافہ کیوں نہ کریں مصر میں فاطمیوں نے جو اسماعیلی عقیدہ رکھتے تھے۔ اذان میں السلام علی الملک الظاھر کا اضافہ کر رکھا تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نے اسے بدل کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام شروع کرا دیا تو ہمارا یہ اضافہ اب صرف شیعوں کے مقابل میں ہیں۔

جواباً عرض ہے کیا تمہارے لیے شیعہ ہی مشعلِ راہ رہ گئے ہیں۔ تم کہاں تک ان کے پیچھے چلو گے ہمارے لیے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ما انا علیہ واصحابی کو سنگِ میل بنایا تھا تم شیعوں کو اپنا پیشوا بنا بیٹھے۔ شیعوں میں ایک فرقہ مفوضہ گزرا ہے جس نے اذان میں اضافہ کیا تھا۔ اثنا عشری شیعہ محدث شیخ صدوق ابن بابویہ القمی (۳۸۱ھ) نے من لا یحضرہ الفقیہ میں اس کی پرزور تردید کی ہے اور لکھا کہ حضرت علیؓ بے شک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حقِ ولایت رکھتے ہیں۔ لیکن یہ جملہ اذان میں سے نہیں اسے اذان میں کیوں داخل کر دیا گیا ہے۔ ابن بابویہ قمی نے اس پر صریح لفظوں میں مفوضہ پر لعنت کی ہے۔

---

[1] احکام شریعت حصہ اول ص۱۵ طبع مراد آباد [2] ملفوظات مولانا احمد رضا خان حصہ اول ص۱۲

سلطان صلاح الدین ایوبی نے جب اسماعیلیوں پر فتح پائی تو اسے پھر سے ان کی بغاوت کا اندیشہ تھا۔ وہ نہ چاہتا تھا کہ دیہات اور صحرا کی آبادیوں میں یہ بات چلے کہ سلطان نے اذان میں صلوٰۃ و سلام بند کرا دیا ہے۔ اس نے اس سیاسی مصلحت سے اس بدعت کا کچھ امالہ کر دیا کہ اب بجائے اسماعیلیوں کے امام ظاہر کے صلوٰۃ و سلام حضرت خاتم النبیینؐ پر پڑھا جانے لگا اور پھر جب حالات درست ہو گئے تو یہ صلوٰۃ و سلام بھی مصر کی اذانوں سے جاتا رہا۔ اور آج مصر میں یہ کسی مسجد میں اذان کے ساتھ نہیں پڑھا جاتا۔ اس سے پتہ چلا کہ وہ محض ایک وقتی مصلحت تھی۔

اذان کے بعد صلوٰۃ و سلام کہنا یہ آٹھویں صدی کی یاد ہے۔ اس سے پہلے یہ کہیں نہ تھا۔ خود مولانا احمد رضا خاں لکھتے ہیں:۔

درمختار میں ہے۔ والتسلیم بعد الاذان حدث فی ربیع الآخر ۷ سبع مائة واحدی وثمانین فی عشاء لیلة الاثنین[1]

اب آپ ہی غور فرمائیں جو چیز اسلام کی پہلی سات صدیوں میں کہیں نہ پائی گئی نہ کہیں سُنی گئی۔ وہ اسلام میں کیسے مستحسن ہو گئی۔ استحسان اور استحباب شرعی حکم ہیں۔ ان کے لیے دلیل شریعت سے ہونی چاہیئے کسی بادشاہ کا فرمان اس کے لیے کافی نہیں ہو سکتا ہے اس نے کسی مجبوری میں فیصلہ کیا ہو۔

پاکستان میں پیر جماعت علی شاہ صاحبؒ (علی پور ضلع سیالکوٹ) کے پیروؤں نے اس مسئلہ پر بریلویوں کی کھل کر مخالفت کی ہے۔

---

[1] احکام شریعت جلد اوّل ص۶۵ طبع مراد آباد

اذان کے ساتھ درود ملانے کی ایک بریلوی دلیل

ساہیوال ضلع سرگودھا کے علاقہ میں ایک بریلوی شیخ الحدیث جگہ جگہ اس حدیث سے اپنی معزومہ اذان ثابت کرتے سنائی دے رہے ہیں. حضرت عبداللہ بن عمرؓ (۶۷ھ) کہتے ہیں کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا،

اذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما یقولوا ثم صلوا علیّ فانه من صلی علیّ صلوٰۃ صلی اللہ علیہ بہا عشرا[1]

ترجمہ. جب تم مؤذن کو (اذان دیتے) سنو تو تم بھی وہ کلمات کہو جو وہ مؤذن کہہ رہا ہے پھر تم مجھ پر درود پڑھو. جو مجھ پر ایک دفعہ درود پڑھے اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں بھیجتا ہے.

بریلوی استدلال

اس حدیث سے پتہ چلا کہ اذان کو درود شریف سے ایک بڑی مناسبت ہے. اذان کے ساتھ اسے پڑھنا بڑا ہی مناسب ہے. اذان کے بعد ہم اس لیے درود پڑھتے ہیں کہ سب سننے والوں کو اس طرف توجہ ہو جائے اور وہ بھی پڑھیں سو یہ ہمارا پڑھنا تعلیماً ہے.

الجواب

یہ درود شریف پڑھنے کا حکم اذان سننے والوں کو ہے اذان دینے والے کو نہیں. اذان ایک دعوت اور اعلان ہے. دعوت اور اعلان کی اصل یہ ہے کہ وہ جہراً ہو[2] تاکہ دوسروں کو پتہ چلے اور درود شریف پڑھنا

---

[1] سنن ابی داؤد جلد اص۷۷ [2] حضورؐ نے فرمایا. المؤذن یغفر له مدی صوته. مؤذن کی اس حد تک مغفرت ہوتی ہے جہاں تک اس کی آواز پہنچے. (رواہ ابوداؤد)

ایک دعا ہے اور دُعا کا مزاج یہ ہے کہ وہ آہستہ ہو —— اذان سننے والے جس طرح آہستہ آواز سے کلمات اذان ساتھ ساتھ دہراتے ہیں، اسی آواز سے وہ آگے درود شریف پڑھ لیں گے۔ مؤذن بآوازِ بلند درود شریف اذان کے ساتھ ملائے۔ یہ بات کہاں سے نکل آئی۔ اس پر غور کیجئے۔

(۲) جو بات تعلیماً بآوازِ بلند کہی جائے وہ کچھ دنوں بعد چھوڑ دی جاتی ہے تاکہ عبادت اپنی اصل پہ آجائے۔ آنحضرتؐ نے آمین بھی بآوازِ بلند کہی تاکہ مقتدیوں کو آمین کے محل اور تلفظ کا پتہ چل جائے۔ پھر جو آمین سنّت قائمہ قرار پائی۔ وہ اب تک احناف کے ہاں آہستہ آواز سے کہی جاتی ہے۔

اذا دعا بالدعاء الماثور جهرا ومعه القوم ليتعلموا الدعاء لا بأس به واذا تعلموا حينئذٍ يكون جهر القوم بدعة [1]

ترجمہ: جب امام ایسی دعائیں جو آثار میں ملتی ہیں بلند آواز سے مانگے اور قوم بھی اس کے ساتھ اسی طرح کریں تاکہ دعا سیکھ جائیں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ ہاں جب وہ سیکھ لیں تو اس وقت ان کا بلند آواز سے دعا کرنا بدعت ہوگا۔

(۳) آپ بریلویوں کی مسجدوں میں آج کل جو اذان کے ساتھ صلوٰۃ وسلام ملاتے ہیں وہ اذان سے پہلے پڑھتے ہیں اذان کی باری بعد میں آتی ہے اسے شعرِ صلوا علیہ کا تعمیل حکم بتانا کسی صاحبِ علم کا کام نہیں ہو سکتا۔ پھر صحابہ کرامؓ نے حضورؐ کے اس ارشاد پر کبھی عمل کیا یا نہیں۔ اس ارشاد کے اولین مخاطب وہی تھے۔ کیا کبھی انہوں نے اپنی اذانوں میں کلمات اذان کے ساتھ کبھی درود وسلام بلند آواز سے ملایا تھا؟ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

ذکر اور درود میں فرق

اصل ذکر اور دعا دونوں میں یہ ہے کہ آہستہ آواز سے ہو۔ البتہ بعض حالات میں ذکر بلند آواز سے بھی جائز ہے۔ بشرطیکہ اس سے مسجد میں کسی قرآن پڑھنے والے کو کسی نماز پڑھنے والے کو اور

---

[1] فتاوی عالمگیری جلد ۴ صفحہ ۱۹۴

کسی سونے والے معتکف کو کوئی تکلیف نہ ہو۔ لیکن درود شریف کبھی باآواز بلند پڑھنے کی اجازت نہیں۔ اسے ہمیشہ آہستہ ہی پڑھنا ہوگا۔ فقہ حنفی میں یہ مسئلہ صراحت سے موجود ہے۔

والسنة ان یخفی صوته بالدعاء۔[1]

ترجمہ۔ اور سنت طریقہ یہ ہے کہ دعا کے لیے اپنی آواز کو آہستہ رکھے اور روضۂ اقدس پر جب صلوٰۃ وسلام عرض کرے تو ادب ملحوظ رکھے۔

ولا یرفع صوته ولا یقتصد۔[2]

ترجمہ۔ اور صلوٰۃ وسلام میں اپنی آواز اونچی نہ کرے۔ درمیانی آواز نکالے۔

یعنی بالکل آہستہ بالکل دبی آواز سے صلوٰۃ وسلام عرض کرے۔ یہ گلے پھاڑ پھاڑ کر درود و سلام کہنا اور اسے اذان کی طرح جہر کرنا اس سے زیادہ آداب درود کی بے حرمتی کیا ہوگی۔

ہدایہ کی شرح فتح القدیر میں ہے۔

ویستحب ان یصلی علی النبی المعلم للخیر صلی اللہ علیه وسلم اذا فرغ من تلبیة ویخفض صوته بذلك۔[3]

ترجمہ۔ اور مستحب ہے کہ تلبیہ سے فارغ ہو کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو خیر سکھانے والے ہیں ان پہ درود پڑھے اور درود پڑھتے آواز آہستہ رکھے۔

علماء احناف تو یہ کہیں کہ درود شریف کا درجہ دعا ہونے کے، مزاج یہ ہے کہ اسے نہایت دبی آواز سے پڑھا جائے اور یہ نام کے حنفی اذان کے ساتھ درود وسلام اتنی بلند آواز سے گلا پھاڑ پھاڑ کر پیش کرتے ہیں۔ علامہ ابن نجیمؒ (۹۶۹ھ) ابوحنیفہ ثانی بھی کہا جاتا ہے وہ بھی لکھتے ہیں۔

ثم اذا احرم صلی علی النبی صلی اللہ علیه وسلم عقب احرامه سرًا و ھکذا یفعل عقب التلبیة۔[4]

---

[1] فتاویٰ عالمگیری جلد ۱ صفحہ ۲۳۱ [2] ایضاً کتاب المناسک جلد ۱ صفحہ ۲۶۷ [3] فتح القدیر جلد ۲ صفحہ ۱۴۷
[4] البحر الرائق جلد ۲ صفحہ ۳۲۳

ترجمہ. پھر جب احرام باندھ لے اور محرم ہو جائے تو اس کے متصلاً بعد (نہایت آہستہ سے) جیسے کوئی راز کی بات ہو درود شریف پڑھے اور اسی طرح آہستہ آواز سے لبیک کے بعد بھی درود شریف پڑھے۔

کشتی ہچکولے کھانے لگے اور مسافر گھبرا جائیں تو ذکر آہستہ آواز سے کریں۔ لڑائی کے وقت بھی ذکر الٰہی نہایت آہستہ آواز سے ہو اور درود شریف میں تو فضیلت اسی میں ہے کہ آہستہ ہو گلا پھاڑ پھاڑ کر نہ ہو۔ نہ یہ لاؤڈ سپیکر پر پڑھا جائے۔ فتاوی عالمگیری میں ہے:۔

والاخفاء افضل عند الفزع فی السفینة وملاعبتهم بالسیوف وکذا الصلوٰة علی النبی صلی الله علیه وسلم [1]

ترجمہ. کشتی میں گھبراہٹ کے وقت بھی آہستہ اللہ کا ذکر کرے۔ تلواروں سے کھیلتے وقت بھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھتے وقت بھی آواز کو آہستہ رکھے۔

درود شریف بلند آواز سے پڑھنا پھر اسی آواز میں جس میں اذان کہتے ہیں اس کا فقہ حنفی میں رائی کے دانے کے برابر جواز نہیں ملتا۔ چہ جائیکہ اسے حنفی مذہب کا نشان سمجھا جائے۔ ہاں کوئی خود کہنے پر ضد کرے تو ہم اس کا کیا کر سکتے ہیں۔

تلبیہ تو اس آواز سے نہیں کہا جاتا جس میں اذان کہتے ہیں۔ یہ ایسی آواز سے کہتے ہیں کہ ساتھ والے سنتے ہیں درود والے نہیں اور درود شریف کے بارے میں حکم ہے کہ اسے تلبیہ کی آواز سے بھی آہستہ آواز میں پڑھا جائے۔ دسویں صدی کے مجدد ملا علی قاری علیہ رحمۃ ربہ الباری بھی لکھتے ہیں:۔

روی الدارقطنی والبیهقی انه علیه السلام کان یصلی علی نفسه بعد تلبیته ویستحب ان یکون صوته به اخفض من التلبیة [2]

---

[1] فتاوٰی عالمگیری جلد ۴ صہ ۱۸۹ [2] مرقات جلد ۳ صہ ۱۸۲

ترجمہ۔ دار قطنی اور بیہقی روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی لبیک پکارنے کے بعد اپنے اوپر خود بھی درود پڑھتے تھے اور مستحب یہ ہے کہ درود پڑھنے کی آواز تلبیہ کی آواز سے بھی دبی اور نیچی ہو۔

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے کچھ لوگوں کو مسجد میں بلند آواز سے درود پڑھتے دیکھا تو علی الاعلان فرمایا۔ ما اراکم الا مبتدعین۔ تم سب بدعتی ہو۔ یہ کہا اور انہیں مسجد سے نکال دیا۔

ان تفصیلات سے یہ بات کھل کر آپ کے سامنے آگئی ہو گی کہ یہ موضوع صرف اذان میں صلوٰۃ وسلام کے اضافے کا نہیں۔ درود وسلام کو جہر سے پڑھنے کا بھی ہے اور یہ وہ صورت عمل ہے جس کی فقہ حنفی میں ذرا گنجائش نہیں ہے۔

سو بریلوی مساجد کا یہ عمل کہ مؤذن اذان کی آواز کے ساتھ درود وسلام پڑھتا ہے۔ ایسی بدعت ہے کہ اہل السنۃ والجماعۃ کی صفوں میں اس کے لیے کوئی مقام نہیں۔ اہل السنۃ والجماعۃ اور بریلویوں کا یہ اختلاف ایک اصولی اختلاف ہے یہ کوئی برسراہے کا اختلاف نہیں۔

ھٰذا ماعندی وعندالناس ماعندھم واللہ علی ما اقول شہید۔

جس سال سب سے پہلے اذان میں صلوٰۃ وسلام ملایا گیا اور یہ سنتِ اسلام پہلی دفعہ مجروح ہوئی تو امام سیوطیؒ کے بیان کے مطابق بنی نوع انسان میں پہلی جنسی تبدیلی اسی سال واقع ہوئی۔ لڑکیاں لڑکے بننے لگے اور لڑکے لڑکیاں اور آج کل کی یہ مخلوط فضا اذان کو غلط ملط کرنے کی واقعی ایک قومی سزا ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔ یہ سن ۷۸۱ھ تھا۔ جب اہل سنت کی اذان پہلی دفعہ کسی اضافے سے مخلوط کی گئی۔

(۲) اذان میں حضورؐ کے نام پر انگوٹھے چومنا

بریلویوں میں ایک یہ بدعت بھی پائی جاتی ہے کہ اذان سنتے وقت وہ اپنے انگوٹھوں کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انگوٹھے قرار دے کر بنہایت محبت اور عقیدت میں ان انگوٹھوں کو چومتے ہیں ــــ اب اپنے انگوٹھوں کو حضورؐ کے انگوٹھے قرار دینے کی اس گستاخی پہ ان کی ایک دلیل ملاحظہ ہو:۔

سیدالکائنات نے کیا بیعتِ رضوان کے موقع پر کیا اپنے بائیں ہاتھ کو سیدی حضرت عثمانؓ کا ہاتھ نہ ٹھہرایا؟ کیا سیدالکائنات نے پھر اپنے دائیں ہاتھ سے سیدی حضرت عثمانؓ کی بیعت نہ لی؟ اگر ہم اپنے انگوٹھوں کو اذان میں حضور سیدالکائناتؐ کے انگوٹھے سمجھ کر انہیں بوسۂ عقیدت دیں تو یہ ناجائز کیسے ہو گیا. کیا صحیح بخاری میں اس کی اصل نہیں ملتی کہ سیدالکائنات نے اپنے ہاتھ کو سیدی حضرت عثمانؓ کا کا ہاتھ ٹھہرایا اور پندرہ سو صحابہؓ نے اس پر سکوت کیا کسی نے نکیر نہ کی ــــ کیا صحابہؓ کا اجماع حجت نہیں ہے[1]؟

غیر مجتہد جب اجتہاد پر آجائے تو ایسے ہی گل کھلاتا ہے. حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے پیغمبر ہیں. اللہ کے پیغمبر کا ہر کام اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور عصمت کے سائے میں ہوتا ہے. حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعتِ رضوان میں جو حضرت عثمانؓ کی بیعت لی یہ وحیِ الٰہی سے تھی. گو یہ وحی غیر متلو تھی اور اس طرح حضرت عثمانؓ کے مثالی ہاتھ پہ اللہ رب العزت کا ہاتھ تھا اس کا ذکر وحی متلو (قرآن کریم) میں موجود ہے.

پھر حضرت عثمانؓ کا حضور رسالت مآبؐ کا احترام ملاحظہ ہو. آپ فرماتے ہیں:۔

میں نے جب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی ہی نے اپنے اس ہاتھ سے شرمگاہ کو نہیں چھوا[2].

---

[1] اشتہار واجب الاعتبار (مولانا) مختار احمد مطبوعہ کانپور [2] رواہ ابن ماجہ ص۲۷

اب کوئی ان اہل بدعت سے پوچھے کہ جب تم اذان میں اپنے انگوٹھوں کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انگوٹھے قرار دیتے ہو تو پھر کیا تم اپنے ان ہاتھوں سے استنجا نہیں کرتے ؟ کیا تمہارا یہی احترام مصطفیٰ ہے ؟ اور کیا تمہارے پاس بھی کوئی وحی آئی ہے کہ تمہارے انگوٹھے حضور سرورِ کائنات کے انگوٹھوں کے درجہ کو پہنچ گئے ہیں ؟ کچھ تو خدا کا خوف کرو اور حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی اس گستاخی سے بچو۔

پھر اپنی اس گستاخی پر بریلویوں نے ایک موضوع روایت کا سہارا لے رکھا ہے اس پر عمل کرنے سے پہلے بریلویوں کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر پوری نظر رکھنی چاہیئے۔

من کذب علیّ متعمداً فلیتبوّأ مقعدہ من النار۔[۱]

ترجمہ: جس نے جانتے بوجھتے مجھ پر جھوٹ باندھا اسے چاہیئے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

حضرت ابوبکر صدیق اپنی تمام زندگی میں حضورؐ کے ساتھ اس طرح چلے ہیں جیسے سایہ اپنی اصل کے ساتھ چلتا ہے۔ سو حضرت ابوبکرؓ پر جھوٹ باندھنا بھی جہنمی ہونے کا ہی ایک نشان ہے۔

وہ موضوع روایت یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب مؤذن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیتے سنا تو آپ نے اپنی انگلیوں کے باطنی حصے کو چوما اور آنکھوں سے لگایا ـــــ یہ روایت علامہ دیلمیؒ کی کتاب مسند الفردوس کے حوالے سے نقل کی جاتی ہے۔

فن حدیث میں جو کتابیں موضوعات (گھڑی ہوئی احادیث) پر لکھی گئی ہیں ان میں علامہ طاہر حنفی کی تذکرۃ الموضوعات اور ملا علی قاریؒ کی موضوعاتِ کبیر بہت معروف ہیں۔ ان دونوں میں علی الترتیب ص۳۶ اور ص۷۵ پر یہ روایت لا یصح کہہ کر نقل کی گئی ہے۔ اس کا ان موضوعات کی کتابوں میں اپنی اس طرح نقل ہونا بتاتا ہے کہ یہ روایت موضوع ہے۔ موضوعات کی بحث میں جب کسی حدیث کے متعلق کہا جائے لا یصح اور آگے اس کے حسن یا ضعیف ہونے کا کوئی ذکر نہ ہو تو اس سے مراد اس

---

[۱] رواہ ابن ماجہ ص۵

حدیث کا سرے سے نہ ثابت ہونا ہی ہوتا ہے۔ یہ نہیں کہ اس سے حسن یا ضعیف ہونے کی نفی نہ ہو اور ان کتابوں کا اسلوب سمجھنے والوں پر یہ بات مخفی نہیں ہے۔ یہاں لا یصح کا مطلب یہی ہے کہ یہ روایت سرے سے ثابت نہیں ـــــ علامہ سخاویؒ نے اسے مقاصد حسنہ میں بھی نقل کیا ہے۔ مگر ملا علی قاریؒ نے موضوعات کبیر میں اسے علامہ سخاویؒ کے حوالے سے ہی لا یصح کے الفاظ سے نقل کیا ہے۔

جب کسی ضعیف حدیث کو مجروح کیا جائے تو اس کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں کہ یہ موضوع ہے۔ ورنہ ضعیف کے نیچے اور کون سا درجہ ہے کہ ضعیف پر جرح کر کے اسے اس درجہ تک لایا جائے۔ مولانا احمد رضا خاں نے انگوٹھوں کے چومنے کی روایات کو صرف ضعیفہ نہیں کہا ضعیفہ مجروحہ کہا ہے۔ آپ لکھتے ہیں :-

> اذان میں وقت استماع نام پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم انگوٹھوں کے ناخن چومنا آنکھوں پر رکھنا کسی حدیث صحیح مرفوع سے ثابت نہیں نہ جو کچھ اس میں روایت کیا جاتا ہے کلام سے خالی ہے جو اس کے لیے ایسا ثبوت مانے یا اسے مسنون جانیں یا نفس ترک کو باعث زجر و ملامت کہے وہ بے شک غلطی پر ہے ہاں بعض احادیث ضعیفہ مجروحہ میں تقبیل وارد۔[۱]

یہاں مولانا احمد رضا خاں نے صریح طور پر ان روایات کو اس درجے میں ضعیف مانا ہے کہ ان پر ضعف سے آگے بھی جرح ہے۔ اب ضعف سے آگے وضع کے سوا اور کیا درجہ باقی رہ جاتا ہے اس پر آپ خود غور فرمالیں۔

ضعیف حدیث پر عمل بھی اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ اس پر عمل کرنے والا یہ عقیدہ نہ رکھتا ہو کہ اس کا ثبوت حدیث میں موجود ہے:-

لا یعتقد عند العمل به ثبوته۔[۲]

---

[۱] بر المقال صفحہ ۱، صلا مطبوعہ حسنی پریس [۲] القول البدیع للسخاوی

ترجمہ۔ اس پر عمل کرنے والا یہ عقیدہ نہ رکھتا ہو کہ یہ عمل شرعاً ثابت ہے۔

اب آپ ہی بتائیں اذان میں یہ انگوٹھے چومنے والے اپنے اس عمل پر کیا عقیدہ رکھتے ہیں اور نہ کرنے والے کو کس نظر سے دیکھتے ہیں۔

بریلوی حضرات کو اگر واقعی یہ یقین ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے موضوع نہیں تو انہیں چاہیئے کہ اس کی کوئی ایسی سند پیش کریں جس میں کوئی راوی متہم بالوضع نہ ہو۔ سند میں ایک راوی بھی وضاع ہو تو حدیث ضعیف نہ رہے گی۔ ضعیف حدیث پر عمل بھی صرف اس صورت میں جائز ہے کہ وہ موضوع درجے تک نہ پہنچی ہو۔ علامہ سخاویؒ (۹۰۲ھ) لکھتے ہیں :۔

یجوز ویستحب العمل فی الفضائل والترغیب والترھیب بالحدیث الضعیف مالم یکن موضوعاً[1]

ترجمہ۔ فضائل اور ترغیب و توبیخ میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا اسی وقت تک جائز اور مستحسن ہے کہ وہ موضوع ہونے کے درجے تک نہ پہنچی ہو۔

علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے تیسیر المقال میں ان احادیث کے بارے میں فیصلہ یہ دیا ہے :۔

الاحادیث التی رویت فی تقبیل الانامل وجعلھا علی العینین عند سماع اسمہ صلی اللہ علیہ وسلم عن المؤذن فی کلمۃ الشھادۃ کلھا موضوعات[2]

ترجمہ۔ وہ احادیث جو حضورؐ کا نام لینے کے وقت انگلیوں کے چومنے اور انہیں آنکھوں پر رکھنے کے بارے میں روایت کی گئی ہیں سب کی سب موضوع ہیں۔

مولانا احمد رضا خاں اور مفتی احمد یار خاں میں اختلاف

مولانا احمد رضا خاں جس درجے میں بھی اس مسئلے کا اقرار کرتے ہیں وہ مسئلہ انگوٹھے چومنے کا ہے انگلیاں چومنے کا نہیں اور مفتی احمد یار خاں صاحب انگوٹھے چومنے کی بجائے انگلیوں کے

---

[1] القول البدیع ص۱۹۵ [2] ماخوذ از عماد الدین ص۲۳ مطبوعہ ۱۹۷۸ء

چومنے کے قائل ہیں مولانا احمد رضا خاں انگوٹھوں کے ناخنوں کو آنکھوں پر رکھنے کا مسئلہ بیان کرتے ہیں مگر مفتی صاحب انگلیوں کے اندر کے حصوں کو چومنے کے قائل ہیں مولانا احمد رضا خاں کی یہ کتاب منیر العینین فی تقبیل الابہامین انگوٹھوں کے حق میں ہے۔ مگر مفتی صاحب کو انگلیوں کی عادت تھی بریلویوں میں دونوں طرح یہ عمل جاری ہے۔

ایک دفعہ دونوں گروہوں کے کچھ لوگ بات کے تصفیے کے لیے بیٹھے کہ انگوٹھے چومے جائیں یا انگلیاں مسئلے کا فیصلہ تو ان میں نہ ہو سکا۔ البتہ مولانا محمد عمر اچھروی نے دونوں میں اس طرح صلح کرادی کہ سری نمازوں کی اذان میں انگلیاں اور جہری نمازوں کی اذان میں انگوٹھے چومے جائیں سنا ہے اسی پر دونوں فریق راضی ہو گئے۔

ہم کہتے ہیں جب اصل مسئلہ ہی کہیں موجود نہیں تو اس کی یہ تفصیل کہاں موجود ہوگی۔ ہم مولانا محمد عمر صاحب سے اس کی دلیل نہیں پوچھتے۔ وہ اپنی ان بدعات کا جواب دینے کے لیے خود اللہ کے حضور پہنچ چکے ہیں۔

اہل بدعت نے اپنے اس خود ساختہ مسئلے کے لیے پہلے خلیفہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نام سے روایت گھڑی اور اس کی حقیقت آپ حضرات اجلہ محدثین سے سن چکے ہیں۔ اس دور کے اہل بدعت نے کہا زمین پر پہلے خلیفہ تو حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ اب ان کے نام سے بھی انہوں نے ایک روایت گھڑلی مفتی احمد یار خاں صاحب لکھتے ہیں:۔

> حضرت آدم علیہ السلام نے روح القدس کے دیکھنے کی تمنا کی تو وہ نور ان کے انگوٹھوں کے ناخنوں میں چمکایا گیا۔ انہوں نے فرط محبت سے ان ناخنوں کو چوما اور آنکھوں سے لگایا۔[1]

مفتی صاحب کہتے ہیں یہاں روح القدس سے مراد نور مصطفوی ہے جو آدم علیہ السلام کے انگوٹھوں میں چمکایا گیا تھا۔ کیا ہم مفتی صاحب سے پوچھ سکتے ہیں کہ کیا آپ کے انگوٹھوں میں بھی کبھی نور مصطفوی چمکا ہے جو آپ انہیں بار بار چومتے ہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ آدم ثانی کا دعوے کرتا

---

[1] جاء الحق ص ۳۷۹

آپ کے پیش نظر ہو۔ اور اس پر آپ اپنے انگوٹھوں میں نورِ مصطفوی چمکنے کے مدعی ہوں۔

پہلے خلیفۃ اللہ فی الارض ہوں (جیسے آدم علیہ السلام) یا پہلے خلیفۂ راشد (حضرت ابوبکر صدیقؓ) بریلویوں نے ان کے نام سے اذان میں انگوٹھے چومنے کی روایات بنا رکھی ہیں۔

نوٹ: مفتی صاحب نے یہ روایت کہاں سے لی ہے؟ اپنے استاد مولانا نعیم الدین مراد آبادی سے انہوں نے اسے کہاں سے لیا ہے وہ ان کی زبان سے سنیئے اور ان محققین کے اس اعتماد پر سر دُھنیئے:۔

ولایت سے انجیل کا ایک بہت پرانا نسخہ برآمد ہوا..... اس میں لکھا ہے[1]

ع پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

(۳) قدقامتِ الصلوٰۃ سے پہلے کھڑے ہونے کو ناجائز سمجھنا

اس زمانے کی بدعات میں ایک بدعت جماعت کے لیے قدقامت الصلوٰۃ پر کھڑے ہونے کی لازمی پابندی ہے۔ اہل بدعت کی مسجدوں میں امام کے مصلے پر آنے کے بعد تکبیر کے شروع میں اگر لوگ صف میں کھڑے ہونے لگیں تو انہیں روکا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے قدقامت الصلوٰۃ سے پہلے کھڑا ہونا جائز نہیں۔

نمازی جماعت کے لیے کس وقت کھڑے ہوں؟ اس کے لیے شریعت نے کوئی حد مقرر نہیں کی کہ اس کے خلاف کرنا مکروہ ہو۔ ہاں آخری حد قدقامت الصلوٰۃ پر کھڑے ہونا ہے اس سے زیادہ تاخیر مکروہ ہے۔

حضرت امام مالکؒ مدینہ منورہ میں رہتے تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں درس دیتے تھے اور وہیں نماز پڑھتے تھے۔ ان کا زمانہ خلافتِ راشدہ سے کچھ زیادہ فاصلے پر نہ تھا۔ ان کے دور میں مسجد نبوی میں کیا عمل تھا اسے آپ کی زبان سے سنیئے۔ آپ لکھتے ہیں:۔

---

[1] جاء الحق صد ۳۸۰

اما قیام الناس حین تقام الصلوٰۃ فانی لم اسمع فی قیام الناس بحد محدود الا انی اریٰ ذٰلک علیٰ طاقۃ الناس۔[1]

ترجمہ۔ نماز کھڑی ہو تو لوگ کب کھڑے ہوں؟ میں نے اس میں کوئی حدِ معین کی روایت نہیں سُنی میں سمجھتا ہوں کہ یہ لوگوں کی اپنی ہمت پر موقوف ہے۔

یعنی جو جلدی کھڑا ہو سکے وہ جلدی کھڑا ہو جائے۔ جو کمزور ہو وہ ذرا دیر سے کھڑا ہو لے مستحب یہ ہے کہ اس وقت کھڑا ہو جب مؤذن تکبیر کہنے لگے ـــــ مؤذن کے تکبیر شروع کرنے کے بعد بھی بیٹھا رہنا اور قد قامت الصلوٰۃ کا انتظار کرنا اس سے پہلے کھڑے ہونے کو ناجائز سمجھنا اس بدعت نے ان دنوں بعض مسجدوں میں عجیب حال پیدا کر رکھا ہے۔ حضرت امام مالکؒ خود تکبیر کے شروع میں کھڑے ہوتے تھے۔ حافظ ابن حزم اندلسیؒ (۴۵۷ھ) لکھتے ہیں:۔

روی عن مالک انہ یقوم فی اوّل الاقامۃ۔[2]

ترجمہ۔ امام مالکؒ سے مروی ہے کہ آپ شروع اقامت میں کھڑے ہوتے تھے۔

حضرت علامہ عینیؒ (۸۵۵ھ) لکھتے ہیں:۔

قد اختلف الناس متیٰ یقوم الناس الی الصلوٰۃ فذھب مالک وجمھور العلماء الیٰ انہ لیس لقیامھم حد ولکن استحب عامتھم القیام اذا اخذ المؤذن فی اقامۃ۔[3]

ترجمہ۔ سلف میں اس میں اختلاف رہا ہے کہ لوگ نماز کے لیے کب کھڑے ہوں۔ امام مالکؒ اور جمہور علماء کی رائے ہے کہ مقتدیوں کے کھڑا ہونے کے لیے شریعت نے کوئی حد مقرر نہیں کی۔ تاہم مستحب یہ ہے کہ مؤذن جب اقامت شروع کرے تو لوگ کھڑے ہو جائیں۔

مسجد نبویؐ کے علمی وارث کی یہ شہادت آپ کے سامنے ہے اور جو اقامت کے شروع میں

---

[1] مؤطا امام مالک صد ۲۶ [2] المحلی جلد ۱ صد [3] عینی شرح بخاری جلد ۵ صد ۱۵۳

کھڑے ہونے کو کہتے ہیں وہ بھی مستحب سے آگے نہیں بڑھتے اور یہ بریلوی ہیں جو قدقامت الصلٰوۃ پر کھڑے ہونے کو واجب سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں اور جو پہلے کھڑا ہو جائے اس پر سخت نکیر کرتے ہیں۔

حضرت عمرؓ کا عمل

عن ابن عمرؓ ان عمر ابن الخطاب کان یأمر رجالاً بتسویۃ الصفوف فاذا جاءوہ فاخبروہ بتسویتہا کبر بعد[۱]

ترجمہ: حضرت عمرؓ کچھ لوگوں کو امر فرماتے کہ صفیں سیدھی کرائیں جب وہ لوگ آ کر آپ کو اطلاع دیتے کہ صفیں سیدھی ہو گئی ہیں تو پھر تکبیر کہتے۔

حضرت عثمانؓ کا عمل

آپؓ جب نماز کھڑی ہوتی تو کہتے:

فاعدلوا الصفوف وحاذوا بالمناکب فان اعتدال الصفوف من تمام الصلوۃ[۲]

ترجمہ: صفیں سیدھی کرو اور کندھے سے کندھا ملاؤ کیونکہ صفیں سیدھی کرنا بھی نماز کا عمل ہے۔

پھر لوگ آپ کو اطلاع دیتے کہ صفیں سیدھی ہو گئی ہیں پھر آپ تکبیر کہتے۔ یہاں سوال اٹھتا ہے کہ مؤذن نے تکبیر کب کہی؟ اگر یہ تسویہ صفوف کی ساری محنت (لوگوں کو اس کی تحقیق کے لیے بھیجنا اور ان کا آپ کو آ کر اطلاع دینا کہ صفیں سیدھی ہو گئی ہیں) اس کے بعد کی گئی ہے تو تکبیر مؤذن اور امام کے نماز شروع کرنے کے مابین ایک لمبا وقفہ قائم ہوتا ہے جس کا شرعاً کوئی ثبوت

---

[۱]

[۲]

نہیں ملتا اور امام ابو حنیفہ کا ارشاد ہے کہ جب مؤذن تکبیر کہے تو امام تکبیر تحریمہ کہے ـــــ وقفہ کہاں گیا؟ امام محمدؒ لکھتے ہیں:۔

فاذا اقام المؤذن الصلوٰۃ کبر الامام وھو قول ابی حنیفۃ۔[1]

ترجمہ۔ سو جب مؤذن اقامت کہہ دے امام نماز شروع کر دے۔ امام ابو حنیفہؒ کا قول یہی ہے۔

حضرت امام محمدؒ لکھتے ہیں:۔

ینبغی للقوم اذا قال المؤذن حی علی الفلاح ان یقوموا الی الصلوٰۃ فیصفوا ویسوّوا الصفوف ویحاذوا بین المناکب۔[2]

ترجمہ۔ لوگوں کو چاہیئے جب مؤذن حی علی الفلاح کہے تو نماز کے لیے اٹھ کھڑا ہوا کریں صفیں باندھ لیا کریں اور انہیں سیدھی بھی کرلیں اور کندھے سے کندھا ملائیں۔

یہاں اُٹھ کھڑے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے بعد بھی بیٹھے نہ رہیں اور امام نے تو تکبیر ختم ہوتے ہی تکبیر تحریمہ کہہ دینی ہوتی ہے۔ اس کے بعد کھڑے ہوں گے تو صفیں سیدھی کرنے اور کندھے سے کندھا ملانے کا وقت نہیں ملے گا تو نمازیوں کو اب کھڑا ہونے میں دیر نہ کرنی چاہیئے۔

فقہاء کرام نے اس عبارت پر کہ مؤذن جب حی علی الفلاح تک پہنچے تو مقتدیوں کو کھڑا ہو جانا چاہیئے کا مطلب یہی سمجھا ہے کہ اس سے زیادہ تاخیر نہ ہو کہ حی علی الفلاح کے بعد بیٹھے رہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس سے پہلے کھڑا ہونا ناجائز ہے۔ حضرت علامہ طحطاویؒ درمختار کی شرح میں لکھتے ہیں:۔

والظاھر انہ احتراز عن التاخیر لا من التقدیم حتی لو قام اول الاقامۃ لا باس وجاز۔[3]

ترجمہ۔ اور یہ ظاہر ہے کہ آپ نے یہاں تاخیر سے بیٹھنے کا کہا ہے (کہ حی علی الفلاح

---

[1] مؤطا امام محمد ص۸۷ [2] ایضاً [3] طحطاوی علی الدر المختار جلد ا ص۲۱۵

کے بعد بیٹھا نہ رہے، تقدیم سے بچنے کا نہیں کہ اس سے پہلے کھڑا ہونا ناجائز ہو۔
حتیٰ کہ اگر کوئی اقامت کے شروع میں ہی کھڑا ہو گیا تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ پہلے کھڑا ہونا
جائز ہے (ہاں تاخیر درست نہیں) بریلویوں کو ینبغی للقوم اذا قال المؤذن حی علی الفلاح
ان یقوموا الی الصلوٰۃ سے یہ مغالطہ ہوا ہے کہ وہ (مقتدی) اس سے پہلے کھڑے نہ ہوں، حالانکہ
اس عبارت کا مطلب وہ ہے جو ہم پہلے بیان کر آئے ہیں ـــــ شرح وقایہ کی عبارت کا بھی مطلب
یہی ہے اور اگر اس کے ظاہر پر بھی عمل ہو جائے تو زیادہ سے زیادہ یہ ایک عمل مندوب ہوگا اور
ظاہر ہے کہ امر مندوب پر اصرار نہیں ہوتا اور جب اس پر اصرار ہونے لگے تو اسے چھوڑنا ضروری
ہو جاتا ہے۔

افضل التابعین حضرت سعید بن المسیبؒ (۹۳ھ) کا فیصلہ بھی سُن لیں۔

عن سعید بن المسیب قال اذا قال المؤذن الله اکبر وجب القیام و
اذا قال حی علی الصلوٰۃ عدلت الصفوف واذا قال لا اله الا الله کبّر
الامام۔[1]

ترجمہ۔ حضرت سعید بن المسیبؒ سے مروی ہے کہ مؤذن جب تکبیر شروع کرے تو
مقتدی کے لیے کھڑا ہونا واجب ہو جاتا ہے جب وہ حی علی الصلوٰۃ کہے تو صفیں
سیدھی کر لی جائیں اور جب مؤذن لا الٰہ الا اللہ کہے تو امام نماز شروع کرے۔

حضرت علامہ عینیؒ اسے تابعی جلیل حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ (۱۰۱ھ) سے بھی اسی طرح نقل
کرتے ہیں۔[2]

یہ ان اکابر کا فیصلہ ہے اسے یکسر غلط قرار دینا اور قد قامت الصلوٰۃ سے پہلے کھڑے ہونے
کو ناجائز کہنا یہ بدعت ہے اور اس کی کوئی اصل نہیں۔ اسے مستحب بھی مانا جائے تو ترکِ مستحب سے
اس کا مکروہ ہونا لازم نہیں آتا۔ جب یہ مکروہ نہیں تو اس پہ بریلویوں کی یہ نکیر کیوں ہے۔ علامہ ابن نجیمؒ

---

[1] فتح الباری جلد ۲ ص ۱۲۰ [2] عینی علی البخاری جلد ۵ ص ۱۵۳

صاحب البحر الرائق لکھتے ہیں:۔

ولا یلزم من ترک المستحب ثبوت الکراھۃ۔[1]

ترجمہ: مستحب کے ترک سے کسی کام کا مکروہ ہونا لازم نہیں آجاتا۔

امر مندوب پر اصرار جائز نہیں۔ اگر اس پر ایسا اصرار ہو جو اس کے واجب ہونے کا شبہ پیدا کرے تو اس کا ترک ضروری ہو جاتا ہے۔ شریعت نے مقتدی کے کھڑا ہونے کو امام کے دیکھنے سے وابستہ کیا ہے مؤذن کی تکبیر سے نہیں اور اس کے لیے حضورؐ کا یہ فرمان کافی و وافی ہے:۔

لا تقوموا حتی ترونی وعلیکم بالسکینۃ۔[2]

ترجمہ: تم جماعت کے لیے اس وقت تک کھڑے نہ ہوا کرو جب تک مجھے نہ دیکھ لو اور کھڑے ہونے میں (ہجوم نہ کرو) سکون و اطمینان سے کھڑے ہوا کرو۔

سو اب نماز کے لیے کھڑا ہونے کو تکبیر مؤذن کے ماتحت قرار دینا اور اس پر اتنا اصرار کرنا کہ اگر کوئی پہلے کھڑا ہو جائے اس پر تکبیر عام کرنا اور اصرار کرنا یہ ہرگز امر شرع میں سے نہیں۔

۴ نماز میں نیت بدلنے کی بدعت

نماز میں نمازی اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہونے کی نیت باندھتا ہے اور تکبیر تحریمہ سے لے کر سلام پھیرنے تک وہ خدا کے ہی حضور حاضر رہتا ہے۔ اسے اپنا دھیان خدا سے ہٹا کر کسی اور طرف توجہ باندھنے کی اجازت نہیں۔ نماز عبادت ہے اور اس میں کسی اور کو شریک نہیں کیا جا سکتا۔ علماء لکھتے ہیں نمازی نماز میں اپنی توجہ کسی اور طرف نہ پھیرے۔ توجہ پھیرنے کو صرفِ ہمت کہتے ہیں کہ انسان اپنی پوری ہمت بس اسی طرف لگائے اور خدا سے دھیان ہٹالے۔ صرف ہمت توجہ پھیرنے اور کسی اور طرف دھیان باندھنے کا نام ہے۔

بریلوی حضرات نماز میں التحیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف توجہ باندھتے ہیں

---

[1] رد المحتار علامہ شامی جلد ا صفحہ ۱۱ [2] صحیح بخاری جلد ا صفحہ ۱۲۴

کہ گویا اب وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش ہیں اور آپ پر السلام علیک ایہا النبی کہہ کر خود سلام پیش کر رہے ہیں یہ نہیں کہ فرشتہ ان کے اس سلام کو پہنچائے۔

خدا تعالیٰ سے توجہ پھیرنا اور حضورؐ کا دھیان باندھ لینا یہ نماز کے لیے بڑی آفت ہے اور شرک کی کھلی دعوت ہے۔ ائمہ اربعہ اور ان کے مسلک کے علماء محدثین اور فقہاء نے اس کی ہرگز اجازت نہیں دی۔ نماز عبادت ہے اور صرف خدا کی عبادت ہے اور شروع سے لے کر آخر تک عبادت ہے۔

بریلوی نماز میں صرفِ ہمت کرتے ہیں اور اپنی توجہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھیرتے ہیں اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ جو عالم حق صرفِ ہمت سے منع کرتے ہیں یہ ان کی مخالفت کرتے ہیں اور خود نماز میں خدا سے دھیان ہٹا کر اپنے بزرگوں پر توجہ باندھ لیتے ہیں۔

جو امام نماز میں صرفِ ہمت کرتا ہو اہل سنت بھائیوں کو چاہیئے کہ اس کے پیچھے نماز نہ پڑھیں۔ اس کے پیچھے نماز نہیں ہوتی۔ وہ شرک کی دلدل میں دھنسا جا رہا ہے۔ ہاں اگر وہ صرفِ ہمت نہ کرے نہ خیال باندھے تو خیال آنے میں کوئی برائی نہیں۔ نماز میں قرأت میں جب انبیائے کرام کے نام آئیں گے تو خیال لازماً ادھر جائے گا یا درود شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک ہے تو خیال ادھر بھی جائے گا لیکن یہ محض خیال ہے۔ نماز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال آجانے میں کوئی حرج نہیں نہ اس سے نماز ٹوٹتی ہے معمولی اور خسیس چیزوں کا خیال آجانے سے بھی نماز نہیں ٹوٹتی جو چیز نماز کی آفت ہے وہ صرفِ ہمت ہے اور نماز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور حاضری کی نیت باندھنے والا شرک میں مبتلا ہے جس کی بخشش نہ ہوگی۔

نماز میں اگر کسی کو حضورؐ کی زیارت ہو جائے تو بھی اپنے آپ کو اللہ سے فارغ نہ کرے یوں سمجھے کہ بادشاہ کے حضور حاضر ہوا تھا وہاں وزیر اعظم کو بھی موجود اور حاضر پایا۔ اب بادشاہ سے صرفِ نظر کیے بغیر وہ وزیر اعظم کو بھی سلام عرض کر دے۔ یہ احتیاط رہے کہ اللہ تعالیٰ سے کسی طرح بھی صرفِ ہمت نہ ہو۔

(۵) نمازِ جنازہ کے بعد ویں اجتماعی دُعا مانگنا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدینؓ نے کبھی کسی جنازہ پر نمازِ جنازہ کے بعد اجتماعی دعا نہ مانگی تھی۔ جنازہ میں میت کے لیے دعا نماز کے اندر ہے نماز کے باہر نہیں۔ نماز جنازہ کی دُعا آپ جس سے پوچھیں یہی بتلائے گا:۔

اللّٰھم اغفر لحیّنا و میتنا و شاھدنا وغائبنا ۔ ۔ ۔ ۔ الخ

اب آپ ہی بتائیں یہ دعا کہاں پڑھی جاتی ہے، نماز کے اندر یا نماز کے باہر ــــ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے جنازہ پر بعد نماز اجتماعی دعا اسی لیے نہ کی گئی کہ سنت میں اس کا کہیں ثبوت نہیں ملتا۔ اور حضرت انتہا درجے کے پابند سنّت تھے۔

خاندانِ مجددیہ کی ایک تاریخی دستاویز روضۃ القیومیہ کے نام سے چھپی ہے اور اسے مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ لاہور نے شائع کیا ہے۔ اس میں حضرت امام ربانیؒ کے جنازہ کے بارے میں لکھا ہے:۔

> حضرت خازن الرحمۃ نے نماز جنازہ کی امامت کی کیونکہ یہی آنجنابؒ کے منتخب کردہ امام تھے۔ نماز جنازہ کے بعد دعا کے لیے توقف نہ کیا کہ سنت نبوی اقتضا نہیں کرتی علاوہ ازیں معتبر کتابوں میں لکھا ہے کہ جنازہ کے بعد کھڑے ہو کر دعا کرنا مکروہ ہے[1]

سنتِ نبوی اور سنّتِ خلفائے راشدینؓ میں واقعی دعا بعد جنازہ کا کہیں پتہ نہیں ملتا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جو حکم ہے:۔

اذا صلّیتم علی المیّت فاخلصوا له الدّعاء[2]

ترجمہ۔ جب تم کسی جنازہ پر نماز پڑھو تو میت کے لیے بڑے اخلاص سے دُعا مانگو۔

اس کا مطلب نماز کے اندر کی دُعا ہے ــــ یہ نہیں کہ یہ سارا اخلاص نماز کے بعد ہو

---

[1] روضۃ القیومیہ جلد ۱ ص ۳۴۹ [2] رواہ ابو داؤد و ابن ماجہ

اور نماز یونہی بغیر اخلاص پڑھ لی جائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس اخلاص کا حکم دیا تو صحابہ کرامؓ اس کا کیا معنی سمجھے نماز میں اخلاص یا نماز سے باہر اور ان کا عمل اس باب میں خود کیا رہا۔ مراد حدیث سمجھنے کے لیے عمل صحابہؓ کو دیکھنا ضروری ہے۔

نوٹ: فاخلصوا میں فاء تعقیب کی نہیں تفریع و تفصیل کی ہے۔ بریلوی فاء تعقیب کا مغالطہ دینے کے لیے اس کا ترجمہ کرتے ہیں۔

جب تم کسی جنازہ پر نماز پڑھ چکو تو میت کے لیے اخلاص سے دعا کرو۔

ہم نے ترجمہ کیا ہے:۔

جب تم کسی جنازہ پر نماز پڑھو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ الخ یہ اس طرح ہے:۔

اذا قرأت القرآن فاستعذ باللہ من الشیطٰن الرجیم۔ (پ ۱۴، النحل ع ۱۳)

ترجمہ۔ جب تم قرآن پڑھو تو (پہلے) اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم پڑھ لیا کرو۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ جب تم قرآن پڑھ چکو تو پھر اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم پڑھ لیا کرو۔ قرآن پاک پڑھنے کا طریقہ یہ بتایا ہے کہ اس سے پہلے تعوذ ہو۔

اسی طرح آیت اذا قمتم الی الصلوٰۃ فاغسلوا وجوھکم کا ترجمہ یہ نہیں کہ جب تم نماز پڑھ چکو تو پھر وضو کر لیا کرو۔ (دیکھیے پ۶ المائدہ رکوع ۲) بلکہ یہ ہے کہ جب نماز میں کھڑا ہونا چاہو تو وضو کر لیا کرو۔

قرآن کریم میں جہاں حرم رسالت سے بات کرنے کے آداب سکھلائے گئے وہاں حکم فرمایا:۔

واذا سألتموھن متاعًا فاسئلوھن من وراء حجاب۔ (پ۲۲ الاحزاب ع ۷)

ترجمہ۔ اور جب تم ان سے برتنے کی کوئی چیز مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگو۔

یہاں کوئی شخص یہ ترجمہ نہ کرے گا کہ جب تم ان سے کوئی چیز مانگ لو تو پردے کے پیچھے سے ان سے کلام کیا کرو۔ (معاذاللہ)

سو حدیث فاخلصوا لہ الدعاء میں بھی یہ ترجمہ نہیں کہ جب تم میت پر نماز پڑھ لو تو پھر میت

کے لیے اخلاص سے دُعا مانگو۔

یہاں اخلاص سے دعا کرنا نماز کے اندر مراد ہے نہ کہ نماز کے باہر اور اس کے بعد ـــ حضورؐ کا یہ حکم نماز کے اندر کے لیے ہے۔ فقہاء کہتے ہیں آپ کا یہ حکم نماز کے اندر اخلاص سے دعا کرنے کا تھا۔

قال فی الصلوٰۃ علی المیت فاخلصوا بالدعاء[1]

ترجمہ: آنحضرتؐ کے ایک صحابی کہتے ہیں میت پر نماز میں اخلاص سے دُعا کیا کرو۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہ نے حضورؐ کے ارشاد فاخلصوا له الدعاء سے نماز کے اندر کی دعا ہی مراد لی ہے۔

عن الزهری قال اخبرنی ابوامامة بن سهل انه اخبره رجل من اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم ان السنة فی الصلوٰۃ علی الجنازة ان یکبر الامام ثم یقرأ بفاتحة الکتاب بعد التکبیرة الاولیٰ سرًّا فی نفسه ثم یصلی علی النبی صلی الله علیه وسلم و یخلص الدعاء للجنازة فی التکبیرات لا یقرأ فی شیء منهن ثم یسلم سرًّا فی نفسه[2]

ترجمہ: نماز جنازہ کا مسلوک طریق یہ ہے کہ امام تکبیر کہے اور پھر فاتحہ کے ساتھ کچھ پڑھے (سبحانك اللّٰهم وبحمدك) آہستہ سے اپنے جی میں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے اور (اس کے بعد) میت کے لیے بڑے اخلاص سے دعا مانگے اس میں کسی مقام پر قرأت نہ کرے (اگر فاتحہ پڑھی تو وہ بنیت دُعا تھی بنیت قرآن نہ تھی) اور پھر آہستہ سے سلام پھیر دے۔

اس میں یہ تصریح ہے کہ یخلص الدعاء للجنازة سلام پھیرنے سے پہلے کا عمل ہے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا عمل بھی یہی رہا کہ نماز جنازہ میں بڑے اخلاص اور تضرع سے دعا کرتے۔ حضرت عوف بن مالکؓ کہتے ہیں میں نے ایک موقع پر حضورؐ کو دُعا اللّٰهم اغفرله وارحمه وعافه واعف

---

[1] المدونة الکبریٰ جلد ا صفحہ ۱۷۴ [2] سنن کبریٰ جلد ۴ صفحہ ۳۹

عنہ ..... الخ اس انداز سے کہتے ہوئے سُنا کہ میری تمنا بھڑکی کاش کہ یہ میرا جنازہ ہوتا۔

حتٰی تمنیت ان اکون ذالك المیت۔[1]

محدثین نے بھی حضورؐ کے اس ارشاد اذا صلیتم علی الجنازۃ فاخلصوا له الدعاء کا مطلب نماز جنازہ کی دعا سمجھا ہے۔ خطیب کو ہی لیجئے اس نے مشکوٰۃ میں یہ حدیث نقل کرنے کے فوراً بعد جنازہ کی دُعا اللّٰھم اغفر لحینا و میتنا نقل کی ہے۔ اس صنیع سے پتہ چلتا ہے کہ اس حدیث میں مراد نماز جنازہ کی دعا میں اخلاص ہے۔ نماز کے بعد کی کوئی دعا مراد نہیں۔

نوٹ

یہاں امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کا گمان نہ کیا جائے۔ اس میں فاتحہ بہ نیت دعا ہے قرآن کریم کے الفاظ بہ نیت دعا، امام کے پیچھے بھی پڑھے جا سکتے ہیں جیسے مقتدی رب اجعلنی مقیم الصلوٰۃ ومن ذریتی کے الفاظ امام کے پیچھے بھی پڑھتا ہے اور اس سے امام کے پیچھے قرآن پڑھنے کا الزام قائم نہیں ہوتا۔ نہ اس نے اس سے پہلے اعوذ باللہ پڑھا ہے۔

نمازِ جنازہ میں تیسری تکبیر اور چوتھی تکبیر کے درمیان کچھ نہ پڑھے

نماز جنازہ میں تین بڑے حقوق ہیں:۔

(۱) اللہ رب العزت کا حق

(۲) حضور رسالت مآبؐ کا حق

(۳) میت کا حق

جب یہ تین حقوق پورے ہو جائیں تو پھر آگے کوئی بات نہیں۔ چوتھی تکبیر کے بعد کچھ نہیں پڑھنا، بس سلام پھیرنا ہے۔ نماز جنازہ کا کوئی حصہ بھی باقی ہوتا تو وہ چوتھی تکبیر کے بعد پڑھا جاتا۔

---

[1] صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۳۱۱

جب اس تکبیر کے بعد صرف سلام ہے تو معلوم ہوا کہ اب اس عمل کا کوئی حصہ باقی نہیں سلام پھیرنے کے بعد پھر اکٹھے دعا کرنا اصل میں نماز میں اضافہ ہے یا کم از کم اضافے کا ایک گمان ضرور ہے۔ دسویں صدی کے مجدد حضرت ملا علی قاری رح لکھتے ہیں :-

ولا یدعوا للمیت بعد صلوٰۃ الجنازہ لانہ یشبہ الزیادۃ فی صلوٰۃ الجنازۃ[1]

ترجمہ۔ اور میت کے لیے نماز جنازہ کے بعد دعا نہ کرے اس سے نماز کی شرعی حیثیت میں زیادتی کا گمان ہوتا ہے۔

نوٹ

چوتھی تکبیر کے بعد کچھ نہ پڑھے۔ یہ بات ہم نے مسلک احناف کے مطابق لکھی ہے۔ فقہ شافعی میں چوتھی تکبیر کے بعد سلام پھیرنے سے پہلے بھی دعا کی گنجائش ہے۔ اس پہ امام بیہقیؒ نے یہ باب باندھا ہے۔

باب ماروی فی الاستغفار للمیت والدعاء لہ ما بین التکبیر الرابعۃ والسلام[2]

شافعی حضرات نے اپنے اس موقف پر کچھ روایات بھی پیش کی ہیں۔ ہم اس وقت حنفی نقطہ نظر سے ان پر بحث نہیں کر رہے۔ تاہم یہ بات ضرور ہے کہ ان میں سے اگر کسی میں چوتھی تکبیر کے بعد دعا مانگنے کا ذکر ہے تو وہ سلام پھیرنے سے پہلے پہلے ایک زائد دعا ہے جس پر حنفیہ کا عمل نہیں۔ یہ سلام پھیرنے کے بعد کی دُعا نہیں ہے اس سے پہلے کی ہے۔

افسوس ہے کہ بریلوی علماء ان روایات سے دعا بعد الجنازہ پہ استدلال کرتے ہیں جس کا درجہ ایک مغالطے سے زیادہ نہیں۔ مفتی احمد یار خاں کا یہ استدلال اسی قسم کا ہے :-

حضرت عبداللہ بن ابی اوفیؓ نے اپنی لڑکی کا جنازہ پڑھا اور چوتھی تکبیر کے بعد دعا کی۔[3]

ویسے یہ روایت سنداً بھی صحیح نہیں۔

---

[1] مرقات جلد ۲ صفحہ ۲۱۹ [2] سنن کبریٰ جلد ۴ صفحہ ۴۲ [3] دیکھئے جاء الحق صفحہ ۲۱۳

اسی طرح مفتی احمد یار صاحب کا یہ کہنا کہ حضورؐ نے حضرت جعفر بن ابی طالبؓ اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھی تھی اور ان کے لیے دعا کی۔ یہ بھی صحیح نہیں۔ پھر یہ بھی سوچیے کہ غزوۂ موتہ میں تین سالاروں کی شہادت ہوئی تھی۔ دو یہ اور تیسرے حضرت زید بن حارثہؓ تھے۔ نماز جنازہ ہوتی تو تینوں کی ـــــ یہ دو کی نماز اور وہ بھی غائبانہ۔ اس کی تفصیل شاید بریلوی علماء بھی نہ بتا سکیں ہمارے مذہب میں تو غائبانہ نماز کا کوئی جواز نہیں ہے۔ نجاشی کی نماز جنازہ میں اصل جگہ فرض کفایہ ادا نہ ہوا تھا اور اب یہ دوسرا جنازہ نہ تھا اور جنازہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کر دیا گیا تھا۔

حضرت عبداللہ بن سلامؓ ایک جنازہ پر پہنچے۔ جنازہ ہو چکا تھا۔ میت کا دفن ہونا ابھی باقی تھا اور ظاہر ہے کہ دفن کے بعد کی دعا ابھی نہ ہوئی تھی۔ انہوں نے کہا اگر میں جنازہ نہیں پڑھ سکا تو چلو دعا میں ہی شامل ہو جاؤں گا ـــــ اس میں یہ بات کہیں نہیں کہ نماز جنازہ کے بعد متصلاً کوئی دعا ہوتی تھی۔ دعاء معہود جو ان دنوں ہوتی تھی اور صحابہؓ اس میں شامل ہوتے تھے وہ وہی ہے جو دفن کے بعد کی دعا ہے اسے خواہ مخواہ نماز جنازہ کے بعد کی متصل دعا قرار دینا اس پر قطعاً کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔

بریلوی استدلال

جب اس روایت میں دونوں احتمال موجود ہیں تو اگر ہم اس سے نماز جنازہ سے متصل دعا مراد لے لیں تو کیا حرج ہے۔ حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے کہا تھا۔

ان سبقتمونی بالصلوۃ علیہ فلا تسبقونی بالدعاء۔[1]

ترجمہ: اگر آپ میت کی نماز جنازہ میں مجھ پر سبقت لے جا چکے ہیں تو اس پہ دعا کرنے میں مجھ سے آگے نہ بڑھیں۔

جواب: آپ اس حدیث سے استدلال کر رہے ہیں۔ استدلال کرنے والے کی دلیل

---

[1] مبسوط جلد ۲ ص ۶۷

اس کے دعوے پر ایسی واضح ہونی چاہیئے کہ اس میں کسی دوسرے احتمال کی گنجائش نہ ہو. اگر دوسرا احتمال نکل آئے تو استدلال کرنے والے کا استدلال ختم ہو جائے گا. اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال

یہ روایت ہم نے اپنے دعوے پر پیش نہیں کی. ہم نے صرف یہ عرض کی ہے کہ جب اس میں اس دعا کی بھی گنجائش ہے جو بعد دفن ان دنوں ہوتی تھی تو اب اس سے خواہ مخواہ ایک دوسرے معنی مراد لینا اگر ایک بدعت نہیں تو اور کیا ہے. نئے مسائل اور نئے دلائل میں پھر یہی حال ہوتا ہے.

۱ عید قبور کی بدعت

قبروں پر کی جانے والی بدعات میں سب سے بڑی بدعت قبر کی سالانہ عید ہے. اسلام میں دو ہی عیدیں ہیں عید الفطر اور عید الاضحیٰ. مگر بریلویوں نے چار عیدیں بنا رکھی ہیں. عید میلاد النبی اور اپنے علاقے کے مرکزی بزرگ کی قبر کی سالانہ عید. سے عرس بھی کہتے ہیں اور قبر ملی پر زائرین کا ہجوم اور پھر ان کی کھانے پینے کی ضیافتیں بالکل عید کی طرح ہوتی ہیں. دن بھی عام طور پر چھٹی کا ہوتا ہے اور ارد گرد سے لوگ عید سے زیادہ اہتمام کے ساتھ اس بزرگ کی قبر پہ حاضری دیتے ہیں.

زیارتِ قبور اور عید قبور میں فرق

اسلام میں زیارت قبور کا حکم موجود ہے. قبریں آخرت کی یاد دلاتی ہیں اور وہاں دعا کرنے والوں سے اہل قبور کو فائدہ پہنچتا ہے. لیکن وہاں اجتماعی شکل میں جانا اور اس کے لیے ایک یا تین دن مقرر رکھنا اور ہر سال ان تاریخوں کی پابندی یہ وہ عید قبور ہے جس سے اسلام نے منع کیا ہے.

نہایت افسوس کی بات ہے کہ بریلوی حضرات یہ عید قبور (عرس) اس اہتمام سے مناتے ہیں کہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ بھی ان عرسوں کے آگے کوئی اہمیت نہیں رکھتیں. ان بدعات کے آگے سب سنتیں ماند پڑ جاتی ہیں.

عرسوں کی محفلوں میں عورتوں اور مردوں کا آزادانہ اختلاط قوالی کی مجلسیں اترتی دیگوں کی

خوشبوئیں حلوؤں کے جلوے ہاروں سے لدے گلے اور چوغوں اور جبوں میں ملبوس پیر پاؤں میں گھنگرو پہنے رقص کرتے آنے والے زائرین اور ان کی پھیلی چادروں میں نذروں اور منتوں کے نوٹ اور یہ نذرانے وہ اعمال ہیں جو عرسوں کے جان اور بریلویوں کی پہچان ہیں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا قبروں کی اس سالانہ حاضری اور پھر اجتماعی حاضری کا کوئی تصور اسلام میں موجود ہے؟ کیا اسلام میں کسی قبر پر عید کا سا ہجوم کرنا اور اسے پر رونق بنانا جائز ہے؟ اسلام میں اس عید قبور کا کیا درجہ ہے۔ آیئے اس کے لیے ہم سب سے بڑے روحانی مرکز گنبدِ خضرٰی کی طرف متوجہ ہوں۔ کیا وہاں عید قبور کا کوئی دن مقرر ہوتا ہے؟ اور کیا وہاں بھی کبھی کوئی عرس ہوا ہے؟

اب تو بریلوی کہہ سکتے ہیں کہ وہاں آلِ سعود کی حکومت ہے۔ وہ توحید کے پورے پابند ہیں شرک و بدعت کو اپنے ہاں راہ نہیں دیتے۔ چلو یونہی سہی۔ لیکن خدارا اس بات پر بھی تو نظر رکھیے کہ کیا خلفائے راشدینؓ کے دور میں وہاں کبھی کوئی عرس منایا گیا کیا خلفائے راشدینؓ بھی معاذ اللہ سب کے سب بدمذہب تھے؟

فای الفریقین احق بالامن ان کنتم تعلمون۔ (پ الانعام آیت ۸۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا:۔

لا تجعلوا بیوتکم قبوراً ولا تجعلوا قبری عیداً وصلوا علیّ فان صلوٰتکم تبلغنی حیث کنتم۔[1]

ترجمہ۔ تم اپنے گھروں کو قبریں نہ بنا رکھنا (کہ تمہارے گھر نمازوں سے خالی رہیں) اور نہ میری قبر کو عید بنانا (کہ وہاں ایک دن اکٹھے ہو کر آؤ جیسا کہ عید کے دن ہوتا ہے) اور مجھ پر درود پڑھتے رہو (دور رہنے کی وجہ سے یہ نہ سمجھنا کہ مجھے درود نہ پہنچے گا) تمہارا درود تم جہاں بھی ہو وہاں سے مجھے پہنچایا جاتا ہے۔

اس حدیث میں یہ بات کہ میری قبر کو عید نہ بنانا، اس کی شرح میں حضرت شاہ ولی اللہ

---

[1] رواہ النسائی و رواہ ابوداؤد جلد ۱ صـ ۲۷۹ والنسائی جلد صـ مشکوٰۃ صـ ۸۶

محدث دہلویؒ لکھتے ہیں :-

لا تجعلوا قبری عیدًا اقول ھذا اشارۃ الی سد مدخل التحریف کما فعل
الیہود والنصاریٰ بقبور انبیائھم وجعلوھا عیدًا وموسمًا بمنزلۃ الحج۔[1]

ترجمہ۔ میں کہتا ہوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں کہ میری قبر کو عید نہ بنانا
یہ اشارہ ہے کہ دین بگاڑنے کا دروازہ بند کر دیا جائے یہود و نصاریٰ نے اپنے انبیاؑ
کی قبروں کو عید بنا رکھا تھا اور جس طرح حج کا ایک موسم مقرر ہے وہ ان قبروں پر
خاص دنوں میں رونقیں کرتے تھے۔

مولوی محمد عمر صاحب کہتے ہیں یہاں شاہ صاحب نے اسے تشبہ بالیہود والنصاریٰ کی وجہ سے
منع کیا ہے۔ نہیں، آپ نے اس پر صرف ارشادِ رسالت کی وجہ سے نکیر کی ہے۔ یہود و نصاریٰ کے عمل
کو آپ محض مثال کے طور پر لائے ہیں۔ وگرنہ آپ اسے دین میں تحریف کرنے والوں کی سب سے بڑی
بدعت سمجھتے ہیں۔ اولیاء کرام کی قبروں پر انہوں نے سالانہ میلے ٹھہرا رکھے ہیں جہاں یہ لوگ عید کی طرح
ہجوم کرتے ہیں اور چادریں پھیلائے اور دُور سے ننگے پاؤں آئے وہاں حاضری دیتے ہیں۔

ومن اعظم البدع ما اخترعوا فی امر القبور واتخذوھا عیدًا۔[2]

ترجمہ۔ ان کی بڑی بدعات میں سے ان کا وہ عمل بھی ہے جو انہوں نے قبروں کے
پاس گھڑ رکھا ہے اور وہ ان کی عیدِ قبور کی تقریبات ہیں۔

ابھی ان تقریبات پر لفظ عرس اتنا معروف نہ تھا۔ یہ لفظ ذرا آگے چل کر اس دائرہ قباحت
میں داخل ہوا ہے۔ پہلے عرس مشائخ کے ساتھ جا کر قبروں کی زیارت کرنے کا نام تھا۔ ہمعات کی عبارت
سے یہی متبادر ہوتا ہے۔

وازیں جاست حفظ اعراس مشائخؒ ومواظبت زیارت قبور ایشاں۔[3]

ترجمہ۔ مشائخ کے عرس اور ان کا زیارت قبور کے لیے برابر جاتے رہنا اسی لیے ہے۔

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ جلد ۲ صـ۷۷ [2] تفہیمات جلد ۲ صـ۱۴ [3] ہمعات صـ۲۲ اسلامی پریس تحفہ محمدیہ

لیکن بعد میں یہ عرس زندہ بزرگوں کی معیت میں قبروں پر جانے کے نہ رہے۔ مرحومین کی قبروں پر سالانہ اجتماع بن گئے۔

نقشبندی سلسلہ کے عظیم روحانی بزرگ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ بھی لکھتے ہیں :-

لا یجوز ما یفعله الجهال بقبور الاولیاء والشهداء من السجود والطواف حولها واتخاذ السرج والمساجد الیها ومن الاجتماع بعد الحول کالاعیاد ویسمونه عرساً[1]

ترجمہ۔ یہ جاہل لوگ اولیاء و شہداء کی قبروں پر جو سجدے کرتے ہیں اور ان کے گرد طواف کرتے ہیں اور وہاں چراغ جلاتے ہیں اور وہاں نمازوں کی جگہ بناتے ہیں یہ جائز نہیں اور اسی طرح یہ جو وہاں سالانہ عید کرتے ہیں اور اس کا نام عرس رکھتے ہیں یہ بھی جائز نہیں۔

بلکہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے یہ بھی لکھا ہے :-

جو شخص اجمیر میں حضرت خواجہ چشتی کی قبر پہ یا حضرت سالار مسعود غازی کی قبر پہ یا ان کی مانند اور کسی قبر پہ اس لیے گیا کہ وہاں کوئی حاجت طلب کرے تو اس نے ایسا گناہ کیا کہ جو (شرک ہونے کے باعث) قتل اور زنا سے بھی بدتر ہے[2]

سرتاج علمائے ہند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ لکھتے ہیں :-

برائے زیارت قبور روز معین نمودن بدعت است واصل زیارت جائز و تعیین وقت در سلف نبود و این بدعت ازاں قبیل است کہ اصل جائز است وخصوصیت وقت بدعت۔[3]

ترجمہ۔ قبروں پر جانے کے لیے دن مقرر کرنا بدعت ہے اور مطلق زیارت جائز ہے۔ قبروں پر جانے کے لیے دنوں کی تعیین سلف میں نہ تھی۔ یہ بدعت اس نوع

---

[1] تفسیر مظہری جلد ۲ ص۶۵ [2] دیکھئے تفہیمات جلد ۲ ص۴۵ [3] فتاویٰ عزیزی جلد ۱ ص۸۹

کی ہے کہ اس کی بنیاد تو صحیح تھی لیکن تعیین وقت اس کو بدعت بنا گیا۔

وقت مقرر نہ کرنے سے زیارت قبور کی اصل شرعی ممنوع ہونے سے بچ جائے گی اور زیارت قبور تو رہے گی پر عرس نہ ہو سکیں گے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں :-

رفتن بر قبور بعد سالے یک روز معین کردہ سہ صورت است. اول آنکہ یک روز معین نمودہ یک شخص یا دو شخص بغیر ہیئت اجتماعیہ مردمان کثیر بر قبور محض بنابر زیارت و استغفار بروند. ایں قدر از روے از روئے روایات ثابت است و در تفسیر در منثور نقل نمودہ کہ ہر سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بر مقابر مے رفتند و دعا برائے مغفرت اہل قبور مے نمودند۔[1]

ترجمہ۔ قبروں پر سال بعد ایک دن معین کر کے جانا اس کی تین صورتیں ہیں۔ اول یہ کہ ایک دن مقرر کر کے ایک دو آدمی بغیر کسی ہیئت اجتماعیہ اور لوگوں کی بھیڑ کے قبروں پر زیارت کے لیے جائیں اور (مرحومین کے لیے) استغفار کریں۔ اتنی بات روایات سے ثابت ہے اور تفسیر درمنثور میں منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال قبروں پر جاتے اور اہل قبور کے لیے بخشش کی دعا کرتے۔

سو اگر یہ روایات کسی درجے میں قبول ہوں تو ان کا حاصل اس سے آگے نہیں جو حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا ہے۔ ہر سال نیا دن مقرر ہو اور یہ تعیین محض انتظامی ہو۔

اس سالانہ حاضری کی دوسری صورت یہ ہے کہ قرآن کریم کا ختم ہو اور حاضرین کو کھانا کھلا دیا جائے۔ ایسا نہ ہو کہ غنی لوگ اسے کھائیں یا اس میں نمود و ریا پائی جائے وہ خرافات بھی نہ ہوں جو آج کل عرسوں میں ہوتی ہیں۔ اس کے بارے میں شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں:-

ایں قسم معمول در زمانہ پیغمبر خدا و خلفائے راشدینؓ نبود. اگر کسے ایں طور بکند باک نیست زیراکہ دریں قسم قبیح نیست.

---

[1] فتاوے عزیزی جلد اوّل صـ۳۱ یہ دن مقرر کرنا ہر موقع پر نیا ہو گا۔

ترجمہ۔ یہ طریق عمل حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدینؓ کے دور میں نہ تھا۔ اگر کوئی اس طرح کرے تو ڈر نہیں کیونکہ اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

اگر کوئی کہے کہ کیا اس میں کھانا یا شیرینی سامنے رکھ کر اس پہ دعا مانگنے کا ذکر نہیں ہم کہیں گے کھانا سامنے رکھنا تو مولانا احمد رضا خاں کے نزدیک بھی بے کار بات ہے۔

وقتِ فاتحہ کھانے کا قاری کے پیشِ نظر ہونا اگرچہ بے کار بات ہے مگر اس کے سبب سے وصولی ثواب یا جوازِ فاتحہ میں کچھ خلل نہیں[1]

یہی ایک چیز تھی جسے اس صورتِ عمل میں قباحت والی کہا جا سکتا تھا۔ سو اس کے بارے میں اگر یہ عقیدہ ہو کہ یہ بے کار بات ہے تو پھر واقعی اس میں حرج نہیں۔ تاہم حضرت شاہ صاحبؒ نے اسے معمول سلف قرار نہیں دیا۔

لیکن آج کل جو عرس ہیں وہ اس دوسری قسم کے نہیں۔ یہ ایک تیسری قسم ہے جو انتہائی درجہ میں قبیح اور ممنوع ہے۔ آپ لکھتے ہیں :-

سوم طور جمع شدن بر قبور ایں است کہ مردمان یک روز معین نمودہ و لباس ہائے فاخرہ و نفیس پوشیدہ مثل روز عید شادماں شدہ بر قبرہا جمع مے شوند و رقص و مزامیر و دیگر بدعات ممنوعہ مثل سجود برائے قبور و طواف گرد قبور مے نمایند ایں قسم حرام و ممنوع است بلکہ بعضے بحد کفر مے رسند ہمیں است محمل ایں دو حدیث ولا تجعلوا قبری عیدا چنانچہ در مشکوۃ شریف موجود است و اللّٰھم لا تجعل قبری وثنا یعبد ایں ہم در مشکوۃ است[2]

ترجمہ۔ تیسرا طریقہ قبروں پہ جمع ہونے کا یہ ہے کہ لوگ ایک دن طے کر کے عمدہ اور نفیس کپڑے پہن کر جیسا کہ عید کے دن ہوتا ہے مزار پہ جمع ہوں وہاں (ملنگ) رقص بھی کر رہے ہوں اور ساز سے قوالیاں بھی ہوں قبروں پر سجدے بھی ہو رہے ہوں

---

[1] الحجۃ الفائحہ ص۱۲ [2] فتاوی عزیزی جلد ۱ ص۳۸ کتاب البرزخ ص۱۷۹ مؤلفہ نور بخش توکلی مطبوعہ ۱۳۲۹ھ

اور لوگ ان کا طواف بھی کر رہے ہوں یہ قسم اجتماع (عرس رائجہ) حرام اور ممنوع ہے بلکہ ان میں سے بعض باتیں کفر کی حد کو چھوتی ہیں۔ یہی محمل ہے ان دو احادیث کا۔۔۔۔ تم میری قبر کو عید نہ بنانا ۔۔۔ اور ۔۔۔ اے اللہ! میری قبر کو تھان کے درجے میں نہ لانا کہ اس کی عبادت ہونے لگے (اس پر سجدے کئے جانے لگیں) یہ دونوں حدیثیں مشکوٰۃ میں موجود ہیں۔

قبور شہداء پر سالانہ حاضری کی روایات

مولانا احمد رضا خاں نے ہادی الناس فی رسوم الاعراس میں کچھ ایسی روایات نقل کی ہیں کہ حضورؐ ہر سال شہداء کی قبروں پر دعا کے لیے جاتے تھے۔ یہ روایات زیادہ تر بے سند ہیں اور ان کتابوں میں ہیں جو آخری درجے کی کمزور کتابیں شمار ہوتی ہیں۔ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے ان روایات کو تفسیر درمنثور سے روایت کیا ہے اور اس کی شرح میں کہا ہے کہ اس سے مراد ایک دو اشخاص کا بغیر کسی اجتماعی صورت کے قبروں پر جانا ہے۔ یہ اجتماعی شکل میں وہاں جانا جیسا کہ آجکل عرسوں میں ہوتا ہے یہاں ہرگز مراد نہیں۔ اور ہر سال جانے سے مراد بھی ہر سال کسی ایک معین تاریخ پہ جانا نہیں نہ اس میں اس تاریخ کا التزام تھا جب جنگ اُحد لڑی گئی تھی ۔۔۔۔ آج کل اگر کوئی شخص دن مقرر کرے تو چاہیئے کہ وہ تعیین انتظامی ہر سال کے لیے التزامی نہ ہو۔

سوال: شادی کے لیے دن مقرر کرنا، جلسے کے لیے دن مقرر کرنا، سفرِ حج کے لیے ایئرٹریولز سے تاریخ مقرر کرنا یا کسی دکان کے افتتاح کے لیے کوئی دن طے کرنا یہ جائز ہیں یا نہیں؟

جواب: ان دنوں کی یہ تعیین محض انتظامی ہے اعتقادی نہیں۔ ان لوگوں میں سے کسی کا یہ عقیدہ نہیں ہوتا کہ اس دن کی کوئی شرعی اصل ہے۔ محض انتظام کے درجہ میں تاریخ درج کی جاتی ہے اور ان تاریخوں کو کسی کی موت وحیات سے تعلق نہیں ہوتا۔

پھر اس انتظامی تعیین کے بھی دو درجے ہیں۔ اتفاقی اور التزامی ۔۔۔۔ اتفاقی یہ ہے کہ بس اپنی

مصلحت سے کوئی تاریخ طے کردی۔ یہ تعیین بس ایک ہی دفعہ کے لیے ہے۔ یہ تاریخ کوئی ضابطہ نہیں بن گئی۔ اور تعیین التزامی یہ ہے کہ وہ آئندہ بھی اسی تاریخ کا التزام کرے۔ مثلاً ایک بیٹے کی شادی ۹۔ ذوالحجہ کو کی ہے تو دوسرے کی شادی میں بھی اسی تاریخ کا التزام کرے اور پھر پورے خاندان میں آئندہ یہی تاریخ طے پا جائے۔ یہ انتظامی تعیین بھی اگر التزامی درجے میں آجائے تو ممنوع ہو جائے گی۔

سفر اور تعیین میں فرق

کسی قبر کی زیارت کے لیے سفر کرنا (یہ نہیں کہ اتفاق سے راستے میں کسی بزرگ کی قبر آگئی تو اس کے پاس سے گزرنے والے نے اس کی زیارت کرلی اور قبروں پر جو سلام کہا جاتا ہے کہہ دیا) جائز ہے یا نہیں؟ یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے۔ لیکن کسی نیک کام کے لیے دنوں کی تعیین اور وہ بھی التزامی درجے میں ——— یہ اسلام میں کوئی اختلافی مسئلہ نہیں۔ اسے سب ناجائز سمجھتے ہیں۔ مسئلہ سفر میں تو آپس میں الجھنا چاہیئے۔ جب سلف میں کسی مسئلے میں اختلاف ہو گیا تو اس میں ایک دوسرے کو برداشت نہ کرنا چاہیئے۔ لیکن دونوں کی غیر شرعی تعیین کو ہرگز برداشت نہ کرنا چاہیئے۔ سنی مسلمان اس سے پوری کوشش سے بچے رہے۔ بدعتی لوگ تو وہ خود اس کے جوابدہ ہوں گے اگر ان کا خاتمہ ایمان پر ہو گیا ——— یہ اگر کی بات ہم نے اس لیے کی ہے کہ بدعتی کا خاتمہ بالخیر بہت خطرے میں ہوتا ہے۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سفر اور تعیین میں فرق کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

> قبور بزرگان کی زیارت کو سفر کرکے جانا مختلف فیہ ہے بعض علماء درست کہتے ہیں اور بعض منع کرتے ہیں یہ مسئلہ مختلفہ ہے اس میں نزاع و تکرار نہ چاہیئے۔ مگر ہاں عرس کے دن زیارت کو جانا حرام ہے۔ فقط۔[۱]

زیارت کے لیے جانا ممنوع نہیں اس کے لیے وقتی طور پر کسی دن کا ارادہ کرلیا جائے تو یہ جائز ہے یہ نہ تخصیص ایام ہے نہ اس کا التزام ——— ہاں خاص عرس کے دن زیارت کے لیے جانا اہل بدعت کی

[۱] فتاوےٰ رشیدیہ جلد ۲ صد ۲۹

بدعات میں اور ان کی ظلمانی مجلسوں میں من وجہ شرکت ہے اور جو شخص کسی قوم کی گنتی کو بڑھائے وہ انہی میں اٹھایا جانے کے خطرہ میں ہے۔

تعیین اعتقادی اور تعیین التزامی

جمعہ کی فضیلت باقی دنوں پر اور رمضان کی فضیلت باقی مہینوں پر اور مسجد کی فضیلت باقی جگہوں پر یہ شرع میں ثابت ہے یہ تعیین اعتقادی ہے اور اس پر مبنی فضیلت شریعت میں ایک درجہ رکھتی ہے۔ لیکن ایصال ثواب کے لیے تیجے، دسویں، اکیسویں اور چالیسویں دنوں کی تعیین کرنا اور انہیں اہم جاننا یا گیارہ تاریخ کو افضل ٹھہرانا اور اس تاریخ میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رہ کو ایصالِ ثواب کرنا یہ ان اوقات کو اعتقادی فضیلت میں لانا ہے جن کے لیے شریعت میں افضلیت وارد نہیں ہوئی۔ اب جو شخص ان اوقات اور دنوں کی تعیین التزامی کرتا ہے وہ دراصل ان اوقات اور دنوں کی فضیلت اعتقادی کا قائل ہے اور یہی بدعت کی تعریف ہے کہ جو چیز دین نہیں اسے دین سمجھا جائے اور جاہلوں میں اسے بطور دین قائم کر دیا جائے۔

تخصیص اوقات اور تخصیص مقامات

جس طرح کسی وقت کی فضیلت بدوں شرع ثابت نہیں ہو سکتی کسی جگہ اور مقام کی فضیلت بھی دلیل شرعی کی محتاج ہے۔ ایصالِ ثواب کے لیے قرآن کریم پڑھنا قبر کے پاس ہو یا مسجد میں یا گھر میں ثواب میں سب برابر ہے۔ کسی ایک جگہ پڑھنے کو اعتقاداً افضل جاننا درست نہیں۔

ہاں قبر کے پاس اس لیے پڑھے کہ اس سے میّت مانوس ہوتی ہے تو یہ بنا بر اعتقاد سماعِ موتیٰ جائز ہو سکتا ہے لیکن فضیلتِ اعتقادی اسے بھی حاصل نہیں۔

۲ قبروں پر پھولوں کی چادریں اور سبز ٹہنیاں

حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دو معذب (عذاب یافتہ) قبروں کے پاس سے گزرے اور آپ نے ان پر کھجور کی دو ٹہنیاں گاڑ دیں اور فرمایا کہ جب تک یہ ٹہنیاں تر رہیں گی ہو سکتا ہے ان کے عذاب میں تخفیف رہے۔

بریلوی علماء اس سے استدلال کرتے ہیں کہ گنہگاروں کی قبروں پہ اگر سبز ٹہنیاں رکھی گئیں تو بزرگوں کی قبروں پر پھولوں کی چادریں ڈالنی چاہئیں۔ جس طرح ٹہنیوں سے پھول فائق ہیں، عام لوگوں سے اولیاء اللہ فائق ہیں۔

حضرت جابر بن عبد اللہؓ کی روایت میں صریح طور پر شفاعتِ نبوی کے الفاظ موجود ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

انی مررت بقبرین یعذبان فاجبت بشفاعتی ان یرفہ ذٰلک عنہما ما دام الغصنان رطبین۔ (صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۴۱۸)

ترجمہ: میں دو قبروں کے پاس گزرا جن کو عذاب ہو رہا تھا۔ میں نے چاہا کہ میری شفاعت سے ان پر عذاب اس وقت تک ہلکا ہو جائے۔ جب تک یہ دو ٹہنیاں سبز رہیں۔

یہ روایت حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے بھی مختلف الفاظ سے مروی ہے۔ اس میں بھی دو سبز ٹہنیوں کو عذاب میں تخفیف کا نشان بتایا گیا ہے۔ اگر یہ کوئی دوسرا واقعہ بھی ہو تاہم یہ ضرور ہے کہ وہاں بھی عذاب میں تخفیف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا اور شفاعت سے ہی ہوئی۔ یہ حضرت جابرؓ والی روایت اس روایت کے لیے بمنزلہ شرح ہو جائے گی۔ جس طرح قرآن کریم کی بعض آیات بعض دوسری آیتوں کی تفسیر کرتی ہیں۔ بعض احادیث بھی بعض دوسری احادیث کے لیے بمنزلہ شرح ہیں۔

الجواب بریلوی مفتیوں کا مذکورہ استنباط عجیب ہے حضورؐ کی رکھی سبز ٹہنیاں جب تک تر رہیں

ان گنہگاروں کے عذاب میں تخفیف رہی۔ اولیاء کرام کی قبروں پہ جب تک یہ پھول تر رہیں گے وہاں کن کے عذاب میں تخفیف ملحوظ نظر ہے ؛ سبز ٹہنیوں اور تازہ پھولوں میں تر ہونا قدر مشترک ہے اور کچھ وقت بعد دونوں چیزیں خشک ہو جاتی ہیں۔ یہ دونوں چیزیں خشک تو ہو گئیں لیکن اب بھی یہ چیزیں تو ہیں اور اس عموم میں داخل ہیں۔

وان من شیء الا یسبح بحمده ولکن لا تفقهون تسبیحهم۔ (پ۱۵ : بنی اسرائیل ع ۵)

ترجمہ۔ اور کوئی چیز ایسی نہیں مگر یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حمد کی تسبیح کرتی ہے مگر تم ان کی تسبیح کو سمجھ نہیں پاتے۔

معلوم ہوا سبز ٹہنیوں اور تازہ پھولوں میں یہ تسبیح پہ مددگار ملحوظ نظر نہیں۔ یہ صفت تو اب بھی ان میں موجود ہے کہ دونوں چیزیں خشک ہونے کے باوجود چیز ہونے کے دائرے سے نہیں نکلیں کہ اب ان سے تسبیح باری تعالیٰ منقطع ہو جائے۔

اس تفصیل کے بعد معلوم ہونا چاہیئے کہ عذاب میں تخفیف کا اصل باعث کیا ہے ؛ جواباً عرض ہے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کی برکت اور آپ کی اللہ تعالیٰ کے حضور ان معذبین کی شفاعت ہے۔ آپ نے ان کی اللہ کے حضور شفاعت کرتے ہوئے ان دو ٹہنیوں کو چھو دیا اور ان قبروں پہ گاڑ دیا۔ اب اگر ان کی برکت سے ان گنہگاروں کے عذاب میں کمی کر دی جائے تو یہ خالصۃً حضورؐ کی توجہ کا اکرام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان قبروں والوں سے یہ معاملہ صرف اس لیے کیا کہ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی قبولیت اور ان ہاتھوں کا اکرام تھا جنہوں نے وہاں ٹہنیاں رکھیں —— دعا سے عذاب میں کیوں تخفیف کی گئی پورا عذاب ہی کیوں نہ اٹھا لیا گیا اور یہ تخفیف بھی اسی وقت تک رہی جب تک وہ سبز رہیں تو اس کی وجہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں کمی نہیں۔ بات یہ ہے کہ اصل فیصلہ اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جتنے وقت کے لیے چاہے اور جتنا کرم فرمائے یہ اس کی مرضی پہ موقوف ہے۔ ہم اپنی مرضی سے اس کے ارادے کو ضابطوں میں لانے کے مجاز نہیں۔ ہم مفتی احمد یار صاحب کی اس بات سے اتفاق نہیں کر سکتے کہ حدیث میں ان ٹہنیوں کے خشک ہونے کی قید حضورؐ

نے کیوں لگائی۔ ان کے عذاب سے ہمیشہ کے لیے تخفیف کیوں نہ کردی گئی۔ ہم کون ہیں خدا کے ارادے پر حکم چلانے والے۔

مفتی احمد یار صاحب کا زورِ قلم ملاحظہ ہو کس دلیری سے انکار کرتے ہیں کہ یہ سب کچھ حضورؐ کی دعا اور شفاعت کا صدقہ تھا۔ آپ لکھتے ہیں :۔

عذابِ قبر کی کمی سبزے کی تسبیح کی برکت سے ہے نہ کہ محض حضور علیہ السلام کی دُعا سے اگر محض دعا سے کمی ہوتی تو حدیث میں خشک ہونے کی کیوں قید لگائی جاتی۔[1]

اللہ تعالیٰ جس درجے میں دعا کو قبول فرمائیں اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کا ذکر کر دیں تو ہم کون ہیں کہنے والے کہ صرف اس وقت تک تخفیف فرمائی جب تک وہ ٹہنیاں تر رہیں گی۔ ہم کون ہیں یہ حکم چلانے والے۔ مفتی صاحب اگر اللہ تعالیٰ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کیوں کا سوال اٹھائیں تو یہ ان کا کمال ہے ہم کوئی بریلوی تو نہیں کہ خدا اور اس کے رسولِ خاتمؐ پر اعتراض کرنے لگیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ان قبروں سے عذاب کی تخفیف کا واقعہ بالکل خلافِ قیاس ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا اور توجہ کا فیضان ہے جس کے مفتی صاحب منکر ہیں —— اگر یہ کوئی ضابطے کی بات ہوتی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفائے راشدینؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ اور ائمہ دین اس پر کیوں عمل نہ کرتے —— خیر القرون میں اس کا قطعاً کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

اور پھر بزرگوں کی قبروں کو یا اپنے اعزہ و اقارب کی قبروں کو ان زیرِ عذاب لوگوں پر قیاس کرنا اور ان کی قبروں پر سبز ٹہنیاں یا پھول چڑھانا اس میں ایک مصلحت کار فرما ہے اور فقہ کی کس کتاب میں اس مسئلے کو جگہ دی گئی ہے۔

(۳) قبروں کے عرقِ گلاب سے غسل اور پھولوں کی چادریں

اس دور کی بدعات میں ایک عمل یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ بعض بزرگوں کی قبروں کو سالانہ

---

[1] جاء الحق صفحہ ۲۸۵

غسل دیا جاتا ہے اور وہ غسل بھی پانی سے نہیں بلکہ عرقِ گلاب سے اور اس میں اتنا اسراف کیا جاتا ہے کہ اس کے تصور سے شعور مجروح ہوتا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

یہ بدعت اپنی کوکھ میں کن کن بدعتوں کو ساتھ لائی ہے ذرا ان پر بھی غور کرلیں :-

(۱) ـــــ بزرگوں کی قبریں پکی ہوں قبرِ نبویؐ کی طرح کچی نہ ہوں ـــــ کیوں ؟ یہ اس لیے کہ کچی قبریں تو دھوئی نہیں جاسکتیں۔ یہ پکی قبریں ہیں اور وہ بھی مرمریں، جنہیں دھویا جاسکتا ہے ـــــ ظاہر ہے کہ اس میں فقہ حنفی کے اس فیصلے سے کھلا تصادم ہے جسے امام محمدؒ نے نقل کیا ہے آپ لکھتے ہیں :-

ولا نریٰ ان یزاد علیٰ ما خرج منه ونکره ان یجصص او یطیّن ..... ان النبی صلی اللہ علیه وسلم نہیٰ عن تربیع القبور وتجصیصها قال محمد به ناخذ وهو قول ابی حنیفة۔[۱]

ترجمہ۔ اور ہم اسے صحیح نہیں جانتے کہ جو مٹی قبر سے نکلی تھی اس سے زیادہ اس پر ڈالی جائے اور ہم اسے مکروہ جانتے ہیں کہ قبر کو چونے سے پختہ کیا جائے یا اس پر لپائی کی جائے ..... بے شک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کو چوکور بنانے سے اور اسے چونا گچ کرنے سے منع فرمایا ہے۔ امام محمدؒ کہتے ہیں یہ ہمارا فیصلہ ہے اور یہی امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔

یہ وہم نہ ہو کہ شاید امام ابو یوسفؒ کی یہ رائے نہ ہو۔ ہرگز ایسا نہیں۔ علامہ حلبیؒ (۹۵۶ھ) لکھتے ہیں:-

ویکرہ تجصیص القبر وتطیینه وبه قالت الائمة الثلٰثة۔[۲]

ترجمہ۔ جو ولیوں کی قبروں پر بلند عمارتیں بناتے ہیں اور چراغ روشن کرتے ہیں اور اس طرح کے جو کام کرتے ہیں سب حرام ہیں۔

اور امام محمدؒ نے جس حدیث کے مطابق یہ فیصلہ لکھا ہے اس کی تائید و توثیق نویں صدی میں بھی بالکل اسی طرح ہوتی جارہی ہے۔ دیکھئے پھر تیرہویں صدی میں بھی فقہ حنفی کا یہی فیصلہ پیش کیا گیا ہے

---

[۱] کتاب الآثار امام محمدؒ صہ۹۷ [۲] کبیری صہ۵۹۹

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی ؒ (۱۲۲۵ھ) لکھتے ہیں :۔

آنچہ بر قبور اولیاء عمارت ہائے رفیع بنا مے کنند و چراغاں روشن مے کنند از یں قبیل ہر چہ مے کنند حرام است۔[۱]

ترجمہ۔ اور قبر کو چونے گچ بنانا اور اس کی لپائی کرنا مکروہ ہے اور یہی (ہمارے) تین اماموں کا فیصلہ ہے۔

(۲) —— یہ سالانہ تقریب (مزار مبارک کو غسل دینا) سالانہ عرس کا پیش خیمہ بنتی ہے اور عرسوں میں جس قدر مکروہات اور ممنوعات عمل میں آتے ہیں وہ کسی صاحب نظر سے مخفی نہیں —— عورتیں جس طرح بن سنور کر عرسوں میں آتی ہیں اور دوسری طرف نوجوان عقیدتیں قربان کرتے مزار اولیاء کی طرف بڑھتے ہیں۔ اس آزاد اختلاط سے کیا نتائج پیدا ہوتے ہیں یا ہو سکتے ہیں آپ ان کا اندازہ خود کر لیں۔

(۳) —— مہنگائی کے اس دور میں جب ہماری سوسائٹی کا نچلا طبقہ ایک بڑی مقدار میں ضروریاتِ زندگی تک سے محروم ہے وہاں عرق گلاب کا اس قدر ضیاع اور مال کا اس قدر اسراف جو بجائے خود گناہ تھا اب اسے کارِ خیر سمجھ کر عمل میں لایا جا رہا ہے اور یہی بدعت کی حقیقت ہے۔ پھر یہ غسل حکومت کی سرپرستی میں عمل میں لایا جائے تو ظاہر ہے کہ اس کے ساتھ اور بھی کئی قباحتیں شامل ہو جائیں گی۔

(۴) —— یہ گلاب کا عرق جب قبر سے بہہ کر آگے جائے تو لوگ اسے بوتلوں میں بھر بھر کر آگے اپنے دیہات میں لے جاتے ہیں اور پھر اس سے برکت ڈھونڈنے والے مرد اور برکت ڈھونڈنے والی عورتیں ایسی ایسی خرافات میں مبتلا ہوتے ہیں کہ شرک و بدعت کی کوئی آفت نہیں جو ان مجلسوں میں نہ آتی ہو اور یہ سب کچھ قبر پرستی کے ایک حاشیے کی صورت میں جاہل دل و دماغ پر اُتار دیا جاتا ہے۔

(۵) —— مزار مبارک کو غسل دینے والے علماء اور نعت خواں اس دھوون کو پھر اپنی مقدس داڑھیوں سے ملتے ہیں جو سنت کے نام سے رکھی گئی تھیں۔ یہ بدعت کی آلائش سے سنت کی کھلی

تزمین ہے ـــــ پھر جب یہ غسل حکومت کی سرپرستی میں ہو تو ان علماء کو بھی ان تقریبات میں آنا پڑتا ہے جو سرے سے ان بدعات کے قائل نہ ہوں ـــــ ایک مولوی صاحب ایک ایسی تقریب میں شامل ہوئے تو انہیں بادلِ نخواستہ یہ حدیث پڑھنی پڑی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی قبر پہ پانی چھڑکا ہے۔ ورش علیہ الماء اور وہ حضرت خود بھی سمجھ رہے تھے کہ یہ نئی قبر بننے پہ پانی کا چھڑکاؤ تھا۔ جو اس کی مٹی کو برابر کر دینے کے لیے ڈالا گیا تھا یہ کوئی مزار دھونے کی کارروائی نہ تھی ـــــ تاہم وہ حضرت یہ حدیث پڑھتے کچھ مسکرا بھی رہے تھے۔

قبروں کے غسل اور پھولوں کی چادروں میں اور بھی متعدد قباحتیں لپٹی پڑی ہیں۔ ان کا کہاں تک احاطہ کیا جائے۔ یہ چند امور مثال کے طور پہ پیش کر دیئے گئے ہیں۔ ان تقریبات کے مشاہدے سے اور بھی کئی خرافات آپ کے سامنے آئیں گی۔ اعاذنا اللہ منہا۔

④ قبروں پر نذریں

قبروں پر کی جانے والی بدعات میں وہ نذرانے بھی ہیں جو زائرین زیارت کے بعد ان بکسوں میں ڈالتے ہیں جو صاحب مزار کے قدموں میں پیوست زمین ہوتے ہیں۔ زائر سمجھتا ہے اس لیٹر بکس کے ذریعہ میری نذر صاحب مزار تک پہنچ رہی ہے اور میری عرض حضرت خود سن رہے ہیں۔ یہ وہ اعتقاد ہے جس سے قبروں کا یہ سارا کاروبار چل رہا ہے۔

قبروں پر نذروں کا حال محکمہ اوقاف سے پوچھیے یا رسائی ہو تو عوام کی جہالت سے فائدہ اٹھانیوالے ان گدی نشینوں سے پوچھیے جن کا ذریعہ معاش یہ نذرانے یا آنے جانے والوں کے گرے پڑے سامان ہیں

ایسے کسی بزرگ کی اولاد میں جب اس کی جائداد تقسیم ہوتی ہے تو اس میں یہ قبر بھی ایک قیمتی متاع بنتی ہے کہ جو اس کا متولی ہو گیا وہ ہر سال کی دولت پا گیا۔ جس کو مکان و زمین ملی وہ ایک دفعہ ملی اور جس کو قبر ملی وہ ہر سال کی دولت سمیٹ گیا جو اسے بیٹھے بٹھائے گھر مل جایا کرے گی۔

یقین نہ آئے تو کبھی خود جا کر دیکھیں۔ لوگ اپنی حاجتیں پوری کرانے کے لیے کتنی بڑی بڑی فیسیں ان مزاروں کی نذر کرتے ہیں اور پھر صرف نقد نوٹ ہی نہیں دیگوں کی دیگیں، مٹھائیوں کے بڑے بڑے طبق۔ پھلوں کے لدے ٹوکرے اور لڑکیوں تک ان مزاروں کی نذر کرتے ہیں اور پھر گدی نشین ہیں کہ مولویوں کو بڑی بڑی فیسیں دے کر ان درگاہوں پر لاتے ہیں اور ان سے وعظ کراتے ہیں کہ تم یہاں قاضی الحاجات کے دروازے پر آ پہنچے ہو۔ جو لینا ہے انہی سے لو۔ خدا بڑا بادشاہ ہے وہ ہر کسی کی براہ راست نہیں سنتا نہیں جو کچھ کہنا ہے یا جو کچھ دینا ہے بس انہی حضرات کے قدموں میں بیٹھ کر کہہ دیجئے اور جو دینا ہے وہ بھی یہیں ڈال دیں۔ اللہ ان کی کہی بھی موڑتا نہیں اور تمہاری کہی بھی سنتا نہیں — پھر سادہ لوح بریلوی ان میلوں کے ریلوں میں اور حلووں کے جلووں میں اپنی ایمان جیسی متاعِ عزیز کو بھی نعرہ بازی میں ہار دیتے ہیں اور وہ نہیں جانتے کہ ایک بڑے رب کے ماتحت کسی چھوٹے رب کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں۔ دنیا کے حکمرانوں کا اقتدار اور اختیار آپس میں تقسیم ہو کر عمل میں آتا ہے۔ اللہ تعالے نے اپنے اقتدار اور اپنی

قدرت میں کسی کو شریک نہیں کیا۔ نہ کسی فرشتے کو اور کسی پیغمبر اور ولی کو ۔۔۔ یہی عقیدہ اہل السنۃ والجماعۃ کا ہے۔ رہے بریلوی قرآن کے بارے میں فقہ حنفی سے یہ فیصلے لے لیجئے:۔

واعلم ان النذر الذی یقع للاموات من اکثر العوام و ما یؤخذ من الدراہم والشمع والزیت ونحوھا الی ضرائح الاولیاء الکرام تقربا الیھم فھو بالاجماع باطل وحرام[1]

ترجمہ۔ اور جان لو کہ اکثر عوام جو مرحومین کے نام پر نذریں دیتے ہیں اور نقد روپے اور چراغ اور ان میں ڈالا جانے والا تیل اور اس قسم کی دوسری چیزیں اولیائے کرام کی درگاہوں میں لاتے ہیں۔ بایں طور کہ ان کا انہیں قرب حاصل ہو یہ سب بالاجماع باطل اور حرام ہیں۔

اس نذر کو باطل اور حرام کہنے کی وجوہ علامہ شامیؒ نے یہ لکھی ہیں:۔

قوله باطل وحرام لوجوہ منھا انه نذر لمخلوق والنذر للمخلوق لایجوز لانه عبادۃ والعبادۃ لا یکون لمخلوق ومنھا ان المنذور له میت والمیت لا یملك ومنھا انه ظن ان المیت یتصرف فی الامور دون الله تعالیٰ و اعتقادہ ذلك كفر[2]

ترجمہ: صاحب درمختار کا ان چڑھاوں کو باطل اور حرام کہنا کئی وجوہ سے درست بیٹھتا ہے ان میں ایک یہ ہے کہ یہ مخلوق کی نذر ماننا ہے اور مخلوق کی نذر ماننا جائز نہیں۔ نذر ماننا ایک عبادت ہے اور عبادت خالق کی ہے مخلوق کی نہیں اور ایک یہ وجہ بھی ہے کہ جس کی نذر مانی ہے وہ میت ہے (اس جہان سے جاچکا) اور میت کسی چیز کی مالک نہیں ہوسکتی اور اس کے حرام ہونے کی وجہ ایک یہ بھی ہے کہ وہ نذر ماننے والا یہ گمان کئے ہوئے ہے کہ فوت شدگان اللہ کے ورے ورے خود متصرف فی الامور

---

[1] الدر المختار کتاب الصوم جلد ۱ صفحہ ۱۵۴ حاشیۃ الطحاوی [2] رد المحتار للعلامۃ الشامی جلد ۲ صفحہ ۱۳۱

ہیں اور اس کا ایسا عقیدہ رکھنا کفر ہے۔

علامہ طحطاوی ؒ لکھتے ہیں کہ ایسی اشیاء کا کھانا مضطرین کے سوا اور کسی کے لیے روا نہیں۔ کسی شریف منصب کے لیے، کسی اچھے خاندان والے کے لیے اور کسی صاحب علم کے لیے اس کے علم کی عزت کے باعث یہ کھانا جائز نہ ہوگا۔

ولم یثبت فی الشرع جواز الصرف الاغنیاء للاجماع علی حرمة النذر للمخلوق ولا ینعقد ولا تشتغل به الذمة وانه حرام بل سحت [1]

ترجمہ۔ شریعت میں یہ کہیں ثابت نہیں کہ یہ نذر غنی لوگوں کے لیے کھانا جائز ہو اس بات پر اجماع ہے کہ مخلوق کی نذر ماننا (وہ کتنا ہی بڑا ولی کیوں نہ ہو) حرام ہے اور یہ نذر منعقد ہی نہیں ہوتی اور اس پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں آتی اور یہ حرام ہے بلکہ حرام سے بھی آگے بڑھ کر یہ درجہ سحت میں ہے۔ (رشوت جیسی خباثت اس میں آچکی)۔

یہ صرف در مختار اور اس کی شروح کی بات نہیں اس سے پہلے علماء احناف اپنی قومی اسمبلی میں شریعت اسلامی کے اس ضابطے پر اجماع کر چکے ہیں فتاوے عالمگیری کے باب الاعتکاف میں دیکھیے:۔

والنذر الذی یقع من اکثر العوام بان یأتی الی قبر بعض الصلحاء ویرفع ستره قائلا یا سیدی فلان ان قضیت حاجتی فلك منی من الذهب مثلا کذا باطل اجماعا۔

ترجمہ۔ اور اکثر عوام میں جو یہ نذر ماننے کا رواج ہے کہ کسی نیک آدمی کی قبر پر آتے ہیں اور اس پر بڑا غلاف اٹھا کر یہ کہتے ہیں اے میرے آقا اگر تو میری یہ حاجت پوری کر دے تو میں تیرے لیے اتنا سونا لاؤں گا، یہ نذر بالاجماع باطل ہے۔

اور یہ بھی لکھا ہے:۔

فما یوخذ من الدراهم ونحوها وینقل الی ضرائح الاولیاء الکرام تقربا

---

[1] طحطاوی علی الدر المختار جلد ۱ صفحہ ۱۷۲ [2] فتاوے عالمگیری جلد ۱ صفحہ

الیهم فحرام بالاجماع[1]

ترجمہ۔ سو جو روپے اور ان جیسی اور چیزیں لے کر انہیں اولیاء اللہ کے مقبروں پر لے جاتے ہیں اور نیت ان بزرگوں کا قرب حاصل کرنے کی ہوتی ہے تو یہ بالاجماع حرام ہے[1]

علامہ محمود آلوسی بھی لکھتے ہیں ۔

واما اذا کان المطلوب منه میتاً او غائباً فلا یستریب عالم انه غیر جائز وانه من البدع التی لم یفعلها احد من السلف[2]

ترجمہ۔ اور جب مطلوب منہ (جس سے درخواست کی جا رہی ہو) فوت شدہ ہو یا سامنے نہ ہو غائب ہو تو اس میں کسی عالم کو شک نہیں ہو سکتا کہ یہ جائز نہیں اور یہ ان بدعات میں سے ہے جن پر سلف صالحین میں سے کوئی عمل پیرا نہیں ہوا۔

معلوم ہوا بدعت کا معیار یہ ہے کہ اس پر سلف صالحین کا عمل نہ ہو۔ نئے نئے مجتہدوں کی بات لینے کی بجائے پہلوں کی پیروی ہزار درجہ بہتر ہے۔ مولانا وحید الزمان لکھتے ہیں۔

(اللہ تعالیٰ) پچھلے مولویوں کی گمراہی سے بچائے جنہوں نے اپنے عقائد بدل ڈالے اور صحابہ اور تابعین اور مجتہدین امت یعنی امام ابوحنیفہ اور شافعی اور مالک اور احمد بن حنبل اور سفیان ثوری اور اوزاعی ..... کے خلاف اعتقاد قائم کیا[3]

حاجت برآری پر قیمت نہ بھی پیش کرے تو بھی قبر سے یہ طلب حاجت ان اسباب میں سے نہیں جو اللہ رب العزت نے نظام کائنات کے چلنے کے لیے بنا رکھے ہیں۔ سو اہل قبور سے یہ استدعا ایک فوق الاسباب پکار ہے جو بہت بڑا گناہ ہے اور کسی طرح لائق مغفرت نہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی بھی لکھتے ہیں۔

کل من ذهب الی بلدة اجمیر او قبر سالار مسعود او ما ضاهاها لاجل حاجة یطلبها فانه اثم اثماً اکبر من القتل والزنا۔ الیس مثله الا مثل

---

[1] فتاویٰ عالمگیری جلد ا ص۲۱۶ [2] روح المعانی جلد ۲ ص۱۲۸ [3] تیسیر الباری جلد ۲ ص۱۹۳

من کان یعبد المصنوعات او مثل من کان یدعوا اللات والعزّٰی۔[1]

ترجمہ۔ جو شخص بھی اجمیر شریف حاضری دیتا ہے یا حضرت سالار مسعود کی قبر پہ جاتا ہے یا ان درباروں جیسے اور کسی دربار پہ حاضری دیتا ہے تو وہ ایسے بڑے گناہ کا مرتکب ہے جو قتل اور زنا سے بھی زیادہ بڑا گناہ ہے۔ کیا اس کی مثال ویسی نہیں جیسی ان لوگوں کی جو ہاتھ کے بنائے ہوئے بت پوجتے ہیں یا ان کی طرح جو لات وعزّٰی بتوں کو اپنی حاجت برآری کے لیے پکارتے ہیں۔

قتل وزنا واقعی بڑے گناہ ہیں گناہ کبیرہ ہیں اور ان کی سزا سزائے موت ہے لیکن شرک اس سے بھی بڑا گناہ ہے جو کسی طرح لائق معافی نہیں، یہ مسئلہ صرف اللہ کے حقوق کا نہیں اللہ کی غیرت کا بھی ہے۔

یہ قبروں پہ مال، درہم و دینار اور تیل چڑھانے کی بات تھی جسے فقہاء کرام بالاجماع حرام لکھتے ہیں۔

۵ نذر کیے گئے بکرے اور مرغے

باقی رہا زندہ چیزوں کا چڑھاوا وہ اس سے بھی بڑھ کر گناہ ہے۔ جو لوگ وہاں حیوانات کو پیش کرتے ہیں اور وہاں انہیں ذبح کرتے ہیں گو وقت ذبح وہ اللہ کا نام ہی لیتے ہوں لیکن وہاں قبروں پہ جاکر ان کا ذبح کرنا ان میں ان اصحاب مزارات کا اعزاز اور تقرب بھی ان لوگوں کے پیش نظر ہوتا ہے۔ یہ گناہ بدعت سے کچھ آگے جاکر شرک کے درجے کو پہنچتا ہے۔ امام ربانی مجدد الف ثانیؒ لکھتے ہیں:۔

وحیوانات راکہ نذر مشائخ مے کنند و بر سر قبرہائے ایشاں رفتہ آں حیوانات را ذبح مے نمایند درروایات فقہیہ ایں عمل را نیز داخل شرک ساختہ اند۔[2]

ترجمہ۔ اور یہ لوگ جو بزرگوں کے لیے جانوروں کی نذر مانتے ہیں اور پھر ان کی قبروں پہ جاکر ان بکروں اور مرغوں وغیرہ کو وہاں ذبح کرتے ہیں فقہ کی روایات میں ان کے اس عمل کو بھی داخل شرک کیا گیا ہے۔

---

[1] التفہیمات الالٰہیہ جلد ۲ صفحہ ۴۵ [2] مکتوبات شریف دفتر سوم مکتوب ۴۱ صفحہ

حیوانات بکرے بھیڑیں اور مرغے تو ایک طرف رہے، بریلوی وہاں زندہ انسانوں (لڑکیوں) تک کا چڑھاوا چڑھانے کو بھی بزرگوں کی ایک بڑی عقیدت سمجھتے ہیں۔

مولانا احمد رضا خاں حضرت سید احمد بدوی کبیر کے مزار پر ایک تاجر کا کنیز پیش کرنا اور صاحب مزار کا اسے قبول کرنا بڑی خوش اعتقادی سے ذکر کرتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں:۔

وہ تاجر حاضر ہوا اور اس نے وہ کنیز مزار اقدس کی نذر کی۔[۱]

مزاروں کے چڑھاوے وصول کون کرتے ہیں؟ ان کے مجاورین اور زائرین۔ اب یہ لڑکی جو مزار اقدس پر چڑھاوے کی صورت میں آئی اسے کون لے جائے گا؟ اور یہ کس کی قسمت کہلائے گی؟ مجاور کی یا مجاور جسے تحفۃً دیدے۔ مولانا احمد رضا خاں لکھتے ہیں یہاں مجاور کو قبر سے اشارہ ہوا کہ اب وہ یہ کنیز حضرت سید عبدالوہاب کو جو وہاں حاضر مزار تھے انہیں دے دے اور پھر اس حاضر بزرگ کو قبر سے جو آواز آئی اسے مولانا احمد رضا خاں کے الفاظ میں پڑھیے:۔

عبدالوہاب اب دیر کاہے کی ہے، فلاں حجرہ میں لے جاؤ اور اپنی حاجت پوری کرو۔[۲]

مزاروں کے گرد حجرے کیا انہی کاموں کے لیے ہوتے ہیں؟ اور کیا اصحاب مزارات اس طرح کمروں کے نمبر بولتے ہیں جس طرح ہوٹلوں کے مالک اپنے مسافروں کو نمبر بتاتے ہیں اور چابیاں دیتے ہیں۔ اس وقت اس کی تفصیل ہمارا موضوع نہیں۔ ہم یہاں صرف کہنا چاہتے ہیں کہ فقہ حنفی کی رو سے مزاروں پر چڑھاوے خواہ روپوں اور نوٹوں اور درہم و دینار کی شکل میں ہوں یا بکروں اور مرغوں کی صورت میں یا خود بصورت لڑکیوں کے قالب میں مزار کی یہ سب نذریں شرعاً حرام ہیں۔ اسلام میں نذر لغیر اللہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ علامہ شامی تصریح فرماتے ہیں کہ تملیک میت کو نہیں ہو سکتی۔ میت کسی چیز کی مالک نہیں رہتی۔ جو اس کے اپنے پہلے املاک ہوں وہ بھی وارثوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں اور اس کی ملکیت میں کچھ نہیں رہتا۔ جب اموات تملیک کا محل ہی نہیں تو یہ کنیز کی صاحب مزار کو تملیک کیسی؟ اور پھر صاحب مزار کی طرف سے اس باہر کے ملی کو تملیک کیسی؟ —— اصحاب مزارات تو ایسے جہان میں ہیں

---

[۱] ملفوظات حصہ سوم صہ ۲۹، صہ ۲۸۹

کر ندہ مالک بنتے ہیں اور نہ کسی کو وہ مالک کرتے ہیں۔

⑥ قبروں پر لڑکیوں کا چڑھاوا

نہایت افسوس ہے کہ بریلویوں نے قبروں پر کی جانے والی بدعات میں لڑکیوں کے چڑھاوے بھی شامل کر رکھے ہیں۔ پہلے یہ بجرے اور مرغے مزارات کے نذرانے کے طور پر ذبح کرتے تھے۔ یہ حضرت مجدد الف ثانی کا ارشاد پڑھ آئے ہیں کہ فقہائے کرام نے اسے شرک قرار دیا ہے۔

یہ لڑکیوں کا چڑھاوا اس سے آگے آگے کی بدعت ہے جسے بل گئی اس کا عرس ہو گیا۔ عروس عربی میں دلہن کو کہتے ہیں۔ یہ لوگ عرس اپنا کرتے ہیں اور نہایت بے دردی سے اسے صاحب مزار کے نام لگا دیتے ہیں کہ اندر سے وہ ان کاموں کا لطف لیتے ہیں اور باہر سے یہ مجاورین یا ان کے بزرگ گاہک جو یہاں ان محفلوں میں حاضری دیتے ہیں۔ (معاذ اللہ) افسوس بریلویت لوگوں کو کہاں سے کہاں لے آئی۔

⑦ قبروں کے طواف

پھر قبروں پر کی جانے والی بدعات میں ایک طواف بھی ہے جو یہ لوگ قبروں کے گرد کرتے ہیں اسلام میں طواف اعتکاف اور نماز عبادات ہیں اور عبادت زبانی ہو یا بدنی یا مالی۔ ایک اللہ رب العزت کے سوا کسی کے لیے جائز نہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کی تعمیر جن کاموں کے لیے کی تھی ان میں طواف بھی ہے۔ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کو حکم دیا گیا تھا دیکھئے پ۱ البقرہ ع ۵۔

وعهدنا الى ابراهيم واسمعيل ان طهرا بيتي للطائفين والركع السجود۔

ترجمہ۔ تم دونوں میرے گھر کو طواف کرنے والوں کے لیے اعتکاف کرنے والوں کے لیے اور رکوع وسجود کرنے والوں کے لیے پاک صاف رکھو۔

اور پھر ان تینوں عبادتوں میں طواف صرف اسی گھر کا ہو کر رہ گیا۔ اور اعتکاف اور نماز اور مسجدوں میں بھی ہو سکتے ہیں اور نماز تو بصورت مجبوری کہیں بھی ادا کی جا سکتی ہے۔ تاہم تینوں عبادات ہیں جو ایک اللہ کے سوا کسی کے لیے جائز نہیں۔ ہدایہ کی شرح معراج الدرایہ میں ہے :۔

لوطاف حول مسجد سوی الکعبۃ الشریفۃ یخشیٰ علیہ الکفر[1]

ترجمہ. اگر اس نے کعبہ مشرفہ کے سوا کسی اور مسجد کا طواف کیا تو اس پر کفر ٹوٹنے کا اندیشہ ہے۔

اب اس میں بریلویوں کی اس جرأت اور جسارت کو بھی دیکھئے کس بے دردی سے یہ اپنے جاہل عوام کے دین وایمان سے کھیلتے ہیں۔

داتا صاحب کی مسجد شریف میں ایک نماز باجماعت ادا کرنے کا ثواب ستر مقبول حج کرنے کے برابر ہے. آپ (سرکار کرمانوالی) فرمایا کرتے تھے کہ نادار مسلمان کو چاہیئے کہ اگر وہ حج بیت اللہ شریف کے لیے استطاعت نہ رکھتا ہو تو وہ حضرت داتا گنج بخش کے مزار اقدس کا طواف کرے اسے حج کا ثواب حاصل ہوگا[2]

دسویں صدی کے مجدد حضرت ملا علی قاری علیہ رحمۃ ربہ الباری روضہ اقدس پر زیارت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

لا یطوف ای لا یدور حول البقعۃ الشریفۃ لان الطواف من مختصات الکعبۃ المنیفۃ فیحرم حول قبور الانبیاء والاولیاء ولا عبرۃ بما یفعلہ الجہلۃ ولو کانوا فی صورۃ المشائخ والعلماء[3]

ترجمہ. حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ شریف کے گرد طواف نہ کرے. یہ اس لیے کہ طواف مختصات کعبہ میں سے ہے (اور کسی جگہ روا نہیں) سو انبیاء کرام اور اولیاء عظام کی قبروں کے گرد طواف کرنا حرام ہے اور جو جاہل لوگ (بریلوی) ایسا کرتے ہیں ان کی بات کا کوئی اعتبار نہیں. یہ جہلاء (عوام میں سے ہی نہیں) کبھی مشائخ اور علماء کی صورتوں میں بھی ہوتے ہیں ان کے غلط فتووں سے سند نہ لی جائے۔

معلوم ہوا قبروں پر عرسوں کے موقع پر جو بڑے بڑے پیر اور کرائے کے مولوی ان بدعات کو سند جواز دینے کے لیے تقریریں کرتے نظر آتے ہیں یہ بھی جہلاء میں سے ہوتے ہیں. ان کی بڑی بڑی پگڑیوں اور

---

[1] معراج الدرایہ [2] خزینۂ کرم صـ۱۸۲ مطبوعہ کرمانوالہ پبلشرز [3] شرح مناسک جلد صـ

چیّوں کو دیکھ کر کہیں انہیں عالم سمجھنے نہ لگ جانا جو قبروں کے گرد طواف کرنے کی اجازت دیتے ہوں وہ علماء اور مشائخ کیسے؟ وہ بریلوی ہیں جو اپنے آپ کو اس جلو میں پیش کرتے ہیں۔

⑧ قبر اور دیواروں کو چھونا

قبر اور دیواروں کو چھونا اور بوسہ دینا گو طواف نہیں لیکن طواف کے دوران رکنِ یمانی کو چھونے اور حجرِ اسود کو بوسہ دینے سے ضرور مشابہ ہے سو یہ بھی قبروں پر جائز نہیں حضرت ملا علی قاریؒ نے قبروں پر کئے جانے والے ان اعمال کی بھی نشاندہی کی ہے:۔

لا یمس ای القبر ولا التابوت ولا الجدار لورود النہی عن مثل ذلک بقبرہ علیہ السلام فکیف بقبور سائر الانام ولا یقبل فانہ زیارۃ علی المس فھو اولیٰ[1]

ترجمہ۔ نہ قبر کو چھوئے نہ تابوت کو اور نہ دیوار کو ان جیسے امر کی ممانعت جب حضور علیہ سلام کی قبر کے بارے میں وارد ہے تو اور لوگوں کی قبروں پر اس کا حکم کیسا سخت ہوگا اور قبر کو (یا دیوار کو) بوسہ بھی نہ دے۔ کیونکہ یہ تو چھونے سے آگے کی بات ہے یہ عمل تو حجرِ اسود کے لائق ہے۔

بریلوی جب زندہ لاشوں کے سامنے زمین پر گرتے ہیں اور اُسے بوسہ دیتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ سجدہ نہیں کرتے صرف تعظیم کرتے ہیں تو یہ تعظیم بھی حرام ہے اور مشابہ بہ عبادۃ الاصنام ہے درمختار میں ہے:۔

وکذا ما یفعلونہ من تقبیل الارض بین یدی العلماء والعظماء فحرام والفاعل والراضی بہ آثمان لانہ یشبہ عبادۃ الوثن۔[2]

ترجمہ۔ اسطرح جو بزرگوں اور علماء کے آگے زمین کو چومتے ہیں سو یہ حرام ہے ایسا کرنیوالا اور اس کے اس عمل پر اظہار رضا کرنیوالا دونوں گنہگار ہیں ان کا یہ عمل بت پرستی کے مشابہ ہے

---

[1] شرح عین العلم جلد ۔ صہ [2] درمختار جلد ۔ صہ

فتاوے عالمگیری میں صراحت سے لکھا ہے کہ اس طرح زمین کو چومنا سجدہ کے قریب قریب ہے۔

واما تقبیل الارض فھو قریب من السجود۔[1]

ترجمہ۔ اور زمین کو چومنا یہ سجدہ (تعظیمی) کے قریب قریب ہے۔

شریعتِ محمدی میں جس طرح بزرگوں اور پیروں کو سجدہ تعظیمی حرام ہے۔ یہ ان کے استقبال میں زمین کو چومنا اور ان کے سامنے زمین پر گر پڑنا بھی حرام ہے۔ ہدایہ میں ہے۔

اما فی شریعتنا فلا یجوز لاحد ان یسجد لاحد بوجہ من الوجوہ ومن فعل ذلک فقد کفر۔[2]

ترجمہ۔ ہماری شریعت میں یہ ہرگز جائز نہیں کہ کوئی انسان کسی دوسرے کو کسی بھی پہلو سے سجدہ کرے۔ جو ایسا کرے گا سو اس نے خدا کے ساتھ کفر کیا۔

جہاں تک قبروں کا تعلق ہے وہاں صرف وہی کام جائز ہے جو سنت متوارثہ ہو اور وہ زیارت قبور اور ان کے لیے کھڑے کھڑے دعا کرنے سے آگے نہیں بڑھتی۔

ویکرہ عند القبر مالم یعھد من السنۃ والمعھود منھا لیس الا زیارتہ والدعاء عندہ قائما۔[3]

ترجمہ۔ اور قبر کے پاس ہر وہ کام مکروہ ہے جو سنت سے نہیں چلا آرہا اور جو چیز سنت سے ثابت ہے وہ یہی ہے کہ اس قبر کی زیارت کی جائے اور اس کے پاس کھڑے کھڑے (اس کے لیے) دعا کی جائے۔

کہاں گیا بریلویوں کا وہ مفروضہ کہ منع کی دلیل لاؤ۔ اصل ہر چیز میں اباحت ہے۔ محترم! اشیاء میں اباحت کو نئے نئے مسائل بنانے کا زینہ نہ بناؤ۔ یہاں ہم اس چیز کے پابند نہیں کہ نیکی اسی کام کو سمجھیں جو اوپر سے ہم تک نقل ہوا ہو اور پہلوں نے پچھلوں کو ملے اور جو چیز سنت میں معہود نہیں (صحابہؓ کے عمل

---

[1] فتاوے عالمگیری جلد ۲ صفحہ ۹۲ [2] ہدایہ جلد صفحہ [3] فتاوے عالمگیری جلد ۱ صفحہ ۱۶۶

میں آئی نہیں) اسے ہرگز ہرگز دین نہ بنایا جا سکے گا۔

یہ قبروں پر کی جانے والی خرافات ایک عام انسان پر کیا اثر ڈالتی ہیں اور وہ بریلویوں کے اس خود ساختہ دین کا کیا اثر لیتا ہے اسے پاکستان کے چیف آف آرمی سٹاف جنرل اسلم بیگ کی بیگم کے ان تاثرات میں ملاحظہ کیجیے:۔

حضرت داتا صاحب (حضرت علی ہجویری لاہوری) کے مزار پہ جو کچھ ہوتا ہے یہ سب شرک ہے۔ ہمیں لاکھوں روپے کی چادریں چڑھانے کی بجائے ننگے بدن لوگوں کو ڈھانپنا چاہیئے۔ لاکھوں روپے کے جس عرق گلاب کو مزار دھونے پر ضائع کر رہے ہیں وہ رقم ہمیں غریبوں میں بانٹنی چاہیئے۔ [1]

جونہی یہ خبر چھپی بریلوی مولویوں نے ریزولیشن پاس کرنے شروع کر دیئے کہ حکومت پاکستان جنرل مرزا اسلم بیگ کو ملازمت میں توسیع نہ دے کیونکہ اس کی اہلیہ وہابن ہوگئی ہے۔

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اڈنبرا (سکاٹ لینڈ) کے میوزیم میں سلطان ٹیپو شہید کی تلوار کو دیکھ کر یہ دیکھتے ہوئے کہ اس کے دستہ پہ ہر جگہ "یا اللہ" لکھا ہے "یا محمد" کہیں نہیں لکھا، یہ کہہ دیا تھا کہ وہ بھی وہابی تھا۔ خدا کو پکار کر اس نے دیکھ لیا کہ اس کا کیا بنا۔ اگر کہیں تلوار پہ "یا غوث" لکھتا تو بارہ برس کے اس کے مرے ہوئے سپاہی بھی زندہ ہو کر آجاتے اور اس کی کمک بنتے۔ کیا حضرت پیر صاحب نے بارہ برس کے ڈوبے ہوئے بیڑے تیرا کر نہیں دکھائے۔ استغفر اللہ العظیم

پاکستان میں ان کے مولوی گلے پھاڑ کر کہتے ہیں کہ ۱۹۶۵ء کی جنگ میں حضرت داتا صاحبؒ نے بھارتی حملوں کو روکا تھا۔ وہ نہ روکتے تو ہماری افواج بھارتی فوجوں کو کیسے پیچھے دھکیل سکتی تھیں —— افسوس وہ نہیں جانتے کہ میدانِ جنگ میں کثرت وقلت فیصلے نہیں کرتیں ایمان اور عزم کی دولت ہے جس سے بارہا قلت نے کثرت پر فتح پائی ہے

پھر جب ان کو کہا جاتا ہے کہ سرکار اجمیر ہندوستان کے مسلمانوں کو کیوں نہیں سنبھالتے۔ تو اس

---

[1] روزنامہ جنگ لاہور ۲۸ ستمبر ۱۹۹۰ء

کے جواب میں کچھ جھوی برادران یہ کہہ کر چپ ہو جاتے ہیں کہ ہندو بڑا ظالم ہے ہم کیا کر سکتے ہیں؟ ہم جواباً کہتے ہیں کہ اور کچھ نہ سہی آپ اللہ رب العزت کو تمام طاقتوں کا مالک سمجھتے ہوئے اور اپنا حاجت روا اور مشکل کشا جانتے ہوئے اپنا ایمان تو بچا سکتے ہیں یہ کیا کوئی کم کارکردگی ہے۔ ان حالات میں اپنا ایمان تو بچا لیجئے۔ شرک و بدعت کی دلدل میں کب تک دھنستے جاؤ گے؟

⑨ قبر پر اذان دینا

قبروں پر کی جانے والی بدعات میں ایک بدعت بریلویوں کی قبر پر اذان بھی ہے۔ بانی مذہب مولانا احمد رضا خاں نے اس پر ایذان الاجر فی اذان القبر کے نام سے ایک مستقل رسالہ لکھا ہے۔ مفتی احمد یار خاں صاحب گجراتی نے جاء الحق میں اسے ثابت کرنے کے لیے ص۳۰۰ سے ص۔ تک اس پر بڑی بحث کی ہے۔ تاہم اس بدعت میں بریلوی علماء عوامی تائید حاصل نہیں کر سکے۔

اس مسئلہ پر گفتگو کرنے سے پہلے یہ چند امور ہمہ وقت پیش نظر رہیں:۔

① ——— مسلمانوں کا فوت ہونا ان کا جنازہ پڑھنا اور دفن ہونا یہ مسئلہ کوئی ایک آدھ دفعہ کا نہیں۔ مسلم معاشرے میں ایسے واقعات اور حادثات اس کثرت سے پیش آتے ہیں کہ ان کی قدر مشترک کسی مسلمان سے اوجھل نہیں رہ سکتی ——— آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی یہاں کی زندگی میں سینکڑوں جنازے پڑھائے۔ خلافت راشدہ میں بھی لاتعداد جنازے اٹھے۔ صحابہ کرامؓ نے ہزاروں جنازوں میں شرکت کی۔ قرون ثلثہ مشہود لہا بالخیر میں کبھی کسی جنازے کے موقعہ پر قبر پر اذان دینے کا واقعہ پیش نہیں آیا اور روایات حدیث میں کوئی ضعیف سے ضعیف اثر تک ایسا نہیں ملتا کہ اس دور اول میں وقت دفن کسی قبر میں یا قبر پر اذان دی گئی ہو۔ اگر ایسا کبھی ہوا ہوتا تو ضرور وہ اس امت تک نقل ہوتا۔ یہ کیسے ہو سکتا کہ اتنا کثیر الوقوع عمل پوری امت سے اس دور میں مخفی رہے اور کسی نے اسے نقل و روایت نہ کیا ہو۔

② ——— بریلوی علماء اسے کس راہ سے دین بناتے ہیں؟ یہ وہی ان کا مفروضہ ہے کہ اس سے کہیں منع تو نہیں کیا گیا۔ قرآن و حدیث میں اس پر کہیں منع وارد نہیں۔ لہذا ہم سے اس کا ثبوت نہ پوچھو تم منع کی دلیل لاؤ۔

اس پر علماء اہل سنت ان بریلوی علماء سے کہتے ہیں تم عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نمازوں سے پہلے اذان نہ کہنے پر منع کی دلیل لاؤ۔ اگر قرآن و حدیث سے تم اس پر منع ثابت نہ کر سکو تو نماز عیدین کے

موقع پر بھی اذان کہا کرو وہاں تم ایسا کیوں نہیں کرتے۔ اس پر جب کہیں منع وارد نہ تھی تو علماء نے اس کے نہ ہونے پر اجماع کیسے کرلیا۔ حافظ ابن عبدالبر مالکیؒ (۴۶۳ھ) نے اس کے نہ ہونے پر اجماع نقل کیا ہے:۔

نقل ابن عبدالبر اتفاق العلماء علی ان لا اذان ولا اقامۃ۔[1]

ترجمہ۔ حافظ ابن عبدالبر نے اس پر علماء کا اجماع نقل کیا ہے کہ نمازِ عید کے لیے نہ اذان ہے نہ اقامت۔

③ —— قبروں پہ کیے جانے والے اعمال میں فقہاء احناف کے ہاں اصل نقل ہے اباحت نہیں کہ اسے الاصل فی الاشیاء هی الاباحۃ کے قاعدہ سے جائز کرلو۔ امام ابن الہمام الاسکندریؒ (۸۶۱ھ) علم اصول کے بڑے جلیل القدر امام ہیں جو درجہ اجتہاد کو پہنچے ہوئے تھے۔ آپ لکھتے ہیں:۔

ویکرہ عند القبر کل مالم یعھد من السنۃ۔[2]

ترجمہ۔ اور قبر کے پاس ہر وہ عمل جو سنّت سے ثابت نہ ہو مکروہ ہے۔

اس موضوع پر یہ بات نہ چلے گی کہ اس پر منع کی دلیل لاؤ اصل ہر چیز میں اباحت ہے۔ یہاں ہر ایسے عمل پر دلیل لانا پڑے گی۔ آگے حضرت علامہ ابن الہمامؒ یہ بھی لکھتے ہیں کہ سنّت سے قبر پہ کیا کیا احکام ثابت ہیں۔ ۱۔ قبروں کی زیارت ۔ ۲۔ اور ان کے پاس دعا کرنا جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے۔ حضرت ام المومنین فرماتی ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے بقیع کے قبرستان میں دعا کرتے دیکھا:۔

فاطال القیام ثم رفع یدیہ ثلاث مرات ثم انحرف۔[3]

ترجمہ۔ آپ کافی عرصہ وہاں کھڑے رہے (کچھ پڑھتے رہے) پھر آپ نے ہاتھ اٹھائے تین دفعہ اور پھر آپ چلے گئے۔

غور فرمائیں یہ دعا آپ نے کن کے لیے کی؟ ان اہل قبور کے لیے —— سو دعا کا مفہوم متعین ہوگیا کہ قبرستان میں دعا اہل قبور کے لیے ہے۔ وہاں ان سے اپنے لیے کچھ مانگنا احادیث کی

---

[1] الاعتصام للعلامہ الشاطبی الغرناطی جلد ۲ صلا ۱ [2] فتح القدیر جلد ۲ صلا۲۲ مصر [3] صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۳۱۳

روشنی میں قبروں پر مسنون عمل بس یہی ہیں کہ ان کی زیارت ہو اور مرحومین کے لیے دعا ہو۔

قبروں کی زیارت سے قبروں کا وجود پہلے سے ہے۔ ابن ہمامؒ کے اس اصول میں اموات کو دفن کرنے ان پر مٹی ڈالنے اور اس پر پانی چھڑکنے اور قبر بنانے کی ہرگز رکاوٹ نہیں۔ ان امور کے بغیر قبر کیسے بنے گی اور اس کی زیارت کیسے ہوگی۔ قبر ہوگی تو اس کی زیارت بھی ہوگی اور مدفون کے لیے دعا بھی ہوگی۔ یہ اصول قبر بننے پر کارفرما ہوگا کہ وہاں صرف دو عمل ہوں۔ ایک زیارت اور دوسرا مرحوم کے لیے دعا۔

افسوس کہ مفتی احمد یار خاں صاحب نے ابن ہمامؒ کے اس اصول کو یہ کہہ کر رد کر دیا ہے۔

> اگر وقت دفن بھی اس میں شامل ہے پھر لازم ہوگا کہ میت کو قبر میں اتارنا تختہ دینا مٹی ڈالنا ..... یہ سب ممنوع ہو[1]

مفتی صاحب چاہتے ہیں کہ دفن کے بعد جب قبر بن جائے تو پھر وہاں اذان بھی کہی جائے۔ یہ قبر پر اذان نہیں دفن کے وقت کی اذان ہے۔ یہ عجیب فرق ہے جو مفتی صاحب کر رہے ہیں۔ ٹھیک کہتے غرض مند دیوانہ ہوتا ہے۔ صاحب غرض مجنون۔

یہ دفن کے وقت کی اذان کیسے ہوگئی؟ دفن کرنے کے بعد اب تو قبر بھی بنا چکے ہیں۔ اب اس قبر پہ صرف وہی عمل درست ہوگا جو سنت سے ثابت ہو۔

یہ کہنا کہ امام ابن ہمامؒ کا بیان کردہ اصول ویکرہ عند القبر کل مالم یعهد من السنة تازہ قبروں کے بارے میں نہیں پرانی قبروں کے بارے میں ہے ایک بڑا ڈھکوسلا ہے جس کا علم سے کوئی تعلق نہیں۔ قبر قبر ہے خواہ ابھی بنی ہو اور یہاں امر معمود وہی ہے جو امام ابن ہمامؒ (۸۶۱ھ) نے بیان فرمایا ہے کہ یہ بس دو ہی عمل ہیں۔

مولانا احمد رضا خاں کی ابن ہمامؒ کے اصول کے تحت رہنے کی کوشش

مولانا احمد رضا خاں لکھتے ہیں کہ جب قبر کے پاس دعا جائز ہے تو اذان بھی تو ایک دعا ہی ہے

---

[1] جاء الحق صـ۲۰۲

سو اذان کہنے سے انسان اس سنتِ معہودہ سے نہ نکلے گا اور قبر کے پاس اذان کہنا جائز ہو گا مولانا احمد رضا خاں لکھتے ہیں:۔

اذان خود دعا ہے بلکہ بہترین دعا ہے کہ وہ ذکر الٰہی ہے اور ہر ذکر الٰہی دعا۔ تو وہ دعا، سنت ثابتہ کی ایک فرد ہوئی [1]

دعا عربی میں بُلانے اور پکارنے کو کہتے ہیں۔ اللہ کے حضور جب ہم دعا کرتے ہیں تو اسے پکارتے ہیں۔ اذان میں اگر بلانا ہے تو مسلمانوں کو نہ کہ خدا کو —— حی علی الصلوٰۃ کی پکار مسلمانوں کے لیے ہے۔ خدا کو پکارنا اذان میں نہیں ہے۔ ذکرِ الٰہی بالواسطہ دعا ہے براہِ راست دعا نہیں ہے۔

اذان کو دعا بایں طور تو کہا جا سکتا ہے کہ اس میں مسلمانوں کو نماز کی طرف بلایا جاتا ہے لیکن یہ بایں طور دعا نہیں کہ اس میں خدا سے کچھ مانگا جا رہا ہو۔ دعا اذان کے بعد کرتے ہیں اذان کہنے والے بھی اور سننے والے بھی —— سو یہ دعا کا مقام اذان کے بعد ہے اور اس کے لیے دعا حدیث میں موجود ہے۔

مولانا احمد رضا خاں کا اذان کو دعا کہہ کر اذان عند القبر ثابت کرنا ایک دھکا زوری کے سوا کچھ نہیں —— معلوم نہیں ان لوگوں کے نزدیک دین اتنا یتیم کیوں ہو گیا ہے کہ جو بدعتی چاہے جب چاہے اس پہ بدعت کا ہاتھ رکھ دے۔ ہمارا خیال ہے کہ مولانا احمد رضا خاں جب یہ کچی بات لکھ رہے ہوں گے تو ان کا اپنا ضمیر بھی انہیں ضرور ملامت کر رہا ہو گا یہ اس لیے کہ وہ خود کہہ چکے ہیں:۔

اذان ...... یہ تو خالص ذکر بھی نہیں [2]

قبر کے پاس دعا میت کے لیے ہے اور یہ اللہ کے حضور ایک طلب اور استدعا ہے۔ اذان میں بلاوا زندہ مسلمانوں کے لیے ہے اور اس میں اللہ کے حضور کوئی طلب اور استدعا نہیں۔ وہ طلب بعد اذان دعا کی صورت میں کی جاتی ہے۔

---

[1] ایذان الاجر صفحہ [2] فتاوٰی رضویہ جلد ۲ صفحہ ۵۰۰

قبر پر اذان کہنے میں اہل بدعت کا اختلاف

جب یہ بدعت چلی تو اہل بدعت میت کو قبر میں اتارتے وقت اذان دیتے تھے۔ اہلسنت اس وقت بسم اللہ و علیٰ سنۃ رسول اللہ کہتے ہیں۔ اہل بدعت پھر اس سے بھی کچھ بدلے اور اذان اس وقت کہنے لگے جب میت دفن ہو جائے اور قبر بن جائے اور وہ یہ سمجھیں کہ اب قبر میں سوال و جواب ہو رہا ہے اور اب اذان سے میت کے دل کو مانوس کرنا مطلوب ہے۔

میت کے لیے اس وقت دعا کرنا تو احادیث سے ثابت ہے۔ لیکن اس وقت وہاں اذان کہنا یہ کسی روایت سے ثابت نہیں۔

فقہ کی کتاب دُررالبحار میں دفن کے بعد اذان ایک ہندی رسم بتایا گیا ہے اور اسے بدعت لکھا گیا ہے کہ یہ ہندوستان میں رائج ہوئی تھی۔

مغنی میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے ایک روایت ملتی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا۔

لا یزال المیت یسمع الاذان مالم یطین۔[1]

ترجمہ میت برابر اذان سنتی رہتی ہے جب تک قبر پہ مٹی نہ لیپ دی جائے۔

اس میں میت کے اذان سننے کا تو بیان ہے وہ یہ کہ میت قبر مکمل ہونے تک مسلسل اذان سنتی رہتی ہے۔ لیکن اذان دے کون رہا ہے؟ اس کا یہاں کوئی ذکر نہیں ہے اور ایسی مسلسل اذان کہاں سے آ رہی ہے جو قبر میں داخل کرنے سے لے کر اس آخری مرحلے تک برابر جاری رہے — کیا اذان اتنی لمبی ہے کہ اس وقت تک وہ جاری رہے؟ اتنی لمبی تو شیعوں کی اذان بھی نہیں ہوتی۔

تاہم اس روایت سے اتنا تو پتہ چلتا ہے کہ قبر مکمل ہونے کے بعد مردہ اذان نہیں سنتا۔ اب اس دور میں جو بریلوی دفن کے بعد اس خیال سے اذان دیتے ہیں کہ مرنے والا ان کلمات سے مانوس ہو۔ ان کا یہ خیال تو یکسر غلط ثابت ہوا۔ مُردہ دفن کے بعد آسے سُن ہی نہیں رہا۔ اس کی ضد اس حدیث

---

[1] غنیہ صفحہ ۵۹۹ وحاشیہ فتاوے بریلوی ص

میں بیان کر دی گئی۔

پھر اذان کا اتنا لمبا ہونا کہ قبر مکمل ہونے تک یہ مسلسل جاری رہے کسی طرح قابلِ فہم نہیں، بجز ایکہ اذان بمعنی آواز ہو اور اس سے اذان عرفی مراد نہ ہو اور مطلب اس روایت کا یہ ہو کہ میت اس وقت تک لوگوں کی آوازیں بلکہ ان کے چلنے سے جو جوتیوں کی آواز پیدا ہوتی ہے اسے بار بار سنتا رہتا ہے جب تک کہ قبر مکمل نہ ہو جائے اور میت کے ایسا سننے سے اہلحدیث حضرات کو بھی انکار نہیں ہے۔ ہفت روزہ الاعتصام کی ۱۸، اکتوبر ۱۹۹۱ء کی اشاعت میں دیکھیے۔

اللہ تعالیٰ تازہ دفنائے ہوئے مردے کو قدموں کی آہٹ سنوا دیتا ہے۔

حضراتِ اہلحدیث نے تازہ دفنائے ہوئے مردے میں اور پرانے مردے میں جو فرق کیا ہے وہ قرآن و حدیث میں تطبیق پیدا کرنے کے لیے کیا ہے۔ پھر تازہ مردے میں اور باسی مردے میں کیا فرق ہے اسے یہ اہلحدیث حضرات ہی بہتر بتا سکیں گے۔

اذان کے مختلف معانی

اذان عربی میں آواز اور اعلان کے معنی میں بھی آتا ہے۔ اس کے ایک معنی اجازت کے بھی ہیں قرآن کریم میں ایک مؤذن کی اذان یہ بتائی گئی ہے:۔

ثم اذن مؤذن ایتھا العیر انکم لسارقون۔ (پ ۱۳، یوسف ع ۹)

ترجمہ۔ پھر مؤذن نے آواز دی اے قافلہ والو تم تو البتہ چور ہو۔

ایک اور مقام پر فرمایا:۔

واذان من اللہ ورسولہ الی الناس یوم الحج الاکبر۔ (پ ۱۰، توبہ ع ۱)

ترجمہ۔ اور اعلان ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے لوگوں کو حج اکبر کے دن۔

سو یہاں اس روایت میں بھی (اگر یہ سنداً کہیں ثابت ہو) اذان سے مراد آواز ہے۔ اذان عرفی مراد ہوتی تو صحابہؓ کے عہد میں کہیں تو کسی قبر پہ اذان دی گئی ہوتی۔ جب ایسا نہیں تو یقیناً یہ کسی دوسرے معنی

میں ہے۔ ہاں اگر اذان عرفی ہی مراد لینی ہے تو یہ ان اذانوں کا سننا ہے جو اس علاقے کی مساجد میں ہو رہی ہوں یہ نہیں کہ وہ اذان اس قبرستان میں ہی ہو رہی ہو۔

مولانا احمد رضا خاں کا ایک اور اجتہاد

مولانا احمد رضا خاں کا چودہویں صدی کا ایک اور اجتہاد سنیئے۔ آپ فرماتے ہیں ،

قبر میں جب فرشتے آکر سوال کرتے ہیں تو شیطان بھی وہاں جاکر کھڑا ہوتا ہے۔ اب شیطان کو ہٹانے کے لیے اذان سے بہتر اور کوئی راہ نہیں۔ اس سوال نکیرین کے وقت باہر سے اذان کہنی مستحب ہے۔ (ملخصاً)

شیطان کی کارکردگی صرف اسی دنیا تک ہے۔ مرنے پر انسان عالم تکلیفی سے نکل جاتا ہے وہ جہاں اور ہے۔ اب اس قبر میں شیطان کی تلبیس مزاج شرع سے لگا نہیں کھاتی۔ پھر اگر شیطان کو دور ہٹانے کی یہی راہ ہے تو حضرات صحابہ کرامؓ تابعین عظام اور مجتہدین کرام نے یہ راہ کیوں اختیار نہ کی۔ شریعت کے مسائل ایسے قیاسات واہیہ سے تو ثابت نہیں ہوتے کہ شیطان کو بھگانے کے لیے قبرستان میں اذان شروع کر دو۔

سے سر خدا کہ زاہد و عابد کسے نہ گفت
در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید

خان صاحب کے اس چودہویں صدی کے اجتہاد پر لازم آئے گا کہ جہاں جہاں شیطان مسلمانوں کے پاس آپہنچتا ہو وہیں وہیں اذانیں شروع کر دی جائیں۔ لیجیے بریلوی حضرات یہاں بھی اس اصول پر چلیں اور وسیع پیمانے پر ان بدعات کا بھی آغاز کریں۔

① جب بیوی کے پاس جائیں اور اللہ تعالیٰ سے جنبنا الشیطان (اے اللہ ہمیں شیطان سے بچا) کی دعا کریں تو وہاں بھی کسی کو اذان دینے کے لیے کھڑا کر لیا کریں۔ کیونکہ شیطان اذان سے بھاگتا ہے۔ آپ اپنا کام کریں اور مؤذن اپنا کام کرے تا شیطان وہاں نہ رہے۔

(۲) قضاء حاجت کے وقت بھی شیطان آ سکتا ہے. حضرت زید بن ارقمؓ کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ان ھٰذہ الحشوش محتضرۃ.

ترجمہ. ان مقامات پر شیطان حاضر باش رہتے ہیں.

یہاں بھی بریلوی حضرات کو کچھ اذانوں کا انتظام کرنا چاہیئے. یہ انتظام بیت الخلاء میں کریں تاکہ شیطان بھاگ جائیں. ہر بیت الخلاء میں کسی نہ کسی مؤذن کا انتظام ہو.

(۳) گھروں میں ساری ساری رات اذانوں کا انتظام کریں تاکہ وہاں شیطان کسی کو خواب میں آلودہ نہ کر سکے. والحلم من الشیطان سے بچنے کی یہی راہ ہے.

(۴) کاروبار کی منڈیوں میں شیاطین اس تیزی اور باریکی میں گھومتے ہیں کہ وہ خطوط زمین پر شر بقاع الارض بنے ہوتے ہیں. سو بازاروں اور منڈیوں میں مؤذن مقرر کرنے چاہیئیں.

آپ غور فرمائیں کیا اس قسم کے دلائل پر شریعت کی عمارت تعمیر کی جا سکتی ہے؟ ہمارا دین اور ہماری فقہ کیا پہلے سے کتابوں میں مدون نہیں؟ بریلوی حضرات وہاں سے دین کو کیوں نہیں لاتے مولانا احمد رضا خاں کے دین و مذہب پر چلنا یہ کیسے سب سے بڑا فرض ہو گیا؟ خاں صاحب جیسے دو چار اور مجتہد اس دور میں پیدا ہو جاتے تو دین کا جو تھوڑا بہت نقشہ اب سامنے ہے یہ بھی کہیں باقی نہ رہتا.

(۱۰) قبر پر اذان کا یہ سلسلہ کب سے شروع ہوا ہے؟

یوں تو یہ صحیح ہے کہ قبر پر اذان کا یہ سلسلہ خیر القرون میں کہیں نہ تھا. اسلام کی پہلی سات صدیوں میں یہ اذان کہیں نہ سنی گئی تھی. البتہ آٹھویں صدی کے علامہ ابن حجر مکیؒ (۹۷۳ھ) نے اپنے فتاویٰ میں اسے بدعت لکھا ہے. اس سے پتہ چلتا ہے کہ صدی میں یہ بدعت رائج ہو چکی تھی.

علامہ شامیؒ (۱۲۵۳ھ) اپنے ہاں اسے میت کو قبر میں داخل کرنے کے وقت کا ایک عمل

بتاتے ہیں جو ان کے ہاں اس وقت رائج تھا۔ آپ امام ابن ہمامؒ کے بیان کردہ اصول (کہ قبروں پہ زیارت کے لیے جاؤ یا دعا کے لیے اور کسی کام کے لیے نہیں) کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وفی الاقتصار علی ما ذکر من الوارد اشارة الی انه لا یسن الاذان عند ادخال المیت فی قبره کما هو معتاد الآن وقد صرح ابن حجرؒ فی فتاواه بانه بدعة۔[1]

ترجمہ: قبروں پر جو کام شریعت میں وارد ہوئے انہی پر اقتصار کرنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ میت کو قبر میں داخل کرتے وقت جو اذان دی جاتی ہے یہ اوپر سے کہیں منقول نہیں اور علامہ ابن حجر نے اپنے فتاوے میں تصریح کی ہے کہ قبر پہ اذان دینا بدعت ہے (شریعت میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے)۔

فتح القدیر کی یہ عبارت کہ قبر پہ جو عمل سنت سے ثابت نہیں وہ مکروہ ہے بتلاتی ہے کہ یہاں سنت کے بعد مستحب یا مباح درجے کا کوئی عمل نہیں ہے۔ ورنہ محقق علی الاطلاق امام ابن ہمامؒ (۸۶۱ھ) اسے مکروہ علی الاطلاق نہ کہتے۔ علامہ شامیؒ کا فتح القدیر کی اس عبارت پہ یہ ارشاد کہ اس میں اشارہ ہے کہ میت کو قبر میں اتارتے وقت اذان دینا جیسا کہ آج کل رائج ہو چکا ہے ہرگز مسنون نہیں۔ اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ قبر پہ اذان دینا مطلقاً مکروہ ہے۔ مسنون نہ ہونے سے یہ نہ سمجھا جائے کہ شاید مستحب یا مباح کی راہ کھلی ہو۔ قبرستان میں اگر اذان جائز ہوتی تو خود نماز جنازہ کے لیے اذان کیوں نہ ہوتی۔

لا یسن الاذان عند ادخال المیت فی قبره ـــــ میں استحباب اور اباحت ہر ایک کی نفی ہے۔ سنت کے سوا یہاں پہ عمل جو بھی اس کے نیچے تصور کیا جا سکتا ہے مکروہ ہے۔

سو متن درمختار کی یہ عبارت لا یسن لغیرها (کہ فرض نمازوں کے سوا اذان کہیں مسنون نہیں) فتح القدیر کی اس عبارت کی روشنی میں پڑھی جائے گی کہ اذان جہاں سنت میں منقول نہیں، وہاں اذان دینا مکروہ ہے۔ سو اذان علی القبر کا کوئی جواز نہیں۔

---

[1] رد المحتار جلد ۱ صـ ۶۵۹

علامہ طحطاوی نے شرح درمختار میں علامہ ابن نجیمؒ (۹۶۹ھ) سے ان مقامات کی ایک فہرست نقل کی ہے جہاں اذان دینا مسنون نہیں (مکروہ ہے) اور وہ یہ ہے :-

الوتر والجنازۃ والکسوف والاستسقاء والتراویح والسنن والرواتب[1]

ترجمہ۔ وتر کے لیے (جب وہ رات کے پچھلے پہر پڑھے جائیں) جنازہ کے لیے چاند گرہن کے موقعہ پہ۔ بارش طلبی کی دعامیں۔ تراویح میں اور سنن رواتب میں اذان ہرگز مسنون نہیں (مکروہ ہے)۔

نماز جنازہ کے وقت اذان ہو یا قبر میں اتارتے وقت یا دفن کرنے کے بعد جنازہ کے لیے کسی موقع پہ اذان دینا جائز نہیں علماء اصول نے تصریح کی ہے کہ قبر پہ جو عمل سنت سے ثابت نہیں وہ وہاں مکروہ ہے ہاں مولویوں کو اپنی اہمیت جتلانی پیشِ نظر ہو تو یہ امر دیگر ہے۔

علامہ طحطاویؒ لکھتے ہیں :-

وفی فتح القدیر یکرہ عند القبر کل مالم یعہد من السنۃ والمعہود منہا لیس الازیارتہا والدعاء عندھا قائماً کما کان یفعل صلی اللہ علیہ وسلم فی الخروج الی البقیع[2]

ترجمہ۔ حافظ ابن ہمامؒ لکھتے ہیں قبر کے پاس ہر وہ عمل مکروہ (قریب بحرام) ہے جو سنت سے منقول نہ ہو اور منقول صرف زیارت ہے اور وہیں کھڑے کھڑے دعا جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جنت البقیع میں کیا کرتے تھے۔

مولویوں کے لیے ایک اور کام پیدا کرنے کی نیکی

بریلوی علماء اپنے حلقوں میں ایک یہ تاثر بھی دیتے ہیں کہ ایسے وقت میں جب لوگ علماء سے تقریباً فارغ ہوتے جا رہے ہیں اور سوائے نکاح اور جنازہ کے یا مسجد کی اذان اور امامت کے ان کی

---

[1] طحطاوی علی الدر المختار جلد ا صفحہ ۱۸۵ [2] ایضاً صفحہ ۲۸۳ نقلاً من البحر

ضرورت اور کہیں نہیں سمجھی جاتی تو اگر قبر پہ اذان دینے اور ختموں وغیرہ کو بھی اسلام میں جگہ دینے کی یہ کوشش کی جائے تو اس اذان عندالقبر سے عام لوگوں کی نگاہوں میں مولویوں کے لیے ایک اور ضرورت پیدا ہو جائے گی جسے اس وقت کے صدمہ میں کوئی نظر انداز نہ کر سکے گا۔ سو یہ حلقہ علماء سے ایک نیکی ہے اور ان کی اس موقع پہ ضرورت ثابت کرتے ہوئے ان مؤذنوں کے لیے ایک مالی امداد بھی ہے اور مسلمان ایک دوسرے کی جس طرح بھی بن پڑے مدد کریں گے اور میت سامنے ہوگی تو کوئی مسلمان اس اذان عندالقبر کا انکار نہ کر سکے گا۔

اس وقت اس مسئلہ کی اور تفصیل کی گنجائش نہیں۔ حضرت مولانا محمد منظور نعمانی نے امعان النظر کے نام سے مولانا احمد رضا خاں کے رسالہ ایذان الاجر فی صلوۃ القبر کا نہایت مفصل اور مدلل جواب لکھا ہے اسے دیکھ لیا جائے۔ دونوں کا تقابلی مطالعہ کرنے سے دونوں کی علمی حیثیت آپ کے سامنے آجائے گی اور آپ معلوم کر لیں گے کہ اعلیحضرت بس اپنے حلقے کے ہی اعلیحضرت ہیں۔

(۱۱)

گیارہویں شریف

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد:

کسی مسئلہ کے جائز یا ناجائز ہونے کا فیصلہ دینے سے پہلے یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ اس مسئلے کی عملی صورت کیا ہے اور جس طرح اسلام میں اعمال کے پیچھے عقائد کا پس منظر ہوتا ہے۔ اس گیارہویں کے پیچھے کون سے عقائد کارفرما ہیں۔ گیارہویں کا فیصلہ اس کے پس پشت پہ لبسنے والے عقائد کے پیش نظر اس کی عملی صورت پہ دیا جائے گا ـــــ اور عملی صورت سے مراد کسی خاص فرد یا خاص مسجد میں دی جانے والی گیارہویں نہیں۔ اس میں عامۃ الناس کے عمل و دخل کو دیکھا جائے گا جو مسئلہ عام طور پہ رائج ہو اس میں عوام کا اعتبار ہونا چاہیئے نہ چند خواص کا جو ظاہر طور پہ اس کی حدود و ممنوعہ کا کسی درجے میں سد باب کر دیتے ہیں۔

علماء کو چاہیئے کہ ایسے مسائل میں وہ عوامی ذہن اور عمل کا لحاظ کریں۔ اپنی فقہی موشگافیوں سے عوام کو بدعات میں نہ لے جائیں۔ عوام کے مبلغ علم ان کی سوچ اور فکر اور ان کے عقیدہ و عمل کو سامنے رکھیں۔ علماء کرام اپنی مقتدا حیثیت میں عوام کے حالات کو جاننے اور سمجھنے اور ان کے مطابق انہیں گمراہی سے نکالنے یا اس میں دھکیلنے کے ذمہ دار ہیں۔ محض اپنے فائدے یا آئے دن پکے پکائے کھانے ملنے کی سہولت میں اپنی اور اپنے مقتدیوں کی آخرت کو برباد کرنا یہ کوئی ایسی چھوٹی غلطی نہیں ہے کہ آپ سے آخرت میں اس کے بارے میں کوئی سوال نہ ہو۔ ؎

تو ادھر اُدھر کی بات نہ کر   تو بتا لٹا کہاں قافلہ
مجھے راہزنوں سے گلہ نہیں   تری راہبری کا سوال ہے

سو گیارہویں کے موضوع پر اس کے اعتقادی پس منظر عملی صورت حال اور عرفی پیرایہ عمل ہی وہ امور ہیں جن کے جانے بغیر اس کے جائز یا ناجائز ہونے کا فیصلہ دینا جلد بازی ہوگی۔ اس کی شرعی

حیثیت چوتھے درجہ میں زیر بحث آنی چاہیئے. بلکہ ان چاروں سے پہلے ان کا تاریخی منظر بھی سامنے ہونا چاہیئے.

ہم ان شاء اللہ العزیز ان پانچ امور پر ترتیب سے گفتگو کریں گے۔ واللہ ھو الموفق لما یحبہ و یرضیٰ بہ. اب اس کی شرعی حیثیت پانچویں نمبر پہ آئے گی اور اس میں یہ بات بھی سامنے آئے گی کہ اس میں اور کتنی بدعات لپٹی ہوئی ہیں اور اس کی نسبت حضرت الشیخ سید عبدالقادر جیلانیؒ کی طرف کرنا اور اسے (گیارہویں شریف کر) ان کے ذمے لگانا کتنا بڑا ظلم اور ظلم بالائے ظلم ہے.

گیارہویں کا تاریخی پس منظر

سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ (۵۶۱ھ) چھٹی صدی میں ہوتے ہیں. ظاہر ہے کہ اس سے پہلے (اسلام کی پہلی پانچ صدیوں میں) حضرت سرکار بغداد کے نام ایصال ثواب کی یہ رسم یا تقریب کہیں نہ تھی. اب آپ کے بعد یہ کب جاری ہوئی. اس کی تاریخی تحقیق نہایت ضروری ہے. دسویں صدی کے مجدد حضرت ملا علی قاریؒ (۱۰۱۴ھ) گیارہویں صدی کے مجدد حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ (۱۰۳۵ھ) پھر آپ کے معاصر حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (۱۰۵۲ھ) بلکہ ان سے آگے آنے والے عمدہ مشائخ نقشبندیہ حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ (۱۲۲۵ھ) اور خاتم المحدثین حضرت شاہ عبدالعزیزؒ محدث دہلوی (۱۲۳۹ھ) ان بزرگوں میں سے کوئی بزرگ اس کا ذکر نہیں کرتا — اس سے پتہ چلتا ہے کہ تیرہویں صدی کے نصف اول تک اہل السنۃ والجماعۃ میں گیارہویں کے نام سے کوئی دینی تقریب یا مذہبی رسم قائم نہ ہوئی تھی.

ہندوستان سے باہر عراق (جہاں حضرت سرکار بغداد شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا مزار ہے) اور مصر و شام بلکہ ملائشیا اور انڈونیشیا تک کہیں یہ بات نہیں ملتی کہ کسی مسجد یا مدرسہ یا کسی قبرستان میں کوئی تقریب اس نام سے کی گئی ہو اگر کوئی دوست اس پہ کوئی مستند حوالہ پیش کر دے تو ہم اس کے بہت ممنون ہوں گے.

گیارہویں کو تاریخی استناد دینے کے لیے بریلوی علماء کی پہلی کوشش

قصور کے مولانا محمد شریف نوری چودہویں صدی کے پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے گیارہویں کو تاریخی استناد مہیا کرنے کی کوشش کی ہے۔ آپ نے گیارہویں شریف کے نام سے ایک رسالہ لکھا ہے۔ آپ اس میں لکھتے ہیں:۔

حضرت مولانا عبدالحکیم سیالکوٹیؒ (۱۰۶۷ھ) عہد شاہجہاں میں ہوئے ہیں۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ (۱۲۳۹ھ) کے والد حضرت شاہ ولی اللہؒ اورنگ زیبؒ کی وفات سے چار سال پہلے پیدا ہوئے۔ اب حضرت مولانا عبدالحکیم سیالکوٹیؒ کو حضرت شاہ عبدالعزیزؒ سے جوڑنا بریلوی مفتیوں کا ہی کام ہوسکتا ہے ہم جیسے کمزور تو اس کی جرأت نہیں کر سکتے۔

بریلوی علماء کے عوامی مغالطے

قرآن و حدیث میں جہاں کہیں گیارہ کا لفظ آجائے بریلوی علماء پکار اٹھتے ہیں لیجئے گیارہویں ثابت ہوگئی۔ مولانا محمد عمر اچھروی قرآن کی اس آیت سے گیارہویں ثابت کرتے تھے جس میں ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے گیارہ ستاروں کو خواب میں سجدہ کرتے دیکھا۔ مولانا عبدالغفور ہزاروی والفجر ولیال عشر (قسم ہے فجر کی اور دس راتوں کی) سے گیارہ کا مجموعہ بناتے تھے۔

بریلوی عوام اپنے ان اکابر کے ان دلائل پر اب تک ناز کرتے ہیں کہ دیکھا گیارہویں قرآن کریم سے ثابت ہوئی یا نہ؛ حالانکہ وہ خود جانتے ہوتے ہیں کہ ان آیات کے نزول کے وقت حضرت سید

لہ

شیخ عبدالقادر جیلانی پیدا نہ ہوئے تھے۔ نہ کسی نے ان دنوں ان آیات پر گیارہویں شریف کا عمل کیا تھا ـــــ پھر جب یہ حدیث سے اپنا مسئلہ ثابت کرنے پر آتے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور عشرہ مبشرہ کے دس صحابہؓ کو ملا کر گیارہویں ثابت کرتے ہیں۔

گیارہویں تو گیارہ کا نام نہیں نہ یہ گیارہ کے مجموعے کا نام ہے۔ گیارہواں یا گیارہویں ایک تاریخ کا نام ہے۔ یہ گیارہ دنوں یا گیارہ راتوں یا گیارہ افراد کا نام نہیں۔ جس طرح دوسرا تیسرا چوتھا اور پانچواں ایک ایک فرد کا نام ہے۔ گیارہواں یا گیارہویں ایک عدد ہے اور وہ عدد ترتیبی ہے حضرت یوسف علیہ السلام کو خواب میں گیارہ ستاروں نے سجدہ کیا تھا۔ (ایک) گیارہویں ستارے نے نہیں والفجر ولیال عشر میں بھی دس راتوں کا ذکر ہے دسویں ایک رات کا نہیں۔ عشرہ مبشرہ بھی دس اصحاب تھے ایک نہیں کہ اس کی وجہ سے چاند کی گیارہ تاریخ کو متبرک بنا دیا جائے۔

پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر یہ گیارہویں چلی کہاں سے ہے اور ہندوستان میں انگریز کی آمد سے پہلے کیا کبھی گیارہویں کا عمل کسی جگہ ہوا تھا ـــــ ہم تو اس کی تلاش کرتے کرتے تھک گئے۔ مگر افسوس کہ ہمارے بریلوی دوستوں نے بھی اس سلسلہ میں ہماری کوئی مدد نہیں کی اور اس باب میں کوئی مستند حوالہ ہمیں نہیں دکھا سکے۔

ہندوستان میں محدثین دہلی (حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ) کے خلاف اُٹھنے والے پہلے بزرگ مولانا فضل رسول بدایونی ہیں۔ آپ اپنے ہم ذوق احباب و تلامذہ کو جمع کر کے ایک مجلس کیا کرتے تھے جس میں وہ ان محدثین دہلی کے خلاف دل کی بھڑاس نکالا کرتے تھے اس کے لیے آپ کو روزانہ گیارہ روپے ملتے تھے۔ مورخ اسلام جناب محمد یعقوب قادری آپ کے بارے میں لکھتے ہیں:

> اس بڑھتی ہوئی ہمت اور چڑھتے ہوئے ولولے نے خیال پیدا کیا کہ کسی جگہ کوئی ایسا تعلق اختیار کیا جائے جو معاش کی جانب سے فارغ البالی ہو آخر اس جستجو پر بہ ارادہ ریاست گوالیار گھر سے قصد سفر کیا۔[1]

---

[1] اکمل التاریخ جلد ۲ ص ۳۸

ایک اور جگہ پر لکھتے ہیں :-

> حکامِ وقت نے قدردانی اور مرتبہ شناسی کے دستِ طلب بڑھانا شروع کر دیئے اور آپ کی خدمات کو سرکاری کاموں کی انجام وہی کے لیے مانگنا چاہا۔[1]

اس وقت اس سے ہمیں بحث نہیں کہ وہ سرکاری کام کیا تھے ؛ اس وقت ہم صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ وہاں کے نواب محی الدولہ نے ان کی راہ معاش قائم کرادی. جناب یعقوب قادری صاحب آپ کی سرکاری خدمات کی یہ تنخواہ بیان کرتے تھے :-

> اس وقت سے یہ روپیہ اب تک گیارہ روپے روزانہ کے حساب سے ریاست فرخ نہاد سے برابر جاری ہے جس کی تعداد سرکاری سکّہ سے دو سو ساٹھ روپے ماہوار کے قریب ہوئی۔[2]

یہ گیارہ روپے روزانہ صرف مولانا فضل رسول بدایونی (۱۳۳۱ م) کے ہاں ہی متبرک نہ تھے، مولانا احمد رضا خاں بھی گیارہ روپے کے اس تبرک کے قائل تھے. آپ نے جب مولانا کچھوچھوی کو اپنے ہاں افتاء کے لیے بُلایا تو آپ نے اسی رقم سے نیک فال لی. مولانا کچھوچھوی مولانا احمد رضا خاں کے بارے میں لکھتے ہیں :-

> مجھے کارِ افتاء پہ لگانے سے پہلے خود گیارہ روپے کی شیرینی منگائی اپنے پلنگ پر مجھے بٹھا کر۔[3]

اپنے پلنگ پر کیوں بٹھایا؟ یہ اس لیے کہ مولانا احمد رضا خاں کو بھی تو نواب رامپور نے اپنے خاص پلنگ پر بٹھایا تھا. رامپور کے نواب کلب علی خاں شیعہ حلقوں میں اس پہلو سے بہت معروف تھے.

> انہیں ایک ایسے طالب علم سے ملنے کا اشتیاق ہوا جس نے چودہ سال کی عمر میں درسیات سے فراغت حاصل کر لی ہو. جب حضرت (مولانا احمد رضا خاں) نواب صاحب کے پاس پہنچے تو انہوں نے خاص پلنگ پر بٹھایا اور بہت لطف و کرم سے باتیں کرتے رہے۔[4]

---

[1] اکمل التاریخ جلد ۲ ص ۱۵ [2] ایضاً [3] رسالہ ضیائے حرم ۸۳ ماہ اوّل ص ۱۵ [4] المیزان امام احمد رضا نمبر ص ۳۳۲

نواب صاحب کا چودہ سال کی عمر کا انتخاب پھر اپنے خاص پلنگ پر لے جانا اور لطف ومحبت کی باتیں کرنا یہ اس وقت زیر بحث نہیں دونوں خان تھے۔ ہم یہاں صرف گیارہ روپے کے متبرک روزینہ کی بات کر رہے ہیں کہ مولانا فضل رسول بدایونی کو سرکار سے یہ جو تنخواہ ملتی تھی مولانا احمد رضا خاں نے بھی اس عدد متبرک کو یاد رکھا۔ اب ان گیارہ روپوں سے جو مجلس ہوتی تھی اس کا نام گیارہویں کی مجلس ہو گیا۔ ہندوستان میں یہ گیارہویں شریف کی تاریخ ہے۔

انگریزی عملداری میں گیارہویں کی یہ مجلس جس طرح گیارہ روپے کی انگریزی تنخواہ سے چلی اسے انگریزوں کے مخالف حلقوں میں کچھ پذیرائی حاصل نہ ہو سکی۔

جنگ عظیم اول انگریزوں اور جرمنوں میں لڑی جا رہی تھی ترک جرمنوں کے حلیف تھے اور روس انگریزوں کے ساتھ تھا۔ ہندوستان میں بریلوی شریف تک کے قصیدے پڑھ رہے تھے اور علماء دیوبند کی ہمدردیاں ترکوں کے ساتھ تھیں ظاہر ہے کہ ان حالات میں جرمن انگریزوں اور ان کے تمام حلیفوں کے سخت خلاف تھے۔

جرمنوں نے دیکھا کہ بریلوی مولوی گیارہویں شریف کے عنوان سے بریلوی حمایت کی صفیں بچھا رہے ہیں۔ انہوں نے انہیں محفل دیوانگان مشہور کر دیا اور اب تک یہ محفل دیوانگاں جرمنی میں بڑے احترام سے منائی جاتی ہے۔

نوائے وقت لاہور نے اپنی ۱۸ر دسمبر ۱۹۹۱ء کی اشاعت میں ۱۱ر دسمبر کی یہ خبر صفحہ ۳ پر اس عنوان سے شائع کی۔

پاگلوں کی عید لیکن مذاق اڑانا منع ہے

واشنگٹن (انٹرنیشنل ڈیسک) جرمنی میں گیارہویں مہینے کی گیارہ تاریخ کو رات گیارہ بجکر گیارہ منٹ پر پاگلوں کی عید منائی گئی تقریب کے شرکاء کو اختیار تھا کہ وہ جو چاہیں پہنیں اور جو جی میں آئے کر گزریں۔ شرکاء نے عجیب وغریب لباس پہن رکھے تھے اور اوٹ پٹانگ حرکتیں کر رہے تھے۔ میلے میں شریک ہونے کے قواعد کی رو سے ایک دوسرے پر ہنسنا اور مذاق اڑانا منع تھا۔

نوائے وقت نے اپنی ۱۴ نومبر کی اشاعت میں سرا ہے میں یہ بھی لکھا ہے۔

جرمنی میں ہر سال گیارہویں مہینے یعنی نومبر کی گیارہ تاریخ کو گیارہ بجکر گیارہ منٹ پر پاگلوں کی عید منائی جاتی ہے۔ چنانچہ امسال بھی گیارہ نومبر کو پاگل عید کا تہوار منایا گیا۔ اس تقریب میں شرکا کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ جیسا لباس چاہیں پہنیں اور جیسی حرکتیں چاہیں کریں چنانچہ لوگ عجیب و غریب لباس پہن کر اس تقریب میں شریک ہوئے جنہیں دیکھ کر ہنسی منبط کرنا مشکل تھا......

جرمنی میں تو یہ عید سال کے بعد منائی جاتی ہے مگر پاکستان میں ہر ماہ یہ سلسلہ چلتا ہے جرمنی میں پاگلوں کی اس عید میں دیگوں کی کوئی چہل پہل نہیں ہوتی لیکن ہمارے ہاں اس میں منہ کا مزا بدلنے کا پورا سامان ہوتا ہے۔ نوائے وقت کے سپورٹس ایڈیشن میں اس خبر کے ساتھ یہ تصریح بھی موجود ہے۔

ہمارے ہاں بھی اس قسم کے میلے منعقد ہوتے رہتے ہیں بلکہ جرمنی کے برعکس ہمارے ہاں سال بھر پاگل میلے کا سا سماں جاری رہتا ہے اور منہ کا مزہ بدلنے کے لیے ہم کبھی ایک آدھ روز سنجیدگی سے کام لیتے ہیں۔

ہمیں اس وقت اس سے بحث نہیں کہ گیارہویں شریف پر جمع ہونے والے لکھنؤ کے یہ بانکے سب ہوشمند بزرگ ہیں یا یہ واقعی اپنے فکری اور علمی حواس کھو چکے ہیں ہمیں اس کی تاریخ اس سے پہلے کی نہیں ملتی۔ جب انگریزی سرکار کی طرف سے اس کے لیے مولانا فضل رسول بدایونی کو گیارہ روپے یومیہ وظیفہ ملتا تھا۔

یاد رکھیئے گیارہویں شریف کی اس رسم یا پاگلوں کی اس عید کا سیدنا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے کوئی تعلق نہیں۔ ان کے ایصال ثواب کے لیے بدعات کی آلائش کے بغیر جو کار خیر سرانجام پائیں اس کا تقدس پاگلوں کی ان محفلوں سے ہرگز مجروح نہیں ہوتا۔ منہ کا مزہ بدلنے کے لیے ان کے کھانے پینے کے سامان اور خوشبو سے مہکتی دیگیں ہی تو وہ سامان جذب ہے جس پہ ہر طرف سے جہلا کھچے چلے آتے ہیں۔

ہر منوں کو ایک طرف رکھئے صرف مسلمانوں کو لیجئے ان کے عوام جس حسن عقیدت سے ان دیگوں اور حلووں کے جلووں پر ایمان قربان کرتے ہیں وہ بھی اپنی مثال آپ ہے۔ ان کے علماء تو تاویل کر کے اپنے نکلنے کی راہ بنا لیتے ہیں۔ لیکن زبوں حالی ان عوام کی قابلِ رحم ہے جو بھینس کا پورا دودھ اس راہ میں لگا دیتے ہیں۔ مبادا گیارہویں والے پیر صاحب ہماری بھینس مار نہ دیں یا اس کا دودھ خشک نہ کر دیں۔

مسئلہ گیارہویں میں عوام و خواص کے دو مسلک

جہاں تک عوام کا تعلق ہے یہ ایک مشاہدے کا موضوع ہے اس پر کتابی حوالے کی بات نہیں چلتی۔ وہ اپنی بات کتابوں میں لکھیں تو عوام ہی کیا ہوئے۔ اس اہلیت کے لوگ تو پھر ان کے خواص میں بیٹھیں گے سو اس باب میں آپ ان عوام کے عمل اور ان کے انہماک کو دیکھیں۔

گیارہویں دینے والے عوام میں آپ کو ایک بڑی تعداد ان لوگوں کی ملے گی جو باقاعدگی سے نہ نماز پڑھتے ہیں نہ زکوٰۃ دیتے ہیں اور نہ وہ ایصالِ ثواب کے مسئلہ کو سمجھتے ہیں۔ وہ گیارہویں حضرت پیر صاحب کا تقرب حاصل کرنے کے لیے اور انہیں خوش کرنے کے لیے دیتے ہیں۔ جو گیارہویں نہیں دیتا اسے وہ برملا کہتے ہیں کہ وہ گیارہویں والے پیر صاحب کو مانتا ہی نہیں۔ گویا گیارہویں دینا حضرت پیر صاحب کے حضور ان کی پیروی کو ماننے کا اقرار ہے۔

اہلِ علم غور فرمائیں۔ کیا یہ نذر لغیر اللہ نہ ہوئی؟ کیا ان جاہلوں کا یہ عقیدہ نہ ٹھہرا کہ اگر ہم گیارہویں نہ دیں گے ہماری بھینس مر جائے گی۔ نہ بھی مرے تو پیر صاحب کم از کم اس کا دودھ تو ضرور کم کر دیں گے اور یہ کہ حضرت پیر صاحب متصرف فی الامور ہیں۔ دنیا کا نظام وہی چلا رہے ہیں۔

ہماری لاج کس کے ہاتھ ہے بغداد والے کے
بلائیں ٹال دینا کام کس کا غوث اعظم کا
تحکمی نافذ فی کل حال سے ہوا ظاہر
تصرف انس و جن سب پہ ہے آقا غوث اعظم کا[1]

---

[1] ماہنامہ رضائے مصطفےٰ گوجرانوالہ مئی ۱۹۷۳ء

اس عقیدے سے کہ حضرت پوری دنیا میں متصرف الامور ہیں بلائیں وارد کرنا اور ٹالنا سب انہیں کے ہاتھ میں گیارہویں شریف کا ختم محض ایک ایصالِ ثواب کا عمل نہیں رہ جاتا. حضرت پیر صاحب کے حضور ایک نذر ہے ایک نیاز ہے اور حضرت کو اپنے اوپر خوش کرنے کی ایک عاجزانہ صدا ہے.

اب یہ مسئلہ تو فقہا سے پوچھیں کہ کیا اللہ کے سوا کسی کی نذر ماننا جائز ہے؟ اگر آپ حنفی ہیں تو فقہ حنفی کی اس صراحت کو دیکھ لیں :-

والنذر للمخلوق لا یجوز لانہ عبادۃ والعبادۃ لا تکون للمخلوق.[1]

ترجمہ. اور مخلوق کی نذر ماننا جائز نہیں کیونکہ نذر عبادت ہے اور عبادت مخلوق کی روا نہیں.

اور آگے جا کر علامہ شامی یہ بھی لکھتے ہیں :-

ان ظن ان المیت یتصرف فی الامور دون اللہ تعالیٰ واعتقادہ ذالک کفر.[2]

ترجمہ. اگر اس نے گمان کیا کہ مرحوم بزرگ دنیوی امور میں تصرف کرتے ہیں اور اس کا اعتقاد یہی ہے تو اس نے کفر کیا.

فقہ حنفی کے اس فیصلے کے خلاف بریلویوں کا یہ اعلان ایک دفعہ پھر پڑھ لیں. مولانا احمد رضا خاں صاحب لکھتے ہیں :-

ان کا حکم جہاں میں نافذ   قبضہ کل رکھاتے یہ ہیں
قادرِ کل کے نائب اکبر   کن کا رنگ دکھاتے یہ ہیں[3]

جہاں تک تصرف کا تعلق ہے ان کا تصوف بدوں اعتقاد تصرف ہے ہی نہیں اور اس کے بغیر یہ چل ہی نہیں سکتے. یہ اعتقاد و تصرف ہی ہے جو انہیں خانقاہوں اور مقبروں پر جمع کئے رکھتا ہے.

---

[1] رد المحتار جلد ۲ صد ۱۳۱ [2] ایضاً [3] حدائق بخشش حصہ ۲ صد ۵۲

ہ ذی تصرف بھی ہے ماذون بھی مختار بھی ہے
کار عالم کا مدبّر بھی ہے عبد القادر رضی اللہ

اب اگر ماہنامہ رضائے مصطفےٰ نے یہ کہہ دیا تو یہ مولانا احمد رضا خاں کی کہی بات ہی کی صدائے بازگشت ہے۔

ہ حکمی نافذ فی کل حالٍ سے ہوا نافذ
تصرف انس و جان سب پہ ہے آقا غوث اعظم کا

اس عربی کا مطلب یہ ہے کہ حضرت شیخ نے فرمایا ہے :۔
سو میرا حکم ہر حال میں نافذ ہے کون ہے جو میرے تصرف کو روک سکے۔

عوام حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ کو اس طرح مدبر عالم اور متصرف فی الامور سمجھتے ہوئے ان کی گیارہویں دیتے ہیں اور اعتقاد کے اس پس منظر کے ساتھ یہ صریحاً نذر لغیر اللہ ہے جو شرک کی سرحد کو چھو رہی ہے۔

پھر تاریخ کا تعین عوام کے ہاں واجبات میں سے ہے دن کو ختم ہو تو گیارہ تاریخ کو یہ گیارہ بجے ختم دلائیں گے۔ رات کو ہو تو یہ رات گیارہ بجے ختم شروع کریں گے اور گیارہ بجکر گیارہ منٹ پر اسے ختم کریں گے۔ خواص کے کھانے کی مجلس میں پہلے گیارہ پلیٹیں رکھی جائیں گی اور پھر گیارہ قسم کے کھانے بڑی گیارہویں شریف کے موقع پر زیب دستر خواں ہوں گے۔ عوام اسے گیارہ کے تصور میں اتنے کھو چکے ہیں کہ بسا اوقات ان کے علماء بھی ان کی اس گیارہ پرستی سے تنگ آ جاتے ہیں جب تک کھانا سامنے نہ لا کر رکھیں۔ ختم خواں کا گلا بھی پورا کام نہیں کرتا۔

یہ بات بریلوی عوام کی ہو رہی تھی۔ اب بریلوی خواص کی بات سن لیں انہیں اپنے ان اعمال بدعت پر کوئی دلیل نہیں ملتی۔ تو وہ صاف اقرار کرتے ہیں کہ اسلام میں یہ کوئی ضروری عمل نہیں ہے۔

مولانا ابوالبرکات کے صاحبزادے مولانا محمود احمد رضوی تھے اپنے والد کی زندگی میں گیارہویں

کے بارے میں اعلان کیا تھا:۔

نہ ہم فرض سمجھتے ہیں نہ واجب بلکہ جواز کے درجہ میں رکھتے ہیں[1]۔ جو شخص حضور غوث اعظم کی روح مبارک کو ایصالِ ثواب نہیں کرتا اس پر ہم کوئی حکم نہیں لگاتے کیونکہ مباح فعل کو واجب یا فرض کر دینا گمراہی ہے[2]۔

پھر آگے جا کر لکھتے ہیں:۔

۱۔ دن معین کرنا بھی ہمارے ہاں ضروری نہیں۔ ۲۔ کھانا سامنے رکھا جائے یا پیٹھ کے پیچھے رکھ لیا جائے۔ ۳۔ غرباء میں کھانا وغیرہ تقسیم کر کے ثواب پہنچایا جائے۔ ۴۔ یا قرآن پڑھ کر ہر طرح جائز ہے[3]۔

جب دن معین کرنا ضروری نہیں تو ان کے علماء جو گیارہ تاریخ کے افضل ہونے پر یا گیارہ کے عدد کے متبرک ہونے پر تقریریں کرتے ہیں۔ کیا وہ سب کی سب بیکار نہ ہو گئیں۔

ہاں مولانا نے کھانا پیٹھ کے پیچھے رکھنے کی جو صورت بیان کی ہے۔ یہ ہمیں سمجھ میں نہیں آتی۔ مولانا کھانا پیٹھ کے پیچھے رکھ کر کیسے کھاتے ہوں گے۔ یہ تو بڑا مشکل کام ہے اور کیا یہ کھانے کی صریح بے ادبی نہیں۔ کھانا ہمیشہ سامنے رکھ کر ہی کھانا چاہیئے اور یہی سنت ہے۔

مولانا نے ۳ میں یہ بھی تسلیم کیا ہے کہ ختم پڑھنا کھانا کھلانے سے پہلے ضروری نہیں کھانا کھلا کر بھی ایصالِ ثواب کی نیت کی جا سکتی ہے ۔۔۔ کھانا نہ ہو تو صرف قرآن کریم کا بھی ایصالِ ثواب کیا جا

---

[1] یعنی ثواب کے درجہ میں نہیں۔ اگر کوئی کہے کہ ٹرین سے سفر کرنا جائز ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اس سے ثواب ملے گا۔ جن کاموں پر ثواب ملے ان کا کم از کم درجہ مستحب کا ہے یہ مستحب ایک شرعی حکم ہے جس کی دلیل شریعت سے لانی پڑتی ہے۔ اس سے بچنے کے لیے رضوی صاحب یہاں مباح کا لفظ استعمال کرتے ہیں شریعت میں مباح اسے کہتے ہیں جس کے کرنے پر کوئی مواخذہ نہ ہو نہ یہ کہ کوئی اسے کارِ ثواب سمجھے)۔ [2] ماہنامہ رضوان لاہور ستمبر ۱۹۵۶ء ایڈیٹر مولانا محمود احمد رضوی۔

[3] ایضاً شمارہ ۴ ستمبر ۱۹۵۶ء

سکتا ہے۔ گیارہویں کے بارے میں یہ ان کے خواص کی رائے ہے۔

اس تفصیل سے پتہ چلتا ہے کہ بریلویوں کے ہاں مسئلہ گیارہویں پہ بالکل دو متضاد ذہن کام کر رہے ہیں۔ ایک ان کے عوام کا اور ایک ان کے خواص کا — یہ خواص جب اپنے عوام میں جاتے ہیں تو ان کے ساتھ ہو جاتے ہیں اور جب ہمارے سامنے آتے ہیں تو صاف لفظوں میں اقرار کرتے ہیں کہ یہ نہ واجب ہے نہ سنت نہ مستحب نہ گیارہ تاریخ کی کوئی تخصیص ہے نہ گیارہ بجے کی اور نہ کھانا سامنے رکھ کر ختم پڑھنے کی۔

کیا ہم اس مقام پر پوچھ سکتے ہیں کہ گیارہویں کے موضوع پر مسجدوں میں جو آئے دن سر پھٹول ہوتی رہتی ہے کیا وہ اتنے کمزور موضوع کی بات ہے جو مستحب یا مباح سے کچھ آگے نہیں بڑھتا اور اگر اس اختلاف کو ختم کرنے کے لیے یہ چھوٹے درجے کے اعمال یکسر چھوڑ دیئے جائیں تو اس میں کون سا آسمان ٹوٹ پڑے گا۔ بریلویوں کو چاہیئے کہ وہ ایسے چھوٹے درجے کے اختلافات کو جو مستحب یا مباح کے آگے کسی درجے میں نہ ہوں یکسر چھوڑ دیں۔

بریلویوں کے مولانا محمود احمد رضوی نے جس طرح کھل کر بات کہی ہے کہ مسلمانوں کے لیے گیارہویں شریف کوئی ضروری عمل نہیں صرف مباح کے درجے کا ہے۔ اس طرح جمعیت علمائے پاکستان کے متعدد رہنما شاہ فرید الحق نے بھی مسلمانوں کے باہمی اتحاد کے لیے ایک بہت اچھی بات کہی ہے۔ روزنامہ جنگ راولپنڈی نے اپنی ۲۷ اکتوبر ۱۹۹۱ء کی اشاعت میں آپ کے اس بیان کو نمایاں طور پر شائع کیا ہے:۔

جو چیزیں فرائض اور واجبات میں شامل نہیں انہیں ختم کر دینا چاہیئے

بریلوی اپنے ان کاموں کو جو آئے دن امت میں اختلاف کا موجب بنتے رہتے ہیں ختم کرتے ہیں یا نہیں ہمیں اس سے بحث نہیں۔ تاہم ہم یہ عرض کیئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اگر آپ نے اس طرح کے ایصال ثواب کو نہیں چھوڑنا تو کم از کم اتنا تو کیجئے کہ گیارہویں شریف کا کھانا خود نہ کھائیں نہ دیگر اغنیاء کو کھلائیں۔ اسے صرف غریبوں کا حق سمجھیں اور یہ کھانا انہی تک پہنچائیں۔ پھر دیکھئے اس نیک کام سے

مسلمانوں میں اتفاق بڑھتا ہے یا نہ.

حالات یہ ہیں کہ کوئی شخص بریلوی مولویوں کو گیارہویں کے ان کھانوں سے نہیں ہٹا سکتا۔ یہ پلاؤ زردہ حلوہ اور کھیر تو ان کے دلوں کی جان اور ان کی دولت ایمان ہیں. کاش کہ یہ مولوی مولانا احمد رضا خاں کی اس بات کو ہی مان لیں ۔

مُردہ (مرحومین)، کا کھانا صرف فقراء کے لیے ہے عام دعوت کے طور پر جو کرتے ہیں یہ منع ہے غنی نہ کھائے.[1]

ایک اور جگہ پر لکھتے ہیں ।۔

شریعت میں ثواب پہنچانا ہے دوسرے دن ہو یا تیسرے دن. باقی یہ تعیین عرفی ہے جب چاہیں کریں۔ انہی دنوں کی گنتی ضروری جاننا جہالت ہے.[2]

عوام و خواص کے اختلاف کی صورت میں راہِ عمل

آپ یہ بات تفصیل سے پڑھ آئے ہیں کہ گیارہویں کے مسئلے میں عوامی ذہن اور بریلوی علماء کے عقیدے میں کچھ اختلاف پایا جاتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ عوام و خواص کے اس اختلاف کی صورت میں ان کے لیے راہِ عمل کیا ہے۔

فقہ حنفی کی روشنی میں اس صورتِ حال میں عوام کی بات کا اعتبار ہوگا خواص کا نہیں، عوام کو شرک و بدعت کے اس اندھیرے سے نکالنے کے لیے ایسے اعمال کو یکسر ختم کرنا ہوگا. رہے علماء تو ان کو نقصان صرف ان طرح طرح کے کھانوں سے محرومی کا ہوگا اور یہ کوئی بڑا نقصان نہیں، عوام کا دین و ایمان تو بچ جائے گا۔ یہ کتنا بڑا ظلم ہے کہ ان کے مولوی جن عوام کی دولت پہ پلتے ہیں انہی کے ایمان اور ان کی آخرت کو تباہ کرتے ہیں.

نماز کے بعد سجدہ کرنا اپنی ذات میں کوئی عمل ناجائز نہیں مباح ہے، لیکن عوام اسے سنت

---

[1] احکام شریعت حصہ دوم ص۱۵۳ [2] فتاوٰے رضویہ جلد دوم ص۱۴۴

یا واجب سمجھنے لگیں تو یہ سجدہ شکر خواص کے لیے بھی ناجائز ہو جائے گا کیونکہ ایسے اختلاف کی صورت میں اعتبار عوام کا ہوگا خواص کا نہیں جلیل القدر حنفی فقیہ علامہ حلبی لکھتے ہیں۔

وما یفعل عقیب الصلوٰۃ فمکروہ لان الجہال یعتقد ونہا سنۃ او واجبۃ وکل مباح یودی الیہ فمکروہ[1]

ترجمہ۔ اور یہ جو نماز کے بعد سجدہ کا رواج ہو چلا ہے یہ مکروہ ہے کیونکہ عوام اسے سنت یا واجب سمجھنے لگیں گے اور ہر مباح جو (عوام کی نظر میں) اس درجہ پہ سمجھا جانے لگے وہ مکروہ ہے۔

اب کیا عوام اور بریلوی جاہل اس عمل گیارہویں کو اپنے ذہن میں سنت اور واجب کے درجے میں نہیں سمجھتے ہیں تو اب بریلوی علماء کو چاہیئے کہ انہیں ان بدعات سے روکیں نہ کہ انہیں تنہائی میں کہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ ہم تو صرف دیوبندی اعتراضات کو ٹالنے کے لیے ایسی باتیں لکھتے ہیں یہ نہیں کہ ہمارے اصل عقیدے ایسے ہوں۔ اصل عقیدے میں ہم تمہارے ساتھ ہیں۔

واذا خلوا الیٰ شیاطینہم قالوا انا معکم انما نحن مستہزءون۔

یاد رکھئے ان لوگوں کو ان کی یہ تجارت ہرگز کوئی فائدہ نہ دے گی انہوں نے خود ہدایت کے بدلے گمراہی خرید رکھی ہے۔

اولٰئک الذین اشتروا الضلالۃ بالھدیٰ فما ربحت تجارتہم وما کانوا مھتدین۔

ترجمہ۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خریدی۔ سو نہ فائدہ دیا ان کو ان کی تجارت نے اور نہ ہیں وہ ہدایت پانے والے۔

یہ حضرات اندر سے خود بھی اپنے عوام کے ساتھ ہیں اسے محض ایصال ثواب نہیں جانتے نہ سمجھتے ہیں۔ اسے محض ایک مباح عمل سمجھتے تو شاہ فرید الحق کے مشورے پر اسے چھوڑ دیتے۔

---

[1] غنیۃ المتملی ص۶۱۷

اب اگر بریلوی مولوی اتحادِ ملت کے وسیع تر مقصد کے لیے گیارہویں کی رسم نہیں چھوڑتے تو سوا اس کے کیا سمجھا جا سکتا ہے کہ وہ اسے صرف ایصالِ ثواب نہیں سمجھتے۔ حضرت الشیخ سید عبدالقادر جیلانی ؒ کی عظمت و سطوت کے آگے نذر مانتے ہیں۔ مبادا حضرت پیر صاحب ؒ کا جلال ان کی بھینسوں کو نہ مار ڈالے۔

اب آپ ہی بتائیں کیا یہ محض ایصالِ ثواب ہے یا نذر لغیر اللہ ہے؟ کیا اس میں حضرت پیر صاحب کی تعظیم ساتھ نہیں اور کیا یہ گیارہویں دلانے والے حضرت پیر صاحب کے جلال کے آگے جھکے نہیں جا رہے ایصالِ ثواب عام اموات کا بے شک ایصالِ ثواب ہوگا لیکن گیارہویں کو تو یہ لوگ حضرت پیر صاحب کے حضور ایک نذرانہ تعظیم اور ایک منت سمجھتے ہیں جس سے ان کے بگڑے کام بنتے ہیں اور ڈوبے بیڑے ترتے ہیں۔ یہ ایک نیاز ہے جسے یہ پیر صاحب کے حضور پیش کرتے ہیں۔

اس بات کے ثبوت کے لیے کہ ان کے ہاں گیارہویں صرف ایصالِ ثواب نہیں یہ پیر صاحب کے حضور ایک نذرانہ تعظیم ہے۔ ایک نیاز ہے اور ایک منت ہے۔ بریلوی مذہب کے بانی مولانا احمد رضا خاں کی اس عبارت کو دیکھیے:۔

> مسلمانوں کو دنیا سے جانے کے بعد جو ثواب قرآن مجید کا تنہا یا کھانے کے ساتھ پہنچاتے ہیں عرف میں اسے فاتحہ کہتے ہیں اولیاء کرام کو جو ایصالِ ثواب کرتے ہیں اسے تعظیماً نذر و نیاز کہتے ہیں۔[1]

یہ ختم گیارہویں پیر صاحب کی ایک منت ہے۔ اس کے لیے قصور کے مولوی عبید اللہ صاحب کے رسالہ نذر اولیاء کا ص ۷ ملاحظہ ہو آپ لکھتے ہیں:۔

> سرکارِ بغداد کی نذریں مانی جاتی تھیں۔[2]

اب آپ بھی انصاف کریں یہ گیارہویں کا ختم کیا محض ایصالِ ثواب ہے یا یہ حضرت پیر صاحب کی منت ہے کہ آپ کہیں ہماری بھینس کو نہ مار دیں اس لیے یہ نذرانہ تعظیم پیش کیا جا رہا ہے۔

---

[1] احکام شریعت ص ۲۷ [2] نذر اولیاء ص ۷

نذر کرنا تو دینے کے معنی میں بھی ہو سکتا ہے۔ مگر نذر رماننا دینے کے معنی میں نہیں آتا۔ نذر ماننا ان بزرگوں کے تقرب کی تلاش اور ان سے اپنے کام نکلوانے کی ایک التجا ہے اور یہ پیشکش اس کے لیے ایک نذرانہ ——— جو اُن کے بگڑے کام بناتا ہے اور انہیں شرک کی دلدل میں گراتا ہے ہے کوئی خوش نصیب جو اس دلدل سے نکلے اور شرک سے توبہ کرے ———

افسوس کہ یہ لوگ تو بتوں پر چڑھائی گئی نذروں کو بھی حلال سمجھتے ہیں انہیں کھانے سے غرض ہے اور صورت جو بھی ہو ہوتی رہے۔ اور گیارہویں میں تو بتوں کی بات نہیں حضرت پیرانِ پیرؒ کو تعظیماً ثواب ہدیہ کیا تھا۔ کیا یہ ان کے نام کی نذریں نہیں ؟ ایصالِ ثواب میں تعظیم کی نیت آنے سے ہی یہ عمل نذر بن جاتا ہے۔

ان کے ایک مولوی کرم حسین قادری ساکن بہاری پور تحصیل ترنتارن ضلع امرتسر نے بتوں کے نام کی نذروں کو حلال قرار دینے پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے۔

تحمیدۃ الکلام فی تحلیل منذورۃ الاصنام

نام پر غور فرمایئے اور ان لوگوں کی اس جرأت کی داد دیجیئے۔ کس طرح کھلے بندوں بتوں کے نام کی نذروں کو حلال ٹھہرا رہے ہیں ——— یہ کتاب پبلک پریس جالندھر میں ۱۹۱۲ء میں مولانا احمد رضا خاں المتوفی (۱۹۲۰ء) کی زندگی میں طبع ہوئی۔ خان صاحب نے اس سے کوئی اختلاف نہیں کیا جب مولوی کرم حسین کو بتایا گیا کہ قرآن کریم نے تو دما اھل بہ لغیر اللہ میں ہر اس چیز کو حرام قرار دیا ہے جس پر تعظیماً غیر اللہ کا نام پکارا گیا۔ اب یہ چیز اس کی نذر ہو چکی، تو مولوی صاحب نے لکھا۔

بہت سے علمائے دین نے صرف حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کی پیروی میں آیت دما اھل بہ لغیر اللہ کو بگاڑا۔[1]

خاتم المحدثین حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کا نام بغیر شاہ کے لکھنا بریلویوں کی ان حضرات محدثین دہلی سے نفرت درون پردہ کا پتہ دیتا ہے۔ تاہم مولوی کرم حسین نے اس میں اتنا

---

[1] عمدۃ الکلام صفحہ ۲۴۰

تو تسلیم کرلیا کہ بہت سے علمائے دین بتوں کے نام کی نذروں کو حرام کہتے ہیں اور یہ چند بریلوی ہیں جو کسی بریانی کو ضائع نہیں جانے دیتے گو وہ دیوی بھوانی کے نام کی نذر کیوں نہ ہو سید کے سوا اسے ہر کوئی کھا سکتا ہے۔

مولوی کرم حسین صاحب لکھتے ہیں:۔

اگر کوئی سید زکوٰۃ وغیرہ کھاتا ہے اور دیوی بھوانی کی نذر و نیاز مانتا ہے تو اس کو اس کی بریانی سے مطلع کرنا چاہیئے۔[1]

بریلویوں کے نزدیک گویا زکوٰۃ اور دیوی بھوانی کی نذر و نیاز سب حلال ہے۔ دیوالی کی مٹھائی دیوی بھوانی کی نذر و نیاز ہوتی ہے۔ اگر ہندو اسے مسلمانوں کے ہاں بھیجیں تو مولانا احمد رضا خاں لکھتے ہیں اس دن نہ لیں اگلے دن لے لیں:۔

اس روز نہ لے ہاں اگر اگلے روز دے تو لے لے۔[2]

مولوی کرم حسین لکھتے ہیں:۔

میری تحریر سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ کل نذریں خواہ کوئی شخص کسی کی نذر کرے حلال ہیں۔[3]

جب ان کے ہاں کوئی نذر ممنوع نہیں تو گیارہویں شریف جسے یہ حضرت پیران پیرؒ کی نذر مانتے ہیں ظاہر ہے کہ ان پر اس کے نذر لغیر اللہ ہونے کا کوئی بوجھ نہیں آتا۔ اگر یہ لوگ اپنے عوام کو مغالطہ دینے کے لیے اسے ایصالِ ثواب کہتے رہیں تو یہ صرف ان کی ایک مصلحت ہے لیکن اس مصلحت سے یہ نذر ایصالِ ثواب نہیں بن جاتی۔

شیخ سدو کے بکرے اور شاہ مدار کے مُرغے

بات صرف گیارہویں کی کھیر کی نہیں نہ یہ کہ یہ ایصالِ ثواب نہیں یہ ان بزرگوں کی تعظیماً نذر

---

[1] عمدۃ الکلام ص ۲۳۶ [2] ملفوظات حصہ اوّل ص ۱۱۵ [3] عمدۃ الکلام ص ۲۳۷

ماننا ہے۔ یہ لوگ جب شیخ سدو کے مزار پر بکرے لے جاتے ہیں تو انہیں وہاں خدا کے نام سے ذبح کرتے ہیں مگر اس میں تعظیم اور تقرب شیخ سدو کا ملحوظ ہوتا ہے۔ گھر کی عورتیں بھی جب نذر مان لیں تو ان کے ہاں خاوند کو اس نذر کا پورا کرنا ضرور ہے ایمان رہے یا نہ۔ اب یہ ایصالِ ثواب ہوا یا نذر ماننا۔ آپ فیصلہ کریں یہ ایک حقیقت ہے کہ یہ اعمال گیارہویں کی کھیر ہو یا شیخ سدو کے بکرے، شیخ عبدالحق کی سہ منی ہو یا شاہ مدار کے مرغے یہ سب نذریں ہیں۔ مگر بریلویوں نے اہل سنت میں پذیرائی پاتے کے لیے اس کا نام ایصالِ ثواب بنا رکھا ہے اور اصل نیت ان کا نذر ماننا ہوتا ہے۔

مولانا احمد رضا خاں کے والد مولانا نقی علی خاں لکھتے ہیں:۔

جب گھر کی بی بی نے شیخ سدو کا بکرا یا مدار صاحب کا مرغا مان لیا تو میاں کو کرنا ضرور ہے ایمان رہے یا نہ رہے۔[1]

ماننے کے لفظ پر غور کیجئے۔ یہ منت ماننا ہے یا ایصالِ ثواب کرنا۔ آپ ہی فیصلہ کریں ہم کہیں گے تو آپ کو شکایت ہوگی کہ ہمارے رازوں سے پردہ کیوں اٹھ رہا ہے۔ ہم کہیں گے

نہاں کے ماند آں رازے کزو سازند محفلہا

کیا مولانا احمد رضا خاں کے والد بھی دیوبندیوں سے ملے ہوئے تھے۔

بریلوی مولویوں کی اپنے لیے نذر جائز کرنے کی دلیل

جب ہم کہتے ہیں کہ نذر و نیاز کی دیگیں اور ختم کے کھانے اغنیاء اور مولویوں کے لیے جائز نہیں یہ خالصۃً غرباء اور مساکین و یتامیٰ کا حق ہے۔ بریلوی علماء کہتے ہیں کہ فقہ کے اس قانون سے ہم مستثنیٰ ہیں۔ نذر کا کھانا مذہبی پیشواؤں کے لیے شروع سے جائز رہا ہے۔ انجیل میں اس کی شہادت موجود ہے اور شریعتِ محمدی نے اسے منسوخ نہیں کیا۔ یہ اصل ہے ہمارے پاس ختم اور ایصالِ ثواب کے چالیسویں کھانے کی یہ اصل موجود ہے۔ انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ بیان حضرت داؤد کے ذکر میں موجود ہے۔

---

[1] سرور القلوب صہ ۱۷۳

وہ خدا کے گھر میں گیا اور نذر کی روٹیاں کھائیں جن کا کھانا نہ اس کو روا تھا نہ اس
کے ساتھیوں کو مگر صرف کاہنوں کو۔[1]

کاہن یہودیوں کے مذہبی پیشوا تھے۔ وہ نذر کے کھانے بے دریغ ہڑپ کرتے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کے لیے روٹیوں اور ختم کے کھانے کو جائز نہیں کیا۔ آپ نے یہ بات ایک ناراض دل سے کہی ہے جیسے آج ہم کہیں کہ بریلوی مولوی کس طرح غریبوں اور یتیموں کا حق بلا ڈکار ہضم کرتے ہیں۔ اس آیت سے اگلی آیت ملاحظہ ہو :۔

تم نے تورات میں نہیں پڑھا کہ کاہن سبت کے دن ہیکل میں سبت کی بے حرمتی
کرتے ہیں اور بے قصور رہتے ہیں۔

اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ آپ یہ بات بطور طنز فرما رہے ہیں۔ ان پروہتوں میں اور بریلوی مولویوں میں فرق ہے تو سبت اور جمعرات کا ــــ وہ سبت کے دن نذر کی روٹیاں توڑتے تھے، اور یہ جمعرات کو۔

ثانیاً عیسائی پادری اگر انجیل کے اس جزئیہ سے استدلال کریں تو کر سکتے ہیں۔ ان کا اصل مذہب یہ ہے کہ پادری تنخواہ نہیں لیتا۔ شادی شدہ نہیں ہوتا۔ نہ وہ کوئی جائداد خریدتا ہے۔ وہ اگر نذرانوں پر گزر اوقات کرے تو بات سمجھ میں آتی ہے۔ لیکن بریلوی مولوی تو اس حال میں نہیں ہیں ان کے لیے یہ ایصالِ ثواب کا کھانا اور جمعرات کا ختم کیسے حلال ہو گئے؟ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

تم نے اگر عیسائیوں کے پیچھے چلنا ہی ہے تو یہ خطرہ بھی لینا پڑے گا کہ دنیا کہے بریلویت عیسائیت کی ہی ایک نشأۃ جدیدہ ہے۔

مولانا احمد رضا خاں نے تو مطلقاً یہ فیصلہ صادر فرمایا تھا۔ اس میں بریلویوں کے لیے انجیل کے بیان کی طرح کوئی استثناء نہیں رکھا تھا۔ تم کہاں کھو گئے۔ اس خلافِ مراد مسئلے پر اپنے اعلیٰحضرت کو بھی بھول گئے۔

ہم اس پر اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔ واللہ اعلم و علمہ اتم و احکم۔

---

[1] انجیل متی باب ۱۲ آیت ۴ طبع ۱۹۰۸ء مشن سٹیم پریس لدھیانہ

اہلِ میّت کے ہاں دعوتیں اُڑانا

جن کے ہاں ماتم ہو جائے ان کے عزیز و رشتہ دار بلکہ ہمسائے انہیں کھلاتے ہیں۔ ان کے پاس سے کھاتے نہیں۔ ان پر صدمہ طاری ہوا ہوتا ہے۔ انہیں کھانا پکانے کا ہوش نہیں ہوتا اور نہ انہیں اس ضرورت میں ڈالنا چاہیئے۔

علماء سوء نے ان پر دعوتوں کا عجیب بوجھ ڈال رکھا ہے۔ پہلے تیسرے دن ایک کھانے پینے کی مختصر دعوت ہوتی ہے۔ قُل شریف کے نام سے حاضرین اور ہمسائے اور مولوی صاحبان پھل فروٹ وغیرہ کے گرد خوب اہتمام سے جمع ہوتے ہیں اور گھر والے اپنی میت کی محبت میں ان کو خوب کھلا پلا رہے ہوتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ یہ کھانے گویا مُردے ہی کھا رہے ہیں اور واقعی مُردے ہی کھا رہے ہیں۔

دسویں دن پر ایک ایسی مجلس ہوتی ہے۔ پھر اکیسویں دن اس ماتم والے گھر میں کھانے کی ایک اور دعوت اڑائی جاتی ہے اور پھر کچھ دنوں بعد چہلم کا دن آجاتا ہے۔ دیگیں پکتی ہیں۔ شادی کی مجلسوں کی طرح خیمے لگتے ہیں۔ اعزہ و اقارب اور ہمسائے اور دوست، اغنیاء اور حکام کے درجے کے لوگ بھی جمع ہوتے ہیں۔ مولوی صاحب ختم پڑھتے ہیں اور پھر سب لوگ کھانوں پر اس طرح ٹوٹ پڑتے ہیں جیسے فوجی دشمنوں پر بعض کا کام وہیں ہو جاتا ہے اور بعض گرفتار کر لیے جاتے ہیں۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا غموں کو اس طرح دعوتوں کی مجلسیں بنانا کیا دینِ فطرت میں جائز ہو سکتا ہے، دعوتیں تو خوشیوں میں ہوتی ہیں۔ یہ علمائے دستر خوان انہیں غموں میں کیسے لے آئے ہیں؟

فقہائے اسلام تو صدیوں پہلے اس کے جواب سے فارغ ہو چکے ہیں۔ امام فن قاضی خاں (۵۹۲ھ) لکھتے ہیں:۔

ویکرہ اتخاذ الضیافۃ فی ایّام المصیبۃ لانّہا ایام تاسف فلا یلیق بہا ما کان للسرور[1]

---

[1] فتاوے قاضی خاں جلد ۴ ص۱۹۷

ترجمہ۔ اور غم کے دنوں میں مہمان نوازی کا کھانا دعوت اُڑانا مکروہ ہے کیونکہ وہ افسوس کے دن ہیں۔ وہاں وہ کام اچھے نہیں لگتے جو خوشیوں کے موقع پر ہوتے ہیں۔

امام نوویؒ (۶۷۶ھ) لکھتے ہیں:۔

الطعام فی ایام المخصوصة کالثالث والخامس والتاسع والعاشر والعشرین والاربعین والشهر السادس والسنة بدعة ممنوعة [1]

ترجمہ۔ خاص دنوں میں کھانے کی دعوت کرنا جیسے تیجا، پانچواں، نواں، دسواں، بیسواں، چالیسواں، ششماہی اور برسی یہ سب بدعت ممنوعہ ہیں۔

اب آٹھویں صدی میں چلیے۔ علامہ ابن امیر الحاج (۷۳۷ھ) لکھتے ہیں:۔

اما اصلاح اهل المیت طعاماً وجمع النّاس فلم ینقل فیه شیٔ وهو بدعة غیر مستحب [2]

ترجمہ۔ اہلِ میت کا کھانا تیار کرنا اور لوگوں کو (اس پر) جمع کرنا یہ (سلف سے) منقول نہیں اور یہ بدعت ہے جو پسندیدہ نہیں۔

اب نویں صدی میں چلیں اور دیکھیں اکابر علماء اسلام نے ہر دور میں اسے بدعت کہا ہے۔ علامہ ابن ہمامؒ (۸۶۱ھ) لکھتے ہیں:۔

ویکرہ اتخاذ الضیافة من الطعام من اهل المیت لانه شرع فی السرور لا فی الشرور وهی بدعة مستقبحة [3]

ترجمہ۔ اور اہلِ میت کے ہاں کھانے کی دعوتیں اُڑانا جائز نہیں ان کی اجازت خوشیوں میں ہے صدموں میں نہیں اور یہ بڑی بُری بدعت ہیں۔

دسویں صدی کے علامہ حلبیؒ (۹۵۶ھ) لکھتے ہیں:۔

---

[1] شرح منہاج [2] المدخل جلد ۳ صفحہ ۲۷۵ [3] فتح القدیر لابن الہمامؒ جلد ۱ صفحہ ۴۷۳

ویکرہ اتخاذ الضیافة من اهل المیت لانه شرع فی السرور لا فی الحزن قالوا وهی بدعة مستقبحة.[۱]

ترجمہ. اور اہل میت کی طرف سے کھانے کی دعوت مکروہ ہے یہ خوشیوں کے موقع کا عمل ہے غم کے موقع کی بات نہیں. فقہاء کہہ چکے ہیں کہ یہ بڑی قبیح بدعت ہے.

دسویں صدی کے مجدد ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ) مذہب حنفی کا فیصلہ ان الفاظ میں نقل کرتے ہیں:

قرر اصحاب مذهبنا من انه یکره اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث وبعد الاسبوع.[۲]

ترجمہ. ہمارے اصحاب نے طے کر رکھا ہے کہ (اہل میت کا) پہلے تیسرے اور دسویں دن کھانے کی دعوت کرنا مکروہ ہے.

ملا علی قاری نے ایک حدیث کی بنا پر پہلے اپنے اہل مذہب سے کچھ خفیف سا اختلاف کیا تاہم آخر میں آپ پھر اپنے اصحاب کے مذہب پر آ گئے. شرح نقایہ آپ کی آخری تصنیف ہے. اس میں

ویکره اتخاذ الضیافة من اهل المیّت لانه شرع فی السرور لا فی ضدّه وهی بدعة مستقبحة.[۳]

ترجمہ. اور اہل میت کی طرف سے دعوت طعام مکروہ ہے دعوتیں خوشیوں میں ہوتی ہیں صدموں میں نہیں. یہ بدعت قبیحہ ہے.

اب گیارہویں صدی کے محدث حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ) سے سن لیجئے.

عادت نبود کہ برائے میت جمع شوند و قرآن خوانند و ختمات خوانند بر سر گور و نہ غیر آں و ایں مجموع بدعت است..... اما ایں اجتماع مخصوص روز سوم و ارتکاب تکلفات دیگر و صرف اموال بے وصیت از حق یتامیٰ بدعت است و حرام.[۴]

ترجمہ. قرون مشہور لہا بالخیر میں یہ طریقہ نہ تھا کہ میت کے لیے اکٹھے ہوں اور قرآن کریم

---

[۱] کبیری ص ۶۰۹ [۲] مرقات جلد ۵ ص ۴۸۲ [۳] شرح نقایہ جلد ۱ ص ۳۴۰ [۴] مدارج النبوۃ جلد ۱ ص ۴۲۱

پڑھیں اور قبروں پر آکر یا کسی دوسری جگہ ختم پڑھیں۔ یہ سب کام بدعت ہیں.....
یہ خاص تیسرے دن کا اجتماع اور دوسرے تکلفات اور مرحوم کی وصیت کے بغیر
یتیموں کے مال سے دعوتیں اُڑانا بدعت اور حرام ہے۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے صاحبزادے حضرت خواجہ محمد معصوم صاحب بھی لکھتے ہیں۔

مخدوما! طعام دادن للہ تعالیٰ بے رسم و ریا و ثواب آں بمیت گزرانیدن خوب است
و عبادت بزرگ اما برائے تعیین وقت اصل معتمد علیہ ظاہر نمے شود و روز سوم گل
دادن بمردان بدعت است[1]

مخدوم! اللہ تعالیٰ کے نام پر بغیر رسم ٹھہرائے اور بغیر دکھاوا کے (غریبوں کو)
کھانا کھلانا اور اس کا ثواب میت کو پہنچانا اچھی بات اور بڑی (مالی) عبادت
ہے لیکن اس کے لیے کوئی وقت مقرر ٹھہرانا اس کے لیے شریعت میں کوئی اصل
جس پر اعتماد کیا جا سکے نہیں ملتی۔ اور پیچھے پر پھول لانا بدعت ہے۔

اب حضرت علامہ شامیؒ کا فیصلہ بھی سن لیں۔ آپ حدیث جریر پر اعتماد کرتے ہیں۔

استدلالاً بحدیث المذکور علی الکراھۃ ولاسیما اذا کان فی الورثۃ صغار او غائب
مع قطع النظر عما یحصل عند ذلک غالباً من المنکرات الکثیرۃ کایقاد الشموع و
القنادیل.... واخذ الاجرۃ علی الذکر و قراءۃ القرآن وغیر ذلک مما ھو مشاھد فی ھذہ
الازمان وما کان کذلک فلا شک فی حرمتہ وبطلان الوصیۃ بہ[2]

ترجمہ۔ اہل میت کے ہاں سے کھانا حدیث مذکور کی بنا پر مکروہ ہے خصوصاً جبکہ کچھ وارث
نابالغ ہوں یا کوئی وارث غائب ہو۔ قطع نظر ان بہت سی منکرات کے جو ایسے موقع پر
کی جاتی ہیں جیسے شمعیں اور قندیلیں جلانا..... اور ذکر اور قرآن خوانی پر اُجرت لینا
وغیرہ جو آج کل ہمارے مشاہدہ میں آ رہی ہیں اور جو اس طرح کا عمل ہو اس کے حرام

---

[1] مکتوبات حضرت خواجہ محمد معصومؒ مکتوب ۱۱ [2] رد المختار جلد ۲ ص ۲۴۱ طبع قدیم

ہونے میں کوئی شک نہیں اور اس کی وصیت بھی ہو تو یہ وصیت باطل ہے۔

نقشبندی سلسلے کے شیخ کبیر حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ (۱۲۲۵ھ) کی وصیت ملاحظہ فرمائیں جو مالابد منہ کے ساتھ چھپی ہے۔ آپ لکھتے ہیں:۔

بعد مردن من رسوم دنیوی مثل دہم بستم وچہلم وششماہی و برسینی ہیچ نکنند[1]

ترجمہ۔ میری وفات پر دنیوی رسمیں جیسے دسواں، بیسواں، چالیسواں ششماہی اور برسی وغیرہ کچھ نہ کریں۔

اب چودھویں صدی میں چلیے۔ مولانا عبد الحی لکھنویؒ (۱۳۰۴ھ) لکھتے ہیں:۔

مقرر کردن روز سوم وغیرہ بالتخصیص و او را ضروری انگاشتن در شریعت محمدیہ ثابت نیست۔ صاحب نصاب الاحتساب آں را مکروہ نوشتہ۔[2]

ترجمہ۔ تیسرا دن خاص طور پر مقرر کرنا اور اس کو ضروری سمجھنا شریعت محمدیہ میں اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ صاحب نصاب الاحتساب نے اسے مکروہ لکھا ہے۔

چودھویں صدی کے مولانا احمد رضا خاں بھی لکھتے ہیں:۔

اہل میت کا اہتمام طعام کرنا سرے سے ناجائز ہے۔[3]

اور اس سے پہلے آپ یہ بھی لکھ آئے ہیں:۔

یہ دعوت خود ناجائز و بدعت شنیعہ وقبیحہ ہے امام احمدؒ اپنے مسند میں اور ابن ماجہؒ سنن میں بہ سند صحیح حضرت جریر بن عبد اللہ بجلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں:۔

کنا نعد الاجتماع الی اہل المیت وصنعھم الطعام من النیاحۃ۔ ہم گروہ صحابہؓ اہل میت کے یہاں جمع ہونے اور ان کے کھانا تیار کرنے کو مردے کی نیاحت سے شمار کرتے تھے جس کی حرمت پر متواتر حدیثیں۔[4]

علامہ حلبیؒ (۹۵۶ھ) اور ملا علی قاریؒ (۱۰۱۴ھ) نے عاصم بن کلیب کی روایت میں استقبلہ

---

[1] مالابد منہ ص۱۹۱ [2] فتاویٰ مولانا عبد الحیؒ جلد ۲ ص۷ [3] احکام شریعت حصہ سوم ص۱۹۳ بقی پریس مراد آباد [4] ایضاً ص۱۹۲

داعی امر اللہ کے الفاظ دیکھ کر جو اس مسئلے میں خفیف سی راہ نکلی ہے. مولانا احمد رضا خاں ان دونوں بزرگوں کے بارے میں لکھتے ہیں :-

ولو رای الفاضلان الحلبی والقاری ما علیہ بلادنا لاطلقا القول جازمین بالتحریم ولا شک ان فی ترخیصہ فتح باب الشیطان رجیم[1]

ترجمہ. علامہ حلبیؒ اور ملا علی قاریؒ اگر ہمارے ملک کے رواجوں کو دیکھتے تو مطلقاً ان کے حرام ہونے پر یقین کرتے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کی اجازت دینے میں شیطان مردود کی راہ کھلتا ہے.

خاں صاحب نے یہ عبارت عربی میں لکھی ہے. مبادا اَن پڑھ بریلوی ان پر وہابی ہونے کا لیبل نہ لگا دیں ـــــ بہرحال خاں صاحب نے اس مسئلہ میں حنفی مذہب کو ترک نہیں کیا.

اسلام کی یہ چودہ صدیوں کی شہادت آپ کے سامنے ہے اور آج کل کے دیگر بریلوی علماء کے غلط فتووں سے جو کچھ نقشہ عمل ہے وہ بھی آپ کے سامنے ہے. ان کے بعد بریلویوں نے ان دعوتوں کے شوق میں نہ صرف فقہ حنفی کو رد کر رکھا ہے بلکہ اس میں یہ مولانا احمد رضا خاں صاحب کے بھی خلاف صف بنا رکھی ہے.

بریلوی علماء کے اہل میت کے ہاں کھانے کے فتوے

سب سے پہلے پروفیسر نور بخش صاحب توکلی بانی انجمن نعمانیہ ہند لاہور مولانا احمد رضا خاں کے اس فتوے کے خلاف اُٹھے. آپ لکھتے ہیں :-

فقہاء نے بعض عوارض کی وجہ سے اہل میت کے طعام کو مکروہ کہا ہے. اگر یہ عوارض یا کوئی امر محظور شرعی دعوت میں نہ ہو تو وہ طعام ہرگز مکروہ نہ ہوگا.[2]

مولانا نور بخش توکلی نے مرقات سے جو عوارض نقل کیے ہیں مولانا احمد رضا خاں ان سب کے

---

[1] احکام شریعت جلد ۲ ص ۱۹۷ [2] کتاب البرزخ ص ۱۴۲ تالیف ۱۳۴۹ھ مستیم پریس لاہور

جواب دے چکے ہیں مگر معلوم نہیں بریلوی علماء کھانے کے مسئلوں میں کیوں اس قدر دلدادہ ہو چکے ہیں کہ اپنے اعلیٰحضرت کی مخالفت سے بھی نہیں چوکتے۔

بریلوی علماء اس مسئلے میں مولانا احمد رضا خاں کے نہیں مولانا عبدالسمیع رامپوری کے پیچھے چلے ہیں۔ بدعات میں بریلویوں کے امام دراصل وہ ہیں۔ مولانا احمد رضا خاں کی زیادہ شہرت تکفیر کی وجہ سے ہوئی ہے۔ بدعات میں ان کے اصل پیشوا مولانا عبدالسمیع رامپوری مؤلف انوار ساطعہ ہیں۔

مسائل اربعین میں لکھا ہے کہ حضرت نے فرمایا ہے طعام المیت یمیت القلب... بکروہ ہے قبول کرنا اس کھانے کا جس کو روح میت کے واسطے کیا ہوئے ہم کہتے ہیں کہ اگر اس حدیث کو صحیح رکھو گے تو دوسری حدیثیں جو ترغیب خیرات میں میت کی طرف سے آئی ہیں اور یا اجماع امت وہ متعدل ہیں ان کا کیا جواب دو گے۔[1]

پھر اسی حدیث پر مولانا محمد عمر اچھروی اور مفتی احمد یار خاں صاحب نے اپنے موقف کی بناء رکھی ہے۔ وہ حدیث مشکوٰۃ باب المعجزات میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک جنازہ سے واپس آ رہے تھے کہ ایک شخص مرحوم کی عورت کی طرف سے حضورؐ کی خدمت اقدس میں آیا اور آپؐ کو اور دیگر صحابہ کرامؓ کو کھانے کی دعوت دی۔ آپؐ گئے اور صحابہ بھی گئے اور وہاں کھانا کھایا۔ اس حدیث میں یہ الفاظ تحقیق طلب ہیں:۔

فلما رجع استقبله داعی امرأته۔[2]

ترجمہ۔ جب آپ واپس لوٹے تو آپ کو اس کی بیوی کے ایک قاصد نے بلایا۔

صاحب مشکوٰۃ (۴۴۲ھ) نے اس حدیث پر ابو داؤد اور بیہقی کا حوالہ دیا ہے۔ علامہ حلبیؒ (۹۵۶ھ) نے اس کے لیے امام احمد کا حوالہ دیا ہے:۔

ما رواہ الامام احمد بسند صحیح وابو داؤد عن عاصم بن کلیب۔[3]

---

[1] انوار ساطعہ ص۱۳۴ [2] مشکوٰۃ ص [3] کبیری ص۶۰۹

تحقیق روایت عاصم بن کلیب

صاحب مشکوٰۃ اور علامہ جلبی کے ان حوالوں کی جب اصل کتابوں سے تلاش کی گئی تو معاملہ برعکس نظر آیا۔ وہاں داعی امرأتہ کے الفاظ نہیں ملے۔

سنن ابی داؤد کے کتاب البیوع میں باب فی اجتناب الشبہات میں یہ روایت اس طرح ہے۔

فلما رجع استقبلہ داعی امرأۃ فجاء فجئ بالطعام فوضع یدہ[۱]

ترجمہ۔ جب آپ واپس ہوئے تو آپ کو کسی عورت کا ایلچی ملا۔ سو آپ تشریف لائے اور کھانا لایا گیا پس آپ نے اس میں اپنا ہاتھ ڈالا۔

علامہ جلبیؒ کے حوالے کے لیے مسند احمد کو دیکھا تو وہاں یہ الفاظ ملے۔

فلما رجعنا لقینا داعی امرأۃ من قریش۔[۲]

ترجمہ۔ پس ہم جب واپس ہوئے تو ہم دو رستے میں، ایک قریشی عورت کے قاصد سے ملے

پھر یہ روایت طحاوی شریف کے کتاب الصید و الذبائح جلد ۲ صفحہ ۳۲۰ میں بھی مل گئی اس میں بھی امرأۃ من قریش کے الفاظ ہیں۔ امرأتہ (اس مرحوم کی عورت) کے الفاظ کسی مستند کتاب میں نہیں ملے۔ حضورؐ کو کھانے پر دعوت دینے والی کوئی اور عورت تھی مرحوم کی بیوی نہ تھی۔

مشکوٰۃ میں امام بیہقی کا حوالہ بھی دیا گیا ہے۔ بیہقی کی روایت میں بھی دعت امرأۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی طعام کے الفاظ ہیں اسے علامہ سیوطیؒ نے خصائص کبرے میں اس باب میں نقل کیا ہے۔

باب اخبارہ صلی اللہ علیہ وسلم بالشاۃ التی اخذت بغیر حق۔[۳]

ترجمہ۔ یہ باب اس پر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح اس بکری کی خبر دی جو بغیر اجازت مالک کے حاصل کی گئی تھی۔

---

[۱] سنن ابی داؤد جلد ۲ صفحہ ۴۷۳ [۲] مسند امام احمد جلد ۵ صفحہ ۲۹۳ [۳] خصائص کبریٰ جلد ۲ صفحہ ۱۰۳

اس روایت میں اگرچہ جنازے کا ذکر نہیں لیکن اس بکری کا ذکر موجود ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ وہی روایت ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جنازے سے واپس لوٹنے کا ذکر ہے۔

ان تفصیلات سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام میں اہل میت کے ہاں دعوتیں اُڑانے کی ہرگز ہرگز اجازت نہیں جس روایت کے برتے بریلوی علماء لمبے چوڑے ختم پڑھنے گھروں میں پہنچ جاتے ہیں یہ ایک ان کی اپنی بنائی راہ ہے فقہ حنفی میں اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

ایصالِ ثواب کا کھانا کون لوگ کھائیں

اہلسنت کا بریلویوں سے ایک یہ اختلاف بھی چلا آتا ہے کہ جو کھانا بلا تعیینِ دن میت کو ثواب پہنچانے کے لیے کھلایا جائے اسے کون کھائیں؟ اہل سنت کہتے ہیں یہ صرف مساکین اور غرباء کا حق ہے۔ بریلوی کہتے ہیں ہمارے مولوی صاحبان اور اپنے اعزہ واقارب بھی کھا سکتے ہیں۔

بریلوی عوام کو چاہیئے کہ وہ خود بھی سوچیں۔ اپنے مولویوں کا لقمہ نہ بنے رہیں۔ خود سوچیں کہ ثواب کس طرح زیادہ بنتا ہے؟ مولویوں کو کھلانے سے یا مسکینوں یتیموں کو کھلانے سے؟ ایصالِ ثواب اسی ثواب پہنچانے کا نام ہے جتنا ثواب بنے گا اتنا ہی مرحوم کو پہنچے گا مولویوں کو کھلانا ان کی دعوت ہے خیرات نہیں اور ثواب خیرات کا ہوتا ہے صدقات کا ہوتا ہے دعوتوں کا نہیں۔ ایصالِ ثواب کا کھانا صرف غرباء کا حق ہے۔ افسوس کہ بریلوی مولوی یہاں مولانا احمد رضا خاں کی اس بات کو بھی بھول جاتے ہیں کہ میت کا کھانا غنی نہ کھائے۔

> مُردہ کا کھانا صرف غرباء کے لیے ہے عام دعوت کے طور پہ جو کرتے ہیں یہ منع ہے غنی نہ کھائے[1]

پھر یہ بھی لکھتے ہیں :-

> انہی دنوں کی گنتی ضروری جاننا جہالت ہے[2]

---

[1] احکام شریعت حصہ دوم صفحہ ۱۵۳ [2] فتاوے رضویہ جلد ۲ صفحہ ۴

ان دنوں یہ کون لوگ تھے جو دنوں کی تعیین ضرور جانتے تھے، ظاہر ہے کہ یہ دیوبندی یا اہلحدیث کہلوانے والے تو نہ ہوں گے۔ شیعہ ویسے ہی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کو نہیں مانتے۔ وہ ان کے لیے گیارہ تاریخ کیا مقرر کریں گے۔ آخر یہ کون لوگ تھے جو تیجے، دسویں اور چالیسویں دن ختم کا التزام کرتے تھے اور ہر ماہ کی گیارہ تاریخ کو متبرک جانتے تھے۔

یہ لوگ ہیں جن کو مولانا احمد رضا خاں نے جہلا ٹھہرایا ہے اور یہی ہیں جن کو آج کل بریلوی کہتے ہیں۔ مولانا احمد رضا خاں نے یہاں اپنے قلم سے بریلویوں کو جہالت کی سند دی ہے۔

افسوس ان جہلاء پر نہیں، ان بریلویوں پہ ہے جو ان جہلاء کے ختموں پہ چلتے ہیں اور لگے پھاڑ پھاڑ کر کھانے سامنے رکھ کر ان خاص دنوں میں ختم پڑھتے ہیں۔ مولانا احمد رضا خاں نے کھانا سامنے رکھنے کو بے کار بات قرار دیا ہے۔ مگر یہ اپنے اعلیحضرت سے جہالت کی سند لینے والے کھانا آگے رکھے بغیر ختم نہیں پڑھتے۔ کہتے ہیں کھانے کی خوشبو سے دورانِ ختم دل مطمئن رہتا ہے۔

عیدِ میلادُ النبیؐ

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ امّا بعد ،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کی خوشی اجتماعی طور پر منانا عید میلاد النبی کہلاتا ہے۔ عید یہاں خوشی کے معنی میں ہے۔ جیسے کوئی دوست دیر سے ملے تو مبالغۃً کہتے ہیں کہ آج عید ہوگئی۔ عید میلاد النبی میں بھی عید اسی معنی میں ہے۔ عید کی حقیقت شرعی اس میں مراد نہیں ہوتی۔ جس طرح عیدین کے دن اجتماعی خوشی ہوتی ہے۔ کسی خوشی کو عید بنانا اسے اجتماعی شکل میں منانا ہے۔ ولادت النبی کی اجتماعی خوشی کرنے کو عید میلاد النبی کہا جاتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کی خوشی کو اجتماعی طور پر منانا ایک ایسا عمل ہے جس کا سبب باعث اور محرکات سب عہد صحابہ میں بھی موجود تھے۔ یہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں جو آج سامنے آیا ہو۔ وہ تمام محرکات و دواعی جن پر آج عمل کی بناء رکھی جاتی ہے، عہد صحابہؓ اور قرون مشہود لہا بالخیر میں باحساس اتم موجود تھے۔ لیکن ہمیں کوئی اس کا ثبوت نہیں ملتا کہ انہوں نے کبھی اس موقع پر اجتماعی خوشی کی ہو آخر کیوں؟ اور نہ ہی کبھی آپؐ کی اولاد حضرت سیدہ فاطمہؓ حضرت ام کلثومؓ، حضرت امامہؓ، حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ نے ہی کبھی اپنے والد اور نانا کا یوم ولادت منایا ہو اس کا آپ کو کبھی ثبوت نہ ملے گا۔ آخر اس کی وجہ کیا ہو سکتی ہے۔ کیا آپ نے اس پہ کبھی غور کیا۔

ولادت اور وفات کا تعلق ذاتیات سے ہے، نکاح اور اولاد کا موضوع بھی انسان کی ذات ہوتی ہے۔ صحابہ کرامؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آئینہ ذات میں نہیں آئینہ رسالت میں دیکھتے تھے آپ کی ولادت کی خوشی بھی اسی لیے ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ ورنہ محض ولادت کی خوشی تو ابولہب کو بھی ہوئی تھی جس نے آپ کی ولادت کی خبر سنتے ہی خبر دینے والی باندی آزاد

کردی تھی۔

ولادت کو ذات کے اعتبار سے دیکھیں تو خوشی کا انداز جذباتی ہوگا۔ رسالت کے اعتبار سے دیکھیں تو ہمہ تن اطاعت غالب ہوگی۔ مجال ہے اس کی خوشی کسی ایسے طور پہ ہو جس کی تعلیم اللہ رب العزت اور اس کے رسول برحق نے خود نہ دی ہو۔ صحابہؓ نے آپ کا کلمہ بڑے خلوص اور بڑی ذمہ داری سے پڑھا تھا۔ وہ اس ماحول کو قائم رکھنا جیسے حضور رسالت مآبؐ نے ترتیب دیا اور سنوارا اپنے ہر جذباتی عمل اور جذباتی نعرے سے فائق اور مقدم سمجھتے تھے۔ چھینک بھی آئے تو وہ یہ دیکھتے تھے کہ ایسے موقع پہ خود رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کیا ہے۔

مطلق محبت جذبات اور ان کا اظہار چاہتی ہے اور جس محبت کے پیچھے کوئی روشن سبب کارفرما ہو اس محبت کے داعی محبوب کی عقیدت اور اطاعت میں گھلے چلے جاتے ہیں۔ وہ پھڑکنے بھی نہیں پاتے مگر یہ کہ قربان ہو جاتے ہیں۔

؎ اے مرغ سحر عشق ز پروانہ بیاموز
کاں سوختہ را جاں شد و آواز نیامد

آج بھی جس دل و دماغ پہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت جلوہ پیرا ہوگی وہ آپ کی ولادت کی خوشی کو ذاتیات کے پہلو سے نہ دیکھے گا۔ آئینہ رسالت میں دیکھتے دیکھتے اپنی زندگی کے ہر قدم کو آپ کی سنت اور سیرت کے ڈھانچے میں ڈھالنے کی کوشش کرے گا۔ صحابہؓ آپ کے اسی جذبہ محبت سے سرشار تھے۔ اس لیے انہوں نے کبھی آپ سے مطلق محبت کے جذبات کا اظہار نہ کیا تھا۔

آپ کی ولادت کی اجتماعی خوشی کرنا کب سے شروع ہوا

صحابہ کرامؓ اور ان کے بعد دو قرن یہ وہ زمانے ہیں جن کے خیر ہونے کی خبر خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی۔ ان قرون ثلثہ مشہود لہا بالخیر میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم

کی ولادت کی خوشی اجتماعی طور پہ نہ کی گئی تھی جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود دنیا میں تشریف فرما تھے۔ اس وقت بھی صحابہ کرامؓ نے کبھی آپ کو آپ کے یوم پیدائش پہ مبارکباد نہ کہی تھی، نہ ہی آپ کے سامنے آپ کے یوم پیدائش کا کبھی تذکرہ کیا تھا۔

آپ کی تاریخ پیدائش میں تو کچھ اختلاف ہے (محقق بات ۹، ربیع الاول ہے) لیکن یوم ولادت (سوموار) میں کوئی اختلاف نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے غالباً اسی حکمت سے کہ آپ کے یوم پیدائش کو کہیں کوئی شرعی تقدس نہ دے سوموار کو ہی پہلی وحی فرمائی۔ آپؐ غار حرا میں تھے جب پہلی وحی آئی۔ اور وہ سوموار کا دن تھا۔ اب اس دن کو ایک یاد نے نہیں دو یادوں نے گھیر لیا۔ بایں اس دن کو کوئی شرعی حیثیت نہیں دی گئی۔ شرعی حیثیت دنوں میں سے صرف جمعہ کو حاصل ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن کا روزہ رکھا مگر کبھی صحابہؓ کو اس کی تعلیم نہ دی نہ کبھی اجتماعی طور پر اسے منانے کا حکم دیا۔ صحابہؓ نے آپ سے سن کر اسے اپنے ہاں رائج نہ کیا نہ کسی امام اور مجتہد نے اس دن کے روزے کو اجتماعی صورت دی ہے۔

حضرت ابو قتادہ الانصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے سوموار کے دن روزہ رکھنے کا پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:۔

ذاك يوم ولدت فيه ويوم بعثت او انزل علي فيه۔[1]

ترجمہ۔ اس دن میں پیدا ہوا تھا اور اسی دن میری بعثت ہوئی یا فرمایا سوموار کے دن ہی مجھ پر (پہلی) وحی اتری۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات بھی پوچھنے پر ارشاد فرمائی۔ صحابہؓ کو اس یوم ولادت پہ نہ کسی عمل کا حکم دیا نہ روزے کا۔ اللہ رب العزت نے اسی دن آپ پہ وحی کا آغاز فرمایا۔ اب کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی شخص اس ولادت کی خوشی میں سوموار کا روزہ رکھ سکے۔ جب وہ ایسا کرے گا آپ کی بعثت کا تصور خواہ مخواہ اس پہ محیط ہوگا اور دونوں کے ملنے سے بات یہاں پر آئے

---

[1] صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۳۶۸

گی کہ مسلمانوں کے لیے آپ کی ولادت کی خوشی بھی رسالت کے باعث ہے۔ وہ خوشی جو آپ کی پیدائش پر ابولہب نے کی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں آپ کی بعثت کا احسان فرمایا ہے۔ اس بعثت سے چالیس سال پہلے آپ کی ولادت ہو چکی تھی مگر اس ولادت پر بہار اس وقت آئی جب اللہ تعالیٰ نے بطور رسول آپ کی بعثت فرمائی اور آپ اللہ تعالیٰ کے نمائندے ٹھہرے لقد من اللّٰہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولاً۔

آپ کی اس حیثیت کو سامنے رکھے بغیر جب آپ کی ولادت کی خوشی منائی جائے گی تو اس میں مطلق محبت کا اظہار تو ہو سکے گا ولادت آئینہ رسالت میں نہ دیکھی جائے گی۔ یہ وہ محبت ہے جو ہر کسی کی برات نہیں اہلِ تقوے کو ہی حاصل ہوتی ہے۔

یہ بات تو واضح ہے کہ آپ کی ولادت باسعادت کی اجتماعی خوشی منانا عہدِ صحابہؓ اور اگلے دو نوں قرنوں میں نہ تھا لیکن یہ بات معلوم ہونی چاہیئے کہ اس کا آغاز کب ہوا۔

سب سے پہلے ملک اربل منظفر ابو سعید (۶۳۰ ھ) نے محفل میلاد قائم کی اور اس کے بدعت ہونے سے کسی مسلمان کو انکار نہیں ہے بریلوی بھی اسے بدعت تسلیم کرتے ہیں۔ گر اس سے آگے وہ اسے حسنہ کہہ کر اپنے لیے معافی کی گنجائش پیدا کر لیتے ہیں۔

محفل میلاد کا مرکزی عمل قیام تعظیمی ہوتا ہے اس کے بارے میں مولانا محمود احمد رضوی مدیر ماہنامہ رضوان صراحت سے لکھتے ہیں:-

> لوگوں کی یہ عادت جاری ہو گئی ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش مبارک کا ذکر سنا فوراً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو گئے یہ قیام بدعت ہے جس کی کوئی اصل نہیں یعنی بدعت حسنہ [1]

بھلا وہ بدعت بھی جس کی سرے سے کوئی اصل نہ ہو بدعت حسنہ ہو سکتی ہے۔ اس پر آپ خود غور فرمائیں۔ تاہم مولانا محمود احمد رضوی کی یہ بات لائق تحسین ہے کہ انہوں نے سیرت حلبیہ

[1] ماہنامہ رضوان لاہور نومبر ۱۹۸۶ء صفحہ ۱۷، ۱۸

میں تسلیم کرلیا کہ یہ قیام تعظیمی بدعت ہے جس کی کوئی اصل نہیں۔ رہی یہ بات کہ ان کے نزدیک یہ بدعتِ حسنہ ہے تو اس کے جواب میں ہم اس پر اکتفا کریں گے کہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے ہمیں کسی بدعتِ حسنہ کو بھی اپنانے کی اجازت نہیں دی۔ آپ فرماتے ہیں:۔

بدعت کیا اور حسن کیا۔ فقیر کسی بدعت میں حسن نہیں دیکھتا۔ یہاں اندھیرا ہی اندھیرا ہے اس سے پوری طرح بچنا چاہیئے۔

قیام تعظیمی تو ایک طرف رہا آپ تو خود محفل میلاد کو بھی پسند نہیں کرتے۔ اپنے مخدوم زادوں کو لکھتے ہیں:۔

بہ نظرِ انصاف بہ بینند کہ فرضاً حضرت ایشاں دریں اوان در دنیا مے بودند و ایں مجلس و اجتماع منعقد مے شد آیا بہ ایں راضی مے شدند و ایں اجتماع را مے پسندیدند یا نہ؟ یقینِ فقیر آں است کہ ہرگز ایں معنی را تجویز نہ فرمودند بلکہ انکار مے نمودند[1]

ترجمہ: انصاف سے دیکھئے اور فرض کیجئے کہ اگر حضرت والا اس وقت دنیا میں موجود ہوتے اور یہ مجالس و اجتماع منعقد ہوتے تو کیا آپ اس سے راضی ہوتے اور اس اجتماع کو پسند کرتے۔ مجھے یقین ہے آپ اسے ہرگز جائز نہ فرماتے بلکہ اسے منکرات میں شمار کرتے۔

یہاں یہ بحث نہیں کہ حضرت مجدد ثانیؒ کے عقیدے میں حضرت والاؐ اس وقت اس دنیا میں موجود ہیں یا نہ؟ ہم یہاں صرف یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ آپ اگر یہاں ہوتے تو ان محافل و مجالس کو قطعاً پسند نہ کرتے ۔۔۔۔ رہا یہ امر کہ لوگ حضورؐ کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوں۔ آپ نے دنیا میں رہتے ہوئے کبھی اس کی اجازت نہ دی تھی۔ صحابہ کرامؓ کبھی آپ کے لیے دائرہ باندھ کر یا صف بنا کر کھڑے نہ ہوتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ آپؐ اسے ناپسند کرتے ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔

---

[1] دفتر اول مکتوب ۲۷۳

لم یکن شخص احب الیهم من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکانوا اذا رأوہ لم یقوموا لما یعلمون من کراھیتہ لذلک۔[1]

ترجمہ: کوئی شخص صحابہ کرامؓ کو آنحضرتؐ سے زیادہ پیارا نہ تھا لیکن جب وہ آپ کو دیکھتے تو کھڑے نہ ہوتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ حضورؐ اس قیام تعظیمی کو ناپسند کرتے ہیں۔

یہ کون سا قیام ہے جس سے صحابہؓ رکے رہتے تھے اور نظر رسالت سے اسے مکروہ جانتے تھے ۱۔ یہ وہ قیام ہے جو اتفاقی ہو کہ حضورؐ کہیں ادھر سے آنکلے اور یہ ادب سے اٹھ کھڑے ہوں۔ ۲۔ حضورؐ سامنے ہوں اور یہ قیام آپ کے سامنے ہو ـــــ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس قیام تعظیمی کو بھی مکروہ جانتے تھے جو آپ اگر کہیں وہ قیام دیکھ لیتے جو آج بریلویوں میں رائج ہے تو اس سے آپ کس قدر پریشان ہوتے یہ آپ سوچیں۔

سامنے حاضری کی صورت میں قیام تو کسی خدمت کے لیے بھی ہو سکتا ہے جیسے حضرت سعد بن معاذؓ جب آئے تو چونکہ وہ زخمی تھے آپؐ نے صحابہؓ کو کہا قوموا الی سیدکم ـــــ یہ قیام الخدمت تھا۔ فانزلوہ من الحمار (رواہ احمد) اس قیام کی تو کچھ سمجھ آتی ہے لیکن جب سامنے بھی کوئی نظر نہ آتے اور یہ قیام تعظیمی صرف غائبانہ تصور باندھ کر ہو اور اسی تصور میں پھر نماز کی طرح ہاتھ بھی باندھ لیے جائیں تو یہ قیام اس قیام سے اور بھی وحشت ناک ہو جائے گا جسے صحابہ کرامؓ نظر رسالت میں مکروہ سمجھتے تھے۔ یہ قیام تعظیمی تو اب قیام تعبدی کے قریب قریب آلگا ہے۔

پھر اس سے آگے کی منزل اور بھی خطرناک ہے کہ سلام پڑھنے والا آپ کو حاضر و ناظر بھی اعتقاد کر رہا ہو اور اسے واجب بھی جانتا ہو۔ مولانا عبدالسمیع رامپوری جو تجویز بدعات میں بریلویوں کے اعلیحضرت ہیں (جس طرح تکفیر میں مولانا احمد رضا خاں ان کے اعلیحضرت ہیں) قائلین قیام کے ۵، نمبر مفتی سے نقل کرتے ہیں اور قیام کو واجب ٹھہراتے ہیں۔

---

[1] ترمذی جلد ۲ ص ۱۰۰ مسند امام احمد جلد ۳ ص ۱۵۱ مشکوٰۃ ص ۴۰۳

یجب القیام عند ذکر ولادته صلی اللہ علیہ وسلم استحسنہ العلماء الاعلام وقداۃ الدین والاسلام[1]

ترجمہ: حضورؐ کی ولادت کے ذکر کے وقت قیام کرنا واجب ہے اس واجب کرنے کو بڑے بڑے علماء نے پسند کیا ہے۔

ہم مفتی احمد یار صاحب گجراتی کے شکر گزار ہیں کہ انہوں نے انوار ساطعہ کے اس فتوے کی کھلے طور پہ تردید فرمادی۔ لیکن افسوس کہ جھوٹ بول کر — کہ وجوب قیام کا فتوے اب تک ان کے کسی عالم نے نہیں دیا۔ دیکھئے کیا یہ کھلا جھوٹ نہیں مفتی صاحب موصوف لکھتے ہیں:۔

یہ مسلمانوں پر محض بہتان ہے کہ وہ قیام میلاد کو واجب سمجھتے ہیں نہ کسی عالم دین نے لکھا ہے کہ قیام واجب ہے[2]

جب میلاد شریف قیام کے بغیر بھی ہو جاتا ہے تو آج قیام تعظیمی محفل میلاد کا رکن اعظم کیوں بنا ہوا ہے؟ بریلوی علماء اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ دوسرے عقیدے کے لوگ اگر کسی مشترک اجتماع میں آنکلیں اور وہاں حضورؐ کی ولادت کا بیان ہو تو انہیں مجلس سے نکالنے کے لیے یہ قیام واجب ہو جاتا ہے کہ وہ تو اس بدعت میں شامل ہونے سے معذور ہوں گے یا بیٹھے رہیں گے یا چلیں جائیں گے پہلی صورت میں وہ تارکِ واجب ہوں گے اور دوسری صورت میں وہ آسانی سے درود وسلام کے منکر قرار دیئے جاسکیں گے بس یہ ایک ضرورت ہے اور اس صورت میں قیام واجب ہو جاتا ہے سو یہ قیام تعظیمی نہ ہوا قیام تفرقہ ہوا جس کا مقصد مسلمانوں کے ایک دوسرے طبقے کو مجلس سے اٹھانا یا تفرقہ پیدا کرنا ہوتا ہے بہرحال اس میں شک نہیں کہ ان کے ہاں ایک صورت میں یہ قیام واجب بھی ہے اور مفتی احمد یار صاحب نے مذکورہ بالا عبارت میں جو اس کا انکار کیا ہے وہ درست نہیں ہے۔

مجلس میلاد میں بوقت صلوٰۃ وسلام قیام کرنا مستحب ومستحسن ہے اور ایک صورت میں واجب ہے[3]

---

[1] انوار ساطعہ صـ۲۶۳ [2] جاء الحق صـ۲۴۵ [3] جامع الفتاوی جلد صـ۲/۱۶

قیام بوقت صلوٰۃ وسلام ہے یا بوقت ذکر ولادت۔ اسے ملا نظام الدین عثمانی پھر بھول گئے ہیں معلوم ہوتا ہے ان کی زیادہ توجہ صرف اس صورت پر تھی جس میں یہ قیام واجب ہو جاتا ہے اور تفرقے کی کوئی صورت نکل ہی آتی ہے۔

بریلوی علماء کا جب اصل مقصد ہی تفرقہ اور اہل السنۃ والجماعۃ کی باہمی تفریق ہے تو کیا وہ اپنا یہ مقصد کسی اور طریق سے حاصل نہیں کر سکتے۔ اپنے اس مذموم مقصد کے لیے حضور کے نام کو استعمال کرنا کون سا ایمان اور کس قسم کی تعظیم شان رسالت ہے۔ یہ آپ سوچیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر مبارک کو تفرقہ بین المسلمین کے غلط مقصد کے لیے استعمال کرنا اور وہ چیز جو شرعاً واجب نہ تھی اسے اس لیے واجب کرنا کہ بیٹھ کر صلوٰۃ وسلام پڑھنے کے قائلین (جیسا کہ نماز میں بیٹھ کر صلوٰۃ وسلام پڑھا جاتا ہے) مجلس سے نکل جائیں۔ یہ ایسی مذموم حرکت ہے کہ اس کے مجوز بریلوی علماء شاید ہی اس باب میں اللہ کے حضور کوئی عذر پیش کر سکیں۔

ملک اربل کے محفل میلاد مقرر کرنے پر علماء کا ردِ عمل

ملک اربل کا اصل مقصد علماء کرام کو ائمہ مجتہدین کی پیروی سے ہٹانا اور خود نئے نئے اجتہادات کا خوگر کرنا تھا۔ جب وہ قرآن وحدیث سے آزادانہ اجتہاد اور استنباط کریں گے تو پھر کون سی بات ہے جو ثابت نہ ہو سکے اور کون سی بات ہے جو رد نہ ہو سکے —— اصول فقہ کی جب پیروی نہیں تو اب جو مسئلہ چاہو قرآن وحدیث کے نام سے چلا دو۔ کیا مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنی پوری سیاسی گاڑی اسی راہ سے نہیں چلائی —— یاد رکھئے اگر کوئی چیز اس بے دین راہ روی سے روک سکتی ہے تو وہ ائمہ سلف کی پیروی ہے اور ملک اربل اس کا مخالف تھا۔

ملک اربل کے پس پردہ جو غیر مقلد عالم اس فتنے کو ہوا دے رہا تھا وہ عمر بن دحیہ ابوالخطاب (۶۳۳ھ) تھا۔ اس کا مسلک حافظ ابن حجر (۸۵۲ھ) کی زبان سے سنیئے :۔

كثير الوقيعة فى الائمة وفى السلف من العلماء خبيث اللسان احمق

شدید الکبر قلیل النظر فی امور الدین متھاونا[1]

ترجمہ۔ وہ ائمہ دین اور علما سلف کی شان میں بہت گستاخیاں کیا کرتا تھا بڑا بدگو تھا بڑا احمق تھا اپنے آپ کو بڑا عالم سمجھتا تھا غور و فکر (فقہ) میں بہت کم تھا دین کے کاموں میں بہت سست تھا۔

اس غیر مقلد کے ساتھ اور بھی کئی مولوی لگ گئے۔ بادشاہ اس محفل میلاد پر ہر سال تین لاکھ روپیہ خرچ کرتا اور ان مجالس کو دنیوی اعتبار سے ہر طرح کی رونق سے آراستہ و پیراستہ کیا جاتا۔ دُنیا پرست مولوی اس سے پُورا فائدہ اٹھاتے تھے یہ وہ راہ ہے جس سے اس امت میں بدعات داخل ہوئیں اور یہی وہ تحریک ہے جس نے بریلویت کی شکل اختیار کر رکھی ہے۔ مولانا محمد عمر اچھروی بھی غیر مقلد تھے اچانک بریلوی قبا میں جلوہ گر ہوئے اور فقہ سے ہٹ کر قرآن و حدیث کے نام سے اپنے عقائد شرکیہ اور اعمال بدعت کو علمی استناد مہیا کیا۔ ۱۹۵۹ء میں انہوں نے قوم کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ حضورؐ کے یوم پیدائش پر عید میلاد کی نماز قائم کی جائے اور مسلمان اپنے نبی کی پیدائش کی خوشی میں دو رکعت نماز شکرانہ ادا کریں۔ مولانا ابوالحسنات قادری نے اس کی مخالفت کی اور اس طرح یہ تجویز آگے نہ چل سکی۔ بریلویوں کے لیے بازار گلیاں سجانا آسان تھا مگر نماز پڑھنے کی زحمت ان کے لیے سخت تھی۔

اہل حدیث حضرات حضورؐ کی پیدائش کی خوشی میں آپ کے یوم پیدائش پر روزہ رکھنے کے قائل ہیں۔ اہل السنۃ کے نزدیک یہ عمل صحابہؓ سے ثابت نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ عمل جسے صحابہؓ نے اختیار نہ کیا ہو کسی علت خفیہ سے متعلق ہوتا ہے وہ امت کے لیے راہِ عمل نہیں بنتا امت کے لیے آپ نے شاہراہ ما انا علیہ واصحابی قائم کی ہے۔ ہفت روزہ تنظیم اہلحدیث لاہور کے ۲۸ نومبر ۱۹۸۶ء کے شمارے میں ہے۔

مسلمان اگر ولادت نبوی کے شکرانے میں یوم ولادت پر روزہ رکھیں تو یہ بلاشبہ

---

[1] لسان المیزان جلد ۴ صفحہ ۲۹۶

جائز ہے بلکہ سنتِ رسول ہے۔

حضورؐ کے سوموار کے روزے میں تو یومِ بعثت کا بھی ذکر ہے۔ معلوم نہیں اہلحدیث بزرگوں نے یہ یومِ پیدائش کا روزہ اور وہ بھی بہ نیتِ شکرانہ یہ کہاں سے نکال لیا ہے۔

ہم نہ یومِ پیدائش پر شکرانے کی نماز کی تائید کرتے ہیں نہ روزے کی۔ اگر یہ کوئی لائقِ عمل بات ہوتی تو کیا صحابہ کرامؓ اس پر عمل پیرا نہ ہوتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یومِ پیدائش کو اجتماعی طور پر منانے کی طرح مظفرالدین ملک اربل نے اپنے وقت کے غیر مقلد عالم عمر بن وحیہ ابوالخطاب کے فتوے سے ڈالی تھی ــــــ علمائے اہلسنت نے حنفی ہوں یا حنبلی، مالکی ہوں یا شافعی کسی نے اس اجتماعی خوشی کو شرعی تقدس نہیں دیا نہ اس باب میں صحابہؓ کا کوئی خاص عمل منقول ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یومِ پیدائش پیر کا دن ہے جو ہر ہفتے آتا ہے معلوم نہیں بریلوی حضرات اس یومِ پیدائش کو ۱۲، ربیع الاول پر کیسے لے آئے اور افسوس ہے کہ اہلحدیث حضرات نے آپ کے یومِ پیدائش کا روزہ رکھنے کو ۱۲، ربیع الاوّل کی بحث میں کیسے سیٹ کر دیا۔ اگر ان کے علماء آپ کے یومِ پیدائش پر شکرانے کا روزہ رکھتے ہیں تو انہیں اس بات کی وضاحت کر دینی چاہیئے تھی کہ ہم سوموار کے دن حضورؐ کی پیدائش کے شکرانہ میں روزہ رکھتے ہیں نہ کہ ربیع الاوّل کے کسی خاص دن جب حضورؐ اس دنیا میں تشریف لائے تھے۔

علمائے دیوبند کے ہاں صرف ذکرِ ولادت مندوب ہے اور وہ بھی کسی خاص دن سے مخصوص نہیں۔ محفلِ میلاد اور چیز ہے اور ذکرِ ولادت بلاتخصیص وقت و دن اور چیز ــــــ لوگ اس امر مندوب پر جتنی قیدیں بڑھاتے جائیں گے اس عمل میں کراہت آتی جائے گی۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ (۱۳۲۳ھ) لکھتے ہیں:۔

نفس ذکرِ ولادت مندوب ہے اور اس میں کراہت قیود کے سبب سے آئی ہے۔[۱]

ملک اربل نے غیر مقلد علماء کی اکساہٹ پر جو محفلِ میلاد ترتیب دی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم

---

[۱] فتاویٰ رشیدیہ جلد ۱ صہ ۱۰۲

کے یوم پیدائش کو اجتماعی طور پر منانے کی طرح ڈالی. علامہ نصیر الدین شافعی، علامہ ابن امیر الحاج مالکی، حافظ ابن تیمیہ حنبلی (۷۲۸ھ) اور حضرت مجدد الف ثانی حنفی (۱۰۳۵ھ) نے اپنے اپنے وقت میں اس کی پر زور تردید کی اور بدعت کے سیلاب کے آگے ہر طرف سے روک کے پل باندھے. علامہ ابن امیر الحاج مالکی لکھتے ہیں:۔

ومن جملة ما احدثوه من البدع مع اعتقادهم ان ذٰلك من اكبر العبادات واظهار الشعائر ما يفعلونه فى الشهر الربيع الاوّل من المولد وقد احتوى ذٰلك على بدع ومحرمات..... لان ذٰلك زيادة فى الدين وليس من عمل السلف الماضين۔[1]

ترجمہ. ان بدعات میں سے جو لوگوں نے اس اعتقاد سے قائم کر رکھی ہیں کہ یہ بڑی عبادات ہیں اور شعائر اسلام کا اظہار ہیں وہ عمل بھی ہے جو یہ ربیع الاول میں آپ کی پیدائش پر کرتے ہیں اور اب یہ کام بہت سی بدعات اور ممنوعات پر مشتمل ہو گیا ہے...... یہ سب دین میں زیادتی ہے اور اس پر سلف صالحین کا عمل ثابت نہیں.

کسی عمل کا ناجائز ہونا درکنار اگر ادنیٰ گمان بھی پیدا ہو کہ یہ کام بدعت ہے یا سنت. تو علماء احناف نے اس کے چھوڑنے کا ہی حکم دیا ہے.

علامہ ابن نجیم (۹۲۹ھ) لکھتے ہیں:۔

ويلزم ان ما تردد بين بدعة وواجب اصطلاحى فانه يترك كالسنة.[2]

ترجمہ. اور جو چیز بدعت ہونے اور سنت ہونے میں زیر بحث ہو اُسے چھوڑ دیا جائے.

اور علامہ شامیؒ (۱۲۵۳ھ) لکھتے ہیں:۔

---

[1] مدخل جلد ۱ صفحہ ۸۵ [2] البحر الرائق جلد ۲ صفحہ ۱۲۵

اذا تردد الحکم بین سنة وبدعة کان ترك السنة راجحًا علی فعل البدعة[1]

ترجمہ۔ جب کوئی حکم سنّت اور بدعت میں لٹکا ہو تو سنّت کا ترک کرنا بدعت پر عمل کا خطرہ لینے سے بہتر ہے۔

حکیم الامت حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ اپنے وعظ السرور بظہور النور میں لکھتے ہیں:۔

اور ان دو قسموں (سنّت اور بدعت) میں ایک اور فرق عجیب ہے وہ یہ کہ پہلی قسم کے تجویز کرنے والے خواص یعنی علماء ہوتے ہیں اور اس میں عوام تصرف نہیں کرتے اور دوسری قسم کے تجویز کنندہ عوام کالانعام ہوتے ہیں اور وہی اس میں ہمیشہ تصرف کیا کرتے ہیں۔[2]

وعظ وتقریر کی مجلسیں اور جلسے

وعظ و درس فرض ہے اس کے واسطے اہتمام کرنا ضروریاتِ دین میں سے ہے۔ اور تیسرا چوتھا دن مقرر کرنا دفع ملال کے واسطے مناسب ہے۔ معہذا اگر اس میں بھی ایسی تعیین ہو کہ کسی حال تخلف نہ ہو تو وہ بھی بدعت ہو جائے گا اور یہ فعل خود صحابہ رضی اللہ عنہم کا بلکہ فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے سو جس شئے کو وہاں متعین کر دیا وہ معین ہو گیا اور سنّت ہو گیا اگر اسکو بھی کوئی واجب جاننے لگے تو وہ بھی تغییر حکم شرع سے بدعت ہو جائے گا۔[3]

پس اس پر قیاس کر کے کسی مباح مطلق کو معین کرنا درست نہیں، کیونکہ وہاں تو فعل شارع سے مستحب ہو گیا تھا۔ اب جس شئے کو شارع چھوڑ گئے اس کے اطلاق کو مقید کرنا خود تغییر ہو وے گا۔[3]

حضرت مفتی کفایت اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:۔

---

[1] رد المحتار جلد ا صفحہ ۶ [2] میلاد النبی صفحہ ۱۴۰ [3] براہین قاطعہ صفحہ ۱۱۱ [4] کفایت المفتی جلد ا صفحہ ۱۴۰

ابتدا میں یہ جلسے اسی غرض سے تجویز ہوئے تھے اور سیرت کے بیان کے لیے یہ مقرر کیے گئے تھے اور اسی صورت سے میں نے بھی ان جلسوں کے موافق رائے ظاہر کی تھی مگر اس شرط کے ساتھ کہ اس کی کوئی تاریخ ہمیشہ کے لیے معین نہ کی جائے بلکہ ہر سال موسم کے لحاظ سے ایک مناسب تاریخ کا اعلان کر دیا جایا کرے یا سال کی پہلی تاریخ (یکم محرم) مقرر کر دی جائے تاکہ عید میلاد کا شبہ نہ ہو[1]

میلاد کو اجتماعی طور پر منانے کا رواج ہندوستان میں کب آیا؟

انگریزوں کے ہندوستان میں آنے سے پہلے یہاں اجتماعی طور پر ۱۲ ربیع الاول کو میلاد منانے کا کوئی رواج نہ تھا۔ دہلی کی مسند حدیث کا فیض پورے ہندوستان میں پھیلا ہوا تھا اور حضرت شاہ محمد اسحٰق محدث دہلویؒ اس مسندِ حدیث کے صدر نشین تھے۔

انگریز اپنے ملک میں کرسمس حضرت عیسیٰ کی یاد میں قومی سطح پر مناتے ہیں۔ انہوں نے مسلمانوں میں اس موضوع کی آبیاری کی اور کچھ ایسے علماء لاکھڑے کیے جو دہلی کی مسندِ حدیث کے خلاف عدمِ اعتماد کی فضا پیدا کریں اور عیسائی جس طرح انگلستان میں ولادتِ مسیح قومی سطح پر مناتے ہیں یہاں ہندوستان میں مسلمان اسی طرح کی دینی مجلسیں قائم کریں اور مسلمان یادِ ولادت میں اتنے کھو جائیں کہ انگریزوں کو ان کے پیغام رسالت کا کوئی خطرہ باقی نہ رہے۔

مولانا فضل رسول بدایونی، مولانا عبدالسمیع رامپوری وغیرہ انہی دنوں محدثین دہلی کے خلاف اٹھے۔ حضرت مولانا احمد علی سہارنپوریؒ نے اسلاف سے تمسک کرتے ہوتے اس نئی درآمدہ دینی پالیسی کے خلاف آواز اٹھائی اور میلاد النبی پر ایک فتویٰ لکھا۔ مولانا عبدالسمیع رامپوری کی انوار ساطعہ پر حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ نے براہین قاطعہ لکھی —— تقسیم ہند تک برصغیر پاک و ہند میں علمائے اہل السنۃ والجماعۃ (علمائے دیوبند) کا یہی فتویٰ چلتا رہا اور ان کے خلاف اٹھنے

---

[1] کفایت المفتی جلد ا صفحہ ۱۴۰

والے مولانا احمد رضا خاں کے فتاویٰ کنج خموشی میں ہی پڑے رہے۔ پاکستان میں اب ان کی نئی نئی طباعت اور اشاعت شروع ہوئی ہے اور بریلویت اب اپنی اصلی شکل میں سامنے آئی ہے۔

بریلوی علماء نے برصغیر پاک و ہند میں عیسائی مذہب کے خاکے پر اسلام کو ڈھالنے کی جو نئی پالیسی اختیار کی وہ نہ صرف حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ اور محدثین دہلی کے خلاف تھی۔ بلکہ صحابہ کرامؓ ائمہ مجتہدین اور جملہ سلف صالحین کے تمسک بالسنہ اور اجتناب عن البدعۃ کے اصولوں کے خلاف تھی۔ یہ سب حضرات سنتوں پر عمل کرنے والے اور بدعتوں سے نفرت کرنے والے تھے۔

صحابہؓ بدعات سے اس قدر نفرت کرنے والے تھے کہ سیدنا حضرت عبداللہ بن عمرؓ (۷۴ھ) کے پاس ایک شخص کسی کا سلام لایا تو آپ نے اس کا سلام قبول نہ کیا اور فرمایا۔

بلغنی انه قد احدث فان کان قد احدث فلا تقرأه منی السلام۔[1]

ترجمہ۔ مجھے خبر پہنچی ہے کہ اس نے کوئی بدعات ایجاد کی ہیں اگر ایسا ہے تو میری طرف سے اسے سلام نہ کہنا۔

یہ حضرات اگر آج کی ان مجالس اور جلوسوں کو دیکھتے جو اہل بدعت نے حضورؐ کی پیدائش کے نام پر قائم کر رکھے ہیں تو معلوم نہیں وہ ان اہل بدعت کا کیا نام رکھتے۔ اور اتنی بات تو یقینی ہے کہ وہ کبھی ان مجالس میلاد میں شرکت کرنے والوں کو اہل السنۃ والجماعۃ میں جگہ نہ دیتے اور اہلِ بدعت کے نام سے یہ ایک مستقل فرقہ اس ملک میں جانا جاتا اور کوئی انہیں اہل سنت کا نام نہ دیتا۔

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوریؒ لکھتے ہیں:۔

نفس ذکر میلاد فخر عالم علیہ السلام کو کوئی منع نہیں کرتا بلکہ ذکر ولادت آپ کا مثل دیگر سیر و حالات کے مندوب ہے۔ چنانچہ یہ امر فتوے مولوی احمد علی صاحب محدث سہارنپوریؒ میں صراحتہً مذکور ہے۔۔۔۔ البتہ امور غیر مشروعہ جو اس کے ساتھ ضم ہو گئے ہیں ان کی وجہ سے حکم مجموعہ پر بدعت و منکر ہونے کا یا شرک و حرمت کا لگایا جاتا ہے۔[2]

---

[1] جامع ترمذی جلد ۲ ص۳۵ [2] براہین قاطعہ ص۱۴

یعنی جس درجے کی برائی اعتقاد میں ہوگی اس درجہ کے حکم اس عملِ بدعت پہ لگے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکرِ ولادت اور تذکرہ پیدائش جو کسی قسم کی بدعات و خرافات سے آلودہ نہ ہو وہ ہرگز بدعت نہیں مندوب ہے۔ آپ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا فتوے پہلے دیکھ آئے ہیں۔ آپ نے کس صراحت سے اسے مندوب لکھا ہے۔ فتفکروا ولاتکونوا من المفترین۔

سو علماء دیوبند کے خلاف یہ جھوٹا پراپیگنڈہ ہے کہ وہ حضورؐ کے ذکرِ میلاد کو جائز نہیں سمجھتے اب اس واضح صراحت کے باوجود جو شخص اس بات کو علماء دیوبند کی طرف منسوب کرے وہ مفتری اور کذاب ہے اور اللہ کے ہاں اس کا حساب۔

افسوس ان بزرگوں پہ الزامات لگانا بریلویوں کی عادت ہو چکی ہے جو اپنے خیمے جنت میں لگا چکے ہیں اور بہت سے اپنے دفن ہونے کی جگہ دیارِ رسول مدینہ منورہ میں پا چکے ہیں۔

عاشق وہ ہیں جن کو وہاں کی مٹی نصیب ہوگئی اور بہر نوع یہ وہ جن کا داخلہ بھی اس پاک زمین پر بند ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا کہ دجّال مدینہ منورہ اور مکّہ مکرمہ میں کبھی داخل نہ ہو سکے گا اور اللہ تعالیٰ اس پاک زمین کے تقدس اور شرف کو ہر صورت میں باقی رکھے گا۔

خلفائے راشدینؓ

عبقات کے بیشتر سوالات و جوابات

خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے گرد گھومتے ہیں۔ اگر آپ
ان جوابات میں کچھ دلچسپی محسوس کرتے ہیں تو علامہ خالد محمود صاحب کے اس متن کو بھی ضرور
پڑھیں جس کا یہ حاشیہ ہیں۔ خلفائے راشدینؓ ان خلفائے اربعہ کی مسلسل تاریخ نہیں
ان پر لکھے گئے علیحدہ علیحدہ مستقل مضامین ہیں۔ مسلسل کتاب سے مضمون نکالنا اور خطبہ
کے لیے اسے ترتیب دینا مشکل ہوتا ہے۔ یہ ان حضرات پر لکھے گئے پہلے سے علیحدہ
علیحدہ مضامین ہیں۔ یہ ایسی خطبات ہیں جو خطیبوں اور مناظروں کیلئے عصر حاضر کا
قیمتی کشکول ہیں۔ یہ علمی کتاب ہر عالم کے پاس ہر وقت موجود ہونی چاہیئے۔
خلفائے راشدینؓ ۶۸۸ صفحات کا ایک علمی ذخیرہ ہے۔ جو ہفت روزہ دعوت
لاہور میں ۱۹۶۲ء میں شائع ہونے والے چار مختلف نمبروں کی مجموعی
پیشکش ہے۔ محقق العصر حضرت علامہ خالد محمود صاحب کے فاضلانہ قلم کی یہ
تاریخی یادگار اس لائق ہے کہ ہر پڑھے لکھے گھر میں موجود رہے۔ جس حلقے میں یہ کتاب مع
عبقات موجود ہوگی وہاں رفض و الحاد کے اثرات کبھی نہ پھیل سکیں گے۔

جلد اعلیٰ ڈائی دار قیمت ——— ۱۹۲ روپے
انگلینڈ میں ہدیہ اشتراک ——— ۱۲ پونڈ۔

حافظ نور محمد انور منیجر ہفت روزہ "دعوت"، شاہ عالم مارکیٹ لاہور